

کلیاتِ اقبال اُردو

اقبال

کلیاتِ اقبال

کلیاتِ اقبال (اردو) خصوصی ایڈیشن

جمہد حقوق بحق اقبال اکادمی پاکستان محفوظ ہیں۔

ناشر
پروفیسر شہرت بخاری
ناظم اقبال اکادمی پاکستان، لاہور

سال اشاعت ۱۹۹۰ء مطابق ۱۱۔۱۲۔۱۳۱۰ھ

تعداد ۳۵۰۰

قیمت ۲۶۰ روپے

مطبع استقلال پریس، لاہور

ISBN 969-416-000-6

بہ ہتمام

اقبال اکادمی پاکستان، لاہور

نیشنل بک فاؤنڈیشن، اسلام آباد

کلیاتِ اقبال
ب

الفصل الثامن والعشرون
البرامج

٣
كليات اقبال
ج

لوح بھی تو معلم بھی تو تیرا وجود اللہ کتاب
 گنبدِ آبلینہ زنگ تیرے محیط میں حساب !
 عالمِ آب و خاک میں تیرے طہور سے فروغ
 فہمہ رنگ کو دیا تو نے طلوعِ آفتاب !
 شکریتِ سحر و سلیم تیرے جلال کا سرور !
 فقرِ جنید و بایزید تیرا جمال ہے نقاب !
 شوقِ ترا اگر نہ ہو میری نماز کا امام
 میرا نبیم بھی حجاب میرا سجد بھی حجاب !
 تیری نگاہِ ناز سے دونوں مراد پا گئے
 عقلِ غیب و جستجو عشقِ حضور و افلاک !

۲
 مہرِ امانت

مجلس تدوین و طباعت :

سرپرست : ڈاکٹر جاوید اقبال

نگران تدوین : پروفیسر محمد منور نگران اشاعت : پروفیسر شہرت بخاری

مجلس مشاورت :

رشید حسن خان، ڈاکٹر جمیل قریشی، ڈاکٹر خواجہ محمد کبریٰ،

مشفق خواجہ، ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی صابر کلورومی، ڈاکٹر تحسین فراقی،

محمد الکریم چغتائی، محمد سہیل عمر، ڈاکٹر جمیل عشرت

مجلس منتظمہ :

مدیر تدوین : محمد سہیل عمر مدیر منتظم : ڈاکٹر جمیل عشرت

تصحیح متن و نظر ثانی : ڈاکٹر افتخار احمد صدیقی، شان الحق حقی، احمد جاوید

تصحیح کتابت : انور جاوید

خطاطی : جمیل احمد قریشی تنویر قسم

ترتیب و آرائش : ذوالفقار احمد

زیر اہتمام : اقبال اکادمی پاکستان، لاہور

میں نے کبھی اپنے آپ کو شاعر نہیں سمجھا.....

فنِ شاعری سے مجھے کوئی دلچسپی نہیں رہی، ہاں بعض

مقاصد خاص رکھتا ہوں جن کے بیان کے لیے حالات و

روایات کی رُو سے میں نے نظم کا طریقہ اختیار کر لیا ہے ورنہ

نیربیبی خیرازاں مردِ فردوس

کہ برمن تہمتِ شعرو سخن بست

اقبالؔ

۲
کلیاتِ اقبال

خارج عہدیت

کلیاتِ اقبال

ز

”شعرا تو ام میں با ز پیداکرتے ہیں۔ ملٹن،
 شکسپیر، بائرن، غمیز نے قوم کی بے بہا خدمت کر
 ہے۔ کارلائل نے شکسپیر کو عظمت کا ذکر کرتے ہوئے
 ایک انگریز کا ذکر کیا ہے۔ اُسے جب شکسپیر اور
 دولتِ برطانیہ میں سے کسی ایک کو منتخب کرنے
 کا اختیار دیا گیا تو اُس نے کہا ”میں شکسپیر کو
 کسی قیمت پر نہ دوں گا“ اگو میرے پاس سلطنت
 نہیں ہے، لیکن اگر سلطنت مل جائے اور اقبال ہے اور
 سلطنت میں سے کسی ایک کو منتخب کرنے کی
 نوبت آئے تو میں اقبال کو منتخب کروں گا۔“

قائد اعظمؒ

”اقبال کے لئے ادنیٰ شخصیت عالمگیر ہے۔ وہ بڑے
 ادیب، بلند پایہ شاعر اور مفکرِ اعظم تھے لیکن اس حقیقت
 کو میں سمجھتا ہوں کہ وہ ایسا بہت بڑے سیاستدان
 بھی تھے۔۔۔۔۔۔ مرحوم دورِ حاضر میں اسلام کے
 بہترین شارح تھے کیونکہ اس زمانے میں اقبالؒ
 سے بہت سے اسلام کو کسی نے نہیں سمجھا۔ مجھے اس
 امر کا فخر حاصل ہے کہ ان کے قیادت میں میں ایک
 سپاہیوں کی حیثیت سے کام کرنے کا مجھے موقع
 ملے چکا ہے۔ میں نے ان سے زیادہ فوائد
 رفیوتے اور اسلام کا شیدائی نہیں دیکھا۔“

قائد اعظمؒ

”اقبال کی شاعری نے نوجوان مسلمانوں میں بیداری پیدا کر دی ہے اور بعض نے
یہاں تک کہہ دیا ہے کہ جس بیجا کا انتظار تھا وہ آ گیا ہے۔“

(بیکسن)

”ہندوستان میں حرکتِ تجدید نے اپنا ممتاز ترین ظہور سر مستد اقبال کی
شاعری میں حاصل کیا ہے۔“

(سر طابرس آرنلڈ، برطانیہ)

”شاید یہ بہت کم لوگوں کو معلوم ہو کہ ڈاکٹر اقبال مرحوم ایک صوفی خاندان
میں پیدا ہوئے تھے۔ ان کے والد مرحوم ایک خوش اوقات صوفی صہانی تھے
اور ان کے ہاں آنے والے دوستوں کا مذاق بھی یہی تھا اور اسی ماحول میں اقبال
کی پرورش ہوئی۔“

(سید سلیمان ندوی، پاکستان)

”در ویدہ معنی نگہبان حضرت اقبال
پنغیر تے کرو و پیمبر توں گفت“

(مولانا غلام قادر کرامی)

”ہندوستان کے اردو دانوں کی زبان پر آج کل اقبال کا ہی چرچا ہے۔“

(قاضی نذیر الاسلام، بنگلہ دیش)

”محمد اقبالؒ ہمارے عہد میں اسلامی فکر اور انسانی و بین المللی اسلامی بصیرت کے منظر ہیں۔“

”میں جب بھی اقبالؒ کے بارے میں سوچتا ہوں، میں اُن کو علیؑ کو نہ (علیؑ نما) پاتا ہوں یعنی ایک ایسا انسان جو علیؑ کی سنت کا پیرو ہے، لیکن وہ انسان بیسویں صدی کی انسانی استعداد کے کیف و کم کا بھی نمونہ ہے۔“

(ڈاکٹر علی شریعتی، ایران)

”بیدے گرفت اقبالؒ رسید
بیدلاں را نوبت حالے رسید
قرن حاضر حاصتہ اقبالؒ گشت
واحدے کہ صد ہزاراں برگزشت
این سلا مے می فرستم سوتے یار
بے ریاتر از نسیم نوبہار

(ملک الشعراء بہار، ایران)

”اقبالؒ ہمارے لیے مسیحا بن کر آیا ہے اور اُس نے مُردوں میں زندگی کی نہرو ڈا دی ہے۔“

(شمس العلماء ڈاکٹر عبدالرحمن بجنوری)

”وہ باوجود اتنا بڑا مشہور شاعر ہونے کے شاعر نہیں ہے بلکہ اپنے
پیام سے ممتاز نبوت کی جانشینی کا حق ادا کر رہا ہے۔ مبارک ہیں وہ ہستیاں
جو اقبال شناس ہو جائیں!“

(مولانا عبد الماجد دریا آبادی)

”شاعری میں مابعد الطبیعیاتی صداقتوں کے معیار پر اگر آج کے اپنے شعراء
کی پرکھ کی جلتے تو مجھے صرف ایک ہی زندہ شاعر نظر آتا ہے جو کم عیار ثابت نہ
ہوگا اور یہ بھی طے ہے کہ وہ ہمارے عقیدے اور نسل کا شاعر بھی نہیں ہے، میری
مراد مستند اقبال سے ہے۔“

(سرہربٹ ریڈ، ۱۹۲۱ء)

”اقبال کی شاعری کی خاص غایت تھی۔ مولانا حالی کی طرح اقبال نے
بھی اپنی شاعری سے قوم اور ملک کو جگانے اور رہنمائی کا کام لیا۔ یہ اس کے
خیال اور فکر کی قوت اور جدت تھی، جس نے اس کے کلام اور طرز بیان میں
زور اور جوش پیدا کر دیا۔“

(بابائے اردو ڈاکٹر مولوی عبدالحق)

”علامہ اقبال کا شمار بیسویں صدی کے عظیم ترین شعراء اور مفکرین میں کیا جاتا
ہے۔ اُن کی حیات ہی میں انھیں شاعر مشرق کہا جانے لگا۔“

(نکولائی گلیبوف، روس)

”اقبالؑ — ایک شاعر، جس نے زمانے پر اپنا سکہ بٹھا دیا۔“

(ڈاکٹر طرہ احسن، برصغیر)

”صرف سرزمینِ پاکستان کے لیے نہیں بلکہ ساتھ ہی ساتھ آزادی، وطن پرستی اور فضیلت کے لیے کوشاں تمام مسلمانوں اور انسانوں کی خدمت کرنے والے نمونہ شاعر اقبال ہیں۔“

(ڈاکٹر عبد القادر کراچان، ترکی)

”اقبالؑ کا سارا کلام پڑھنے کے بعد ایک سیدھی سادی بات جو ایک عامی کی سمجھ میں آتی ہے وہ یہ ہے کہ انسان اپنی صلاحیتوں اور قوتوں کو پہچانے اور ان سے کام لے۔ خدا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عشق رکھے۔ اسلامی تعلیمات کی حرکی رُوح کو سمجھے اور اس پر عمل کرے تو وہ حقیقت میں حُشدا کا جانشین بن سکتا ہے اور اپنی تقدیر کا آپ مالک بن سکتا ہے۔“

(عزیز احمد)

”ہم اقبالؑ کو عہدِ جدید کا زبردست نمونہ اسلامی، مجددِ ملت اور اسلامی انقلاب کا سب سے بڑا داعی کہتے ہیں۔“

(مولانا سعید احمد کسبر آبادی)

”ڈاکٹر اقبال اپنی وفات سے ہمارے ادب میں ایسی جگہ خالی کرتے ہیں، جس کا لکھاؤ مدتِ مدید میں بھی مُسندِ دل نہیں ہو سکتا۔ ہندوستان کا رتبہ آج دُنیا میں اتنا کم پایہ ہے کہ ہم کسی حالت میں ایسے شاعر کی کمی برداشت نہیں کر سکتے، جن کے کلام نے عالمگیر مقبولیت حاصل کر لی ہو۔“

(راہنڈر ناتھ شیور، بھارت)

”و اگر جلال الدین رومیؒ اس زمانے میں جی اٹھیں تو وہ مُحمد اقبال ہی ہوں گے۔ ساتویں صدی کے جلال اور چودھویں صدی کے اقبال کو ایک ہی سمجھنا چاہیے۔“

(ڈاکٹر عبد الوہاب عزام، مصر)

”یہ بھی ہمارے شہنشاہانہ طرزِ حکومت کا ایک کرشمہ ہے کہ اقبال جیسا شاعر، جس کا نام گزشتہ دس برس سے اُس کے ہم وطن مسلمانانِ ہند میں نیچے نیچے کی زبان پر ہے، اُس کے کلام کا ترجمہ اس قدر عرصے کے بعد جا کر ہر ای زبان میں ہو سکے۔ ہندوؤں میں جو مرتبہ شیور کو حاصل ہے، وہی مسلمانوں میں اقبال کو ہے اور زیادہ صحیح طور پر ہے، اس لیے کہ شیور کو بنگال سے باہر اُس وقت تک کسی نے نہ پوچھا جب تک وہ یورپ جا کر تو بل پر اتر نہ حاصل کر لائے۔ برخلاف اس کے اقبال کی شہرت یورپ کی اعانت سے بالکل مُستثنیٰ ہے۔“

(ای۔ ایم فاسٹر، سنہ ۱۹۲۰ء)

ترتیب کلمات اقبال

۱۷

بانگِ درا

۳۲۵

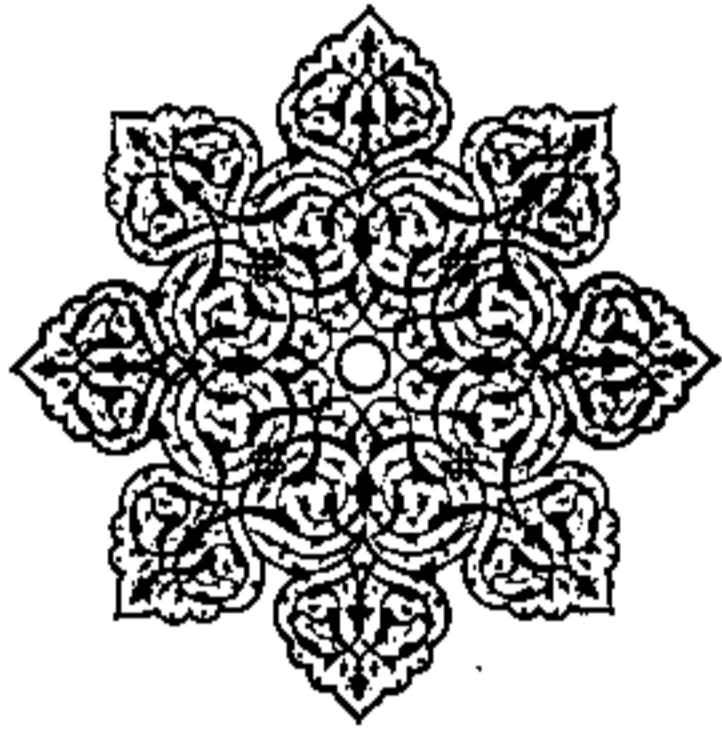
بالِ حبیبِ ریل

۵۰۱

ضربِ کلیم

۶۹۳

از معنائِ حجاز (اُردو)



۱۶
کلیات اقبال
ع

بانکِ درا

اقبال

۱۴
بانکِ درا

۴۸	۱۶
۴۹	۱۷
۵۰	۱۸
۵۱	۱۹
۵۲	۲۰
۵۳	۲۱
۵۴	۲۲
۵۵	۲۳
۵۶	۲۴
۵۷	۲۵
۵۸	۲۶
۵۹	۲۷
۶۰	۲۸
۶۱	۲۹
۶۲	۳۰
۶۳	۳۱
۶۴	۳۲
۶۵	۳۳
۶۶	۳۴
۶۷	۳۵
۶۸	۳۶
۶۹	۳۷
۷۰	۳۸
۷۱	۳۹
۷۲	۴۰
۷۳	۴۱
۷۴	۴۲
۷۵	۴۳
۷۶	۴۴
۷۷	۴۵
۷۸	۴۶
۷۹	۴۷
۸۰	۴۸
۸۱	۴۹
۸۲	۵۰
۸۳	۵۱
۸۴	۵۲
۸۵	۵۳
۸۶	۵۴
۸۷	۵۵
۸۸	۵۶
۸۹	۵۷
۹۰	۵۸
۹۱	۵۹
۹۲	۶۰
۹۳	۶۱
۹۴	۶۲
۹۵	۶۳
۹۶	۶۴
۹۷	۶۵
۹۸	۶۶
۹۹	۶۷
۱۰۰	۶۸



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

فہرست

حصہ اول

(..... ۱۹۰۵ء تک)

۵۱/۳۵

۵۳/۳۷

۵۵/۳۹

۵۵/۳۹

۵۷/۴۱

۵۹/۴۳

۶۱/۴۵

۱ ہمالہ

۲ گل زندیں

۳ عمدہ طفیلی

۴ مرزا غالب

۵ ابر کوہسار

۶ ایک مکڑا اور مکھی

۷ ایک پہاڑ اور کلہری

۶۲/۴۶	ایک گائے اور بکری	۸
۶۵/۴۹	بچے کی دعا	۹
۶۶/۵۰	ہمدردی	۱۰
۶۷/۵۱	ماں کا خواب	۱۱
۶۸/۵۲	پرندے کی فریاد	۱۲
۶۹/۵۳	خفتگان خاک کے استفسار	۱۳
۷۱/۵۵	شمع و پروانہ	۱۴
۷۲/۵۶	عقل و دل	۱۵
۷۳/۵۷	صدائے درد	۱۶
۷۴/۵۸	افتاب (ترجمہ کایتی)	۱۷
۷۵/۵۹	شمع	۱۸
۷۸/۶۲	ایک آرزو	۱۹
۸۰/۶۴	افتاب صبح	۲۰
۸۲/۶۶	دردِ عشق	۲۱

۲۰
بائے در
۲

۸۳/۴۷	گل پڑمروہ	۲۲
۸۴/۴۸	سید کی لوحِ شربت	۲۳
۸۵/۴۹	ماہِ نو	۲۴
۸۶/۷۰	انسان اور بزمِ قدرت	۲۵
۸۸/۷۲	پیغامِ صبح	۲۶
۸۹/۷۳	عشق اور موت	۲۷
۹۱/۷۵	زہد اور زندگی	۲۸
۹۳/۷۷	شاعر	۲۹
۹۳/۷۷	دل	۳۰
۹۴/۷۸	سویجِ دریا	۳۱
۹۵/۷۹	رخصت اے بزمِ جہاں!	۳۲
۹۷/۸۱	طفل شیرخوار	۳۳
۹۸/۸۲	تصویرِ درد	۳۴
۱۰۴/۸۸	نالہٴ سراق	۳۵

۱۰۵/۸۹	۳۶	چاند
۱۰۶/۹۰	۳۷	بلال
۱۰۸/۹۲	۳۸	سرگزشتِ آدم
۱۰۹/۹۳	۳۹	ترانہ ہندی
۱۱۰/۹۴	۴۰	خٹکنو
۱۱۲/۹۶	۴۱	صبح کا ستارہ
۱۱۳/۹۷	۴۲	ہندوستانی بچوں کا قومی کیفیت
۱۱۴/۹۸	۴۳	نیا سوال
۱۱۵/۹۹	۴۴	واغ
۱۱۷/۱۰۱	۴۵	آبر
۱۱۸/۱۰۲	۴۶	ایک پرندہ اور خٹکنو
۱۱۹/۱۰۳	۴۷	بچہ اور شمع
۱۲۱/۱۰۵	۴۸	کنارا راوی
۱۲۲/۱۰۶	۴۹	الہجاتے مسافر

غزلیات

۱۲۴/۱۰۸

۱ گلزارِ ہست و بود نہ بیگانہ وار دیکھ

۱۲۴/۱۰۸

۲ نہ آتے، ہمیں اس میں تکرار کیا تھی

۱۲۵/۱۰۹

۳ عجب واعظ کی رہیں داری ہے یار سب!

۱۲۵/۱۰۹

۴ لاؤں وہ تنگے کہیں سے اشیانے کے لیے

۱۲۶/۱۱۰

۵ کیا کہوں اپنے چمن سے میں جدا کیوں کر ہوا

۱۲۷/۱۱۱

۶ انوکھی وضع ہے مسائے زمانے سے نزلے ہیں

۱۲۸/۱۱۲

۷ ظاہر کی آنکھ سے نہ تماشا کرے کوئی

۱۲۸/۱۱۲

۸ کہوں کیا آرزو تے بے دل مجھ کو کہاں تک ہے

۱۲۹/۱۱۳

۹ جنھیں میں ڈھونڈتا تھا آسمانوں میں، زمینوں میں

۱۳۱/۱۱۵

۱۰ ترے عشق کی انتہا چاہتا ہوں

۱۳۱/۱۱۵

۱۱ کشادہ دستِ کرم جب وہ بے نیاز کرے

۱۳۲/۱۱۶

۱۲ سختیاں کرتا ہوں دل پر غیر سے خافل ہوں میں

۱۳۳/۱۱۷

۱۳ مجنوں نے شہر چھوڑا تو صحرا بھی چھوڑے

حصہ دوم

(۱۹۰۵ء سے ۱۹۰۸ء تک)

۱۳۷/۱۲۱	محبت	۱
۱۳۸/۱۲۲	حقیقتِ حسن	۲
۱۳۹/۱۲۳	پیام	۳
۱۳۹/۱۲۳	سوامی رام تیرتھ	۴
۱۴۰/۱۲۴	طلبہ علی لڑھ کالج کے نام	۵
۱۴۱/۱۲۵	اختصر صحیح	۶
۱۴۱/۱۲۵	حسن و عشق	۷
۱۴۲/۱۲۶ کی گود میں تپتی دیکھ کر	۸
۱۴۳/۱۲۷	کھی	۹
۱۴۴/۱۲۸	چاند اور تارے	۱۰
۱۴۵/۱۲۹	وصال	۱۱

۲۲
بانگِ ورا

۸

۱۲۷/۱۳۱	۱۲	سلیبی
۱۲۸/۱۳۲	۱۳	عاشقِ ہر جباتی
۱۵۰/۱۳۲	۱۴	کوششِ ناتمام
۱۵۱/۱۳۵	۱۵	نوائے غم
۱۵۲/۱۳۶	۱۶	عشرتِ امروز
۱۵۲/۱۳۶	۱۷	انسان
۱۵۳/۱۳۷	۱۸	حلوةِ حسن
۱۵۴/۱۳۸	۱۹	ایک شام
۱۵۵/۱۳۹	۲۰	تنہائی
۱۵۵/۱۳۹	۲۱	پیامِ عشق
۱۵۷/۱۴۱	۲۲	فراق
۱۵۸/۱۴۲	۲۳	عبدالفتاد کے نام
۱۵۹/۱۴۳	۲۴	صفتیہ

غزلیات

- | | | |
|---------|---|---|
| ۱۶۱/۱۲۵ | ۱ | زندگی انساں کی اک دم کے سوا کچھ بھی نہیں |
| ۱۶۱/۱۲۵ | ۲ | الہی عقلِ نخبستہ پے کو ذرا سی دیوانگی سکھا دے |
| ۱۶۲/۱۲۶ | ۳ | زمانہ دیکھے گا جب مرے دل سے محشر اٹھے گا نشتلو کا |
| ۱۶۲/۱۲۸ | ۴ | چمک تیری عیاں بجلی میں آتش میں شرارے میں |
| ۱۶۵/۱۲۹ | ۵ | یوں تو اے بزمِ جہاں دلکش تھے ہنگامے تے |
| ۱۶۵/۱۲۹ | ۶ | مشال پر تو مے طوفِ جام کرتے ہیں |
| ۱۶۶/۱۵۰ | ۷ | زمانہ آیا ہے بے حجابی کا، عام دیدار یار چو کا |

حصہ سوم

(۱۹۰۸ء سے....)

- | | | |
|---------|---|---------------|
| ۱۷۱/۱۵۵ | ۱ | بلا و اسلامیہ |
| ۱۷۳/۱۵۷ | ۲ | ستارہ |
| ۱۷۴/۱۵۸ | ۳ | دو ستارے |

۱۷۴/۱۵۸	گورستان شاہی	۴
۱۸۰/۱۶۴	نمود صبح	۵
۱۸۱/۱۶۵	تضمین بر شعر انیسویں سالو	۶
۱۸۲/۱۶۶	فائدہ عنہم	۷
۱۸۵/۱۶۹	پھول کا تحفہ عطا ہونے پر	۸
۱۸۶/۱۷۰	ترانہ بقی	۹
۱۸۷/۱۷۱	وطنیت	۱۰
۱۸۸/۱۷۲	ایک حاجی مدینے کے راستے میں	۱۱
۱۸۹/۱۷۳	قطعہ (کل ایک شہیدہ خواب کا بی بی پر وٹے کے کہہ رہا تھا)	۱۲
۱۹۰/۱۷۴	شکوہ	۱۳
۱۹۹/۱۸۳	چاند	۱۴
۲۰۰/۱۸۴	رات اور شاعر	۱۵
۲۰۱/۱۸۵	بزمِ انجم	۱۶
۲۰۳/۱۸۷	سیرِ فلک	۱۷

۲۷
 باغِ صبر
 ۱۱

۲۰۴/۱۸۸	نصیحت	۱۸
۲۰۵/۱۸۹	رام	۱۹
۲۰۶/۱۹۰	موٹر	۲۰
۲۰۶/۱۹۰	انسان	۲۱
۲۰۶/۱۹۱	خطاب بہ جوانان اسلام	۲۲
۲۰۸/۱۹۲	عزیز شوال یا پلانی عید	۲۳
۲۱۰/۱۹۴	شمع اور شاعر	۲۴
۲۲۳/۲۰۶	مسلم	۲۵
۲۲۴/۲۰۸	حضور رسالت ﷺ میں	۲۶
۲۲۶/۲۱۰	شفنا خانہ حجاز	۲۷
۲۲۶/۲۱۱	جواب شکوہ	۲۸
۲۳۷/۲۲۱	ساتی	۲۹
۲۳۸/۲۲۲	تعلیم اور اس کے نتائج	۳۰
۲۳۸/۲۲۲	قرب سلطان	۳۱

۲۳۹/۲۲۳	شاعر	۳۲
۲۴۰/۲۲۴	نوید صبح	۳۳
۲۴۱/۲۲۵	و عسا	۳۴
۲۴۲/۲۲۶	عید پر شعر لکھنے کی فرمائش کے جواب میں	۳۵
۲۴۳/۲۲۷	فاطمہ بنت عبد اللہ	۳۶
۲۴۴/۲۲۸	شبہم اور ستارے	۳۷
۲۴۵/۲۲۹	محاصرہ اور نہ	۳۸
۲۴۶/۲۳۰	غلام مستور مسیحا	۳۹
۲۴۷/۲۳۱	ایک مکالمہ	۴۰
۲۴۸/۲۳۲	میں اور تو	۴۱
۲۴۹/۲۳۳	تضمین بر شہر ابوطالب کلیم	۴۲
۲۵۰/۲۳۴	شہابی و حسالی	۴۳
۲۵۱/۲۳۵	ارتقا	۴۴
۲۵۲/۲۳۶	صدیق رضی	۴۵

۲۵۲/۲۳۷	تمذیبِ حاضر	۴۶
۲۵۲/۲۳۸	والدہ مرحومہ کی یاد میں	۴۷
۲۶۶/۲۵۰	شعاعِ آفتاب	۴۸
۲۶۶/۲۵۱	عسرنی	۴۹
۲۶۸/۲۵۲	ایک خط کے جواب میں	۵۰
۲۶۹/۲۵۳	نانک	۵۱
۲۷۰/۲۵۴	گُفرو اسلام	۵۲
۲۷۱/۲۵۵	بلال رضی	۵۳
۲۷۲/۲۵۶	مسلمان اور تعلیمِ جدید	۵۴
۲۷۳/۲۵۷	پھولوں کی شہزادی	۵۵
۲۷۳/۲۵۷	تضمین بر شہرِ صائب	۵۶
۲۷۴/۲۵۸	فردوس میں ایک مکالمہ	۵۷
۲۷۵/۲۵۹	مذہب	۵۸
۲۷۶/۲۶۰	جنابِ یرموک کا ایک واقعہ	۵۹

۳۰
پانچویں دور
۱۲

۲۶۶/۲۹۱	۶۰	مذہب
۲۶۶/۲۹۱	۶۱	پیوستہ رہ شجر سے اُمید بہار رکھ
۲۶۸/۲۹۲	۶۲	شب معراج
۲۶۸/۲۹۲	۶۳	مُحصول
۲۶۹/۲۹۳	۶۴	شکیب پیر
۲۸۰/۲۹۴	۶۵	میں اور تو
۲۸۱/۲۹۵	۶۶	اسیری
۲۸۱/۲۹۵	۶۷	دریوزہ حنلافت
۲۸۲/۲۹۶	۶۸	ہمایوں
۲۸۳/۲۹۷	۶۹	خصر راہ
۲۹۶/۲۸۱	۷۰	طلوع اسلام

غزلیات

۳۰۹/۲۹۳	۱	اے باوصبا! کئی والے سے جا کہیو پیغام مرا
---------	---	--

۳۱
ہاتفِ سرا
۱۵

۳۱۰/۲۹۴	۲	یہ سرودِ قمری و بسمل فریبِ کوش ہے
۳۱۰/۲۹۴	۳	نالہ ہے بسمل شوریدہ ترا حنام ابھی
۳۱۱/۲۹۵	۴	پر وہ چہرے سے اٹھا، نخبِ سن آرائی کر
۳۱۲/۲۹۶	۵	پھر باوہ بسار آئی، اقبالِ غزل خواں ہو
۳۱۲/۲۹۶	۶	کبھی اے حقیقتِ منتظر! نظر آلباس مجاز میں
۳۱۳/۲۹۷	۷	تہ دام بھی غزل آشنایے طائرانِ چمن تو کیا
۳۱۴/۲۹۸	۸	گرچہ تو زندانی اسباب ہے

ظہیرنا

۳۱۵/۲۹۹	۱	مشرق میں اصولِ دین بن جاتے ہیں
۳۱۵/۲۹۹	۲	لڑکیاں پڑھ رہی ہیں انگریزی
۳۱۵/۲۹۹	۳	شیخ صاحب بھی تو پردے کے کوئی حامی نہیں
۳۱۶/۳۰۰	۴	یہ کوئی دن کی بات ہے اے مردِ ہوش مند!
۳۱۶/۳۰۰	۵	تعلیمِ سنہری ہے بہت جرات آفریں

۳۲۲
باقی ہے در
۱۶

- ۴ کچھ غم نہیں جو حضرت واعظ ہیں تنگ دست
 ۳۱۶/۳۰۰
- ۷ تہذیب کے مرض کو گولی سے منادہ
 ۳۱۶/۳۰۰
- ۸ انتہا بھی اس کی ہے آخر خریدیں کب تک
 ۳۱۷/۳۰۱
- ۹ ہم مشرق کے مسکینوں کا دل مغرب میں جاٹکا ہے
 ۳۱۷/۳۰۱
- ۱۰ اصل شہود و شاہد و مشہود ایک ہے
 ۳۱۷/۳۰۱
- ۱۱ ہاتھوں سے اپنے دامنِ ذنب نکل گیا
 ۳۱۸/۳۰۲
- ۱۲ وہ بس بولی ارادہ خودکشی کا جب کیا میں نے
 ۳۱۸/۳۰۲
- ۱۳ ناواں تھے اس قدر کہ نہ جانی عرب کی قدر
 ۳۱۸/۳۰۲
- ۱۴ ہندوستان میں جزو حکومت ہیں کونسلیں
 ۳۱۸/۳۰۲
- ۱۵ ممبری اسپیرٹل کونسل کی کچھ مشکل نہیں
 ۳۱۹/۳۰۳
- ۱۶ دلیل مہر و وفا اس سے بڑھ کے کیا ہوگی
 ۳۱۹/۳۰۳
- ۱۷ فرما رہے تھے شیخ طریق عمل پہ وعظ
 ۳۱۹/۳۰۳
- ۱۸ دیکھیے چلتی ہے مشرق کی تجارت کب تک
 ۳۲۰/۳۰۴
- ۱۹ گائے اک روز ہوتی اونٹ سے یوں گرم سخن
 ۳۲۰/۳۰۴

۳۲۱/۳.۵	راست پھرنے کہہ دیا مجھ سے	۲۰
۳۲۲/۳.۶	یہ آئیہ نوحیل سے نازل ہوئی مجھ پر	۲۱
۳۲۲/۳.۶	جان جاتے ہاتھ سے جلتے نہ ست	۲۲
۳۲۲/۳.۶	مخت و سرمایہ دنیا میں صف آرا ہو گئے	۲۳
۳۲۲/۳.۶	شام کی سرحد سے رخصت ہے وہ رند لم یزل	۲۴
۳۲۳/۳.۷	شکرار تھی مزارع و مالک میں ایک روز	۲۵
۳۲۳/۳.۷	اٹھ کر پھینک دو باہر گلی میں	۲۶
۳۲۴/۳.۸	کارخانے کا ہے مالک مرد کب نا کردہ کار	۲۷
۳۲۴/۳.۸	سنا ہے میں نے کل یہ گفتگو تھی کارخانے میں	۲۸
۳۲۴/۳.۸	مسجد تو بنا وہی شب بھر میں ایماں کی حرارت والوں نے	۲۹



دیاچہ

شیخ عبد العتوب پیر سٹریٹ لاسابق مدیر "مخزن"

کے خبر تھی کہ غالب مرحوم کے بعد ہندوستان میں پھر کوئی ایسا شخص پیدا ہو گا جو اردو شاعری کے جسم میں ایک نئی روح پھونک دے گا اور جس کی بدولت غالب کا بے نظیر تختہ سیل اور زلال انداز بیان پھر وجود میں آئیں گے اور ادب اردو کے فروغ کا باعث ہوں گے مگر زبان اردو کی خوش اقبال دیکھیے کہ اس زمانے میں اقبال سا شاعر اسے نصیب ہوا جس کے کلام کا سکہ ہندوستان بھر لی اردو واں دنیا کے دلوں پر بیٹھا ہوا ہے اور جس کی شہرت روم و ایران بلکہ فرنگستان تک پہنچ گئی ہے۔

غالب اور اقبال میں بہت سی باتیں مشترک ہیں۔ اگر میں تناسخ کا قائل ہوتا تو ضرور کہتا کہ مرزا اسد اللہ خاں غالب کو اردو اور فارسی کی شاعری سے جو عشق تھا، اُس نے اُن کی روح کو عدم میں جا کر بھی چین نہ لینے دیا اور جب بور لیا کہ وہ پھر کسی جسدِ خالی میں جلوہ اسے زور جو کر شاعری کے چمن کی آبیاری کرنے اور اُس نے پنجاب کے ایک گوشے میں جسے سیالکوٹ کہتے ہیں دوبارہ جنم لیا اور محمد قہبال

نام پایا۔

جب شیخ محمد اقبال کے والد بزرگوار اور ان کی پیاری ماں ان کا نام تجویز کر رہے ہوں گے تو قبولِ دعا کا وقت ہو گا کہ ان کا دیا ہوا نام اپنے پورے معنوں میں صحیح ثابت ہوا اور ان کا اقبال مسند بیٹیا ہندوستان میں تحصیلِ علم سے فارغ ہو کر انگلستان پہنچا، وہاں کیمبرج میں کامیابی سے وقت ختم کر کے جرمنی گیا اور علمی دنیا کے اعلیٰ مدارج طے کر کے واپس آیا۔ شیخ محمد اقبال نے یورپ کے قیام کے زمانے میں بہت سی فارسی کتابوں کا مطالعہ کیا اور اس مطالعے کا خلاصہ ایک محققانہ کتاب کی صورت میں شائع کیا جسے فلسفۂ ایران کی مختصر تاریخ کہنا چاہیے۔ اسی کتاب کو دیکھ کر جرمنی والوں نے شیخ محمد اقبال کو ڈاکٹر کا علمی درجہ دیا۔ سرکار انگریزی کو جس کے پاس مشرقی زبانوں اور علوم کی نسبت براہِ راست اطلاع کے ذرائع کافی نہیں، جب ایک عرصے کے بعد معلوم ہوا کہ ڈاکٹر صاحب کی شاعری نے عالم لیب شہرت پیدا کر لی ہے تو اس نے بھی ازراہ فتورانی سرکار کا ممتاز خطاب انھیں عطا کیا۔ اب وہ ڈاکٹر محمد اقبال کے نام سے مشہور ہیں لیکن ان کا نام جس میں یطیف حنا داو ہے کہ نام کا نام ہے اور تخصص کا تخصص، ان کی ڈاکٹری اور سسری سے زیادہ مشہور اور معتبول ہے۔

سیالکوٹ میں ایک کالج ہے جس میں علمائے سلف کی یادگار اور ان کے نقش قدم پر چلنے والے ایک بزرگ مولوی سید میر حسن صاحب علوم مشرقی کا درس دیتے ہیں۔ حال میں انھیں کورنٹس سے خطاب شمس لعلی بھی ہلا ہے۔ ان کی تعلیم کا یہ خاصہ ہے کہ جو کوئی ان سے فارسی یا عربی سیکھے، اُس کی طبیعت میں اُس زبان کا صحیح مذاق پیدا کرتے

* ۲۵ ستمبر ۱۹۲۹ء کو حضرت کا وصال ہو گیا ہے

۳۶
بانگِ درا
۲۰

ہیں۔ اقبال کو بھی اپنی ابتدائے عمر میں مولوی سید میر حسن صاحب سا استاد بلا طبیعت میں علم اور
 سے مناسبت قدرتی طور پر موجود تھی۔ فارسی اور عربی کی تحصیل مولوی صاحب موصوفے
 کی۔ سونے پر سہاگا ہو گیا۔ ابھی اسکول ہی میں پڑھتے تھے کہ کلام موزوں زبان سے نکلنے
 لگا۔ پنجاب میں اردو کا رواج اس وقت درہولیا تھا کہ ہر شہر میں زبان دانی اور شعر و شاعری کا
 چرچا لمب و بیش موجود تھا۔ سیالکوٹ میں بھی شیخ محمد اقبال کی طالب علمی کے دنوں میں
 ایک چھوٹا سا مشاعرہ ہوتا تھا۔ اُس کے لیے اقبال نے کبھی کبھی غزل لکھنی شروع کر دی۔
 شعرائے اردو میں اُن دنوں نواب مزاحاں صاحب داغ دہلوی کا بہت شہرہ تھا اور نطنم دکن
 کے استاد ہونے سے اُن کی شہرت اور بھی بڑھتی تھی۔ لول جو اُن کے پاس جا نہیں سکتے
 تھے، خط و کتابت کے ذریعے دُور ہی سے اُن سے شاعری کی نسبت پیدا کرتے تھے۔
 غزلیں ڈال میں اُن کے پاس جاتی تھیں اور وہ اصلاح کے بعد واپس بھجوتے تھے۔ پچھلے
 زمانے میں جب ڈال کا یہ نطنم نہ تھا، کسی شاعر کو اتنے شاعر کیسے میسر آسکتے تھے۔ اب
 اس سہولت کی وجہ سے یہ حال تھا کہ سیکڑوں آدمی اُن سے غائبانہ تلمذ رکھتے تھے اور
 انھیں اس کام کے لیے ایک عملہ اور محکمہ رکھنا پڑتا تھا۔ شیخ محمد اقبال نے بھی انھیں
 خط لکھا اور چند غزلیں اصلاح کے لیے بھیجیں۔ اس طرح اقبال کو اردو زبان دانی
 کے لیے بھی ایسے استاد سے نسبت پیدا ہوتی جو اپنے وقت میں زبان کی خوبی کے لحاظ
 سے فن غزل میں یکتا سمجھا جاتا تھا۔ گو اس ابتدائی غزل کوئی میں وہ باتیں تو موجود نہ
 تھیں جن سے بعد ازاں کلام اقبال نے شہرت پائی، مگر جناب داغ پہچان گئے کہ پنجاب
 کے ایک دُور افتادہ ضلع کا یہ طالب علم کوئی معمولی غزل گو نہیں۔ انھوں نے جسد
 کہہ دیا کہ کلام میں اصلاح کی گنجائش بہت کم ہے اور یہ سلسلہ تلمذ کا بہت بڑا قائم

نہیں رہا۔ البتہ اس کی یادوں طرف گنتی۔ داغ کا نام اردو شاعری میں ایسا پایہ رکھتا
 ہے کہ اقبال کے دل میں داغ سے اس مختصر اور عاتبانہ تعلق کی بھی مدت ہے اور اقبال نے
 داغ کی زندگی ہی میں قبول عام کا وہ درجہ حاصل کر لیا تھا کہ داغ مرحوم اس بات پر فخر کرتے تھے
 کہ اقبال بھی ان لوگوں میں شامل ہے جن کے کلام کی انھوں نے اصلاح کی۔ مجھے خود
 دکن میں ان سے ملنے کا اتفاق ہوا اور میں نے خود ایسے فخریہ کلمات ان کی زبان سے سنے۔
 سیالکوٹ کے کالج میں ایف اے کے درجے تک تعلیم تھی۔ بی اے کے لیے شیخ محمد اقبال
 کو لاہور آنا پڑا۔ انھیں علم فلسفہ کی تحصیل کا شوق تھا اور انھیں لاہور کے اساتذہ میں ایک
 نہایت شفیق استاد ملا جس نے فلسفے کے ساتھ ان کی مناسبت دیکھ کر انھیں خاص
 توجہ سے پڑھانا شروع کیا۔ پروفیسر آرنلڈ صاحب جو اب سرٹانس آرنلڈ ہوتے ہیں اور
 انگلستان میں مقیم ہیں، غیر معمولی قابلیت کے شخص ہیں۔ ٹوٹتے تحریر ان کی بہت اچھی
 ہے اور وہ علمی جستجو اور تلاش کے طریق جدید سے خوب واقف ہیں۔ انھوں نے چاہا
 کہ اپنے شاگرد کو اپنے مذاق اور اپنے طرز عمل سے حصہ دیں اور وہ اس ارادے میں بہت کچھ
 کامیاب ہوئے۔ پہلے انھوں نے علی گڑھ کالج کی پروفیسری کے زمانے میں اپنے دوست
 مولانا شبلی مرحوم کے مذاق علمی کے نچتہ کرنے میں کامیابی حاصل کی تھی اب انھیں
 یہاں ایک اور جوہر قابل نظر آیا جس کے چمکانے کی آرزو ان کے دل میں پیدا ہوئی۔
 اور جو دوستی اور محبت استاد اور شاگرد میں پہلے دن سے پیدا ہوئی وہ آخر شاگرد کو
 استاد کے پیچھے پیچھے انگلستان لے گئی اور وہاں یہ رشتہ اور بھی مضبوط ہو گیا، اور آج تک
 قائم ہے۔ آرنلڈ خوش ہے کہ میری محنت ٹھکانے لگی اور میرا شاگرد علمی دنیا میں سیر
 لیے بھی باعث شہرت افزائی ہوا اور اقبال معترف ہے کہ جس مذاق کی بنیاد سید میر حسن

نے ڈالی تھی اور جسے درمیان میں و آغ کے فائز تعارف نے بڑھایا تھا، اُس کے آخری
مرحلے آرنلڈ کی شفیقانہ رہبری سے طے ہوئے۔

اقبال کو اپنی علمی مست ازل طے کرنے میں اچھے اچھے رہبر طے اور بڑے بڑے علما سے
سابقہ پڑا۔ ان لوگوں میں کیمریج یونیورسٹی کے ڈاکٹر میک ٹیکرٹ، براؤن، نکلسن اور سارلی
قابل ذکر ہیں۔ پروفیسر نکلسن تو پہلے شکر یہ کے خاص طور پر مستحق ہیں کیونکہ انھوں نے
اقبال کی مشہور فارسی نظم ”اسرار خودی“ کا انگریزی ترجمہ کر کے اور اُس پر دیباچہ اور حواشی
لکھ کر یورپ اور امریکہ کو اقبال سے روشناس کیا۔ اسی طرح ہندوستان کی علمی دنیا
میں جتنے نامور اُس زمانے میں موجود تھے مثلاً مولانا شبلی مرحوم، مولانا حالی مرحوم، ابراہیم مرحوم،
سب سے اقبال کی ملاقات اور خط و کتابت رہی اور ان کے اثرات اقبال کے کلام پر اور اقبال
کا اثر ان کی طبائع پر پڑتا رہا۔ مولانا شبلی نے بہت سے خطوط میں اور حضرت اکبر نے
نہ صرف خطوں میں بلکہ بہت سے اشعار میں اقبال کے کمال کا اعتراف کیا ہے اور اقبال
نے اپنی نظم میں ان بالکالوں کی جا بجا تعریف کی ہے۔

ابتدائی مشق کے دنوں کو چھوڑ کر اقبال کا اردو کلام بیسویں صدی کے آٹھ لڑکے
کچھ پہلے شروع ہوتا ہے۔ ۱۹۰۱ء سے غالباً دو تین سال پہلے میں نے انھیں پہلی مرتبہ لاکھنؤ
کے ایک شاعرے میں دیکھا۔ اس نرم میں ان کو ان کے چند ہم جماعت کھینچ کر لے
گئے اور انھوں نے کہ سن کر ایک غزل بھی پڑھوائی۔ اس وقت تک لاہور میں لوگ
اقبال سے واقف نہ تھے۔ چھوٹی سخی غزل تھی۔ ساوہ سے الفاظ۔ زمین بھی شکل نہ تھی۔
مگر کلام میں شوخی اور بے ساختہ پن موجود تھا۔ بہت پسند لی گئی۔ اس کے بعد
دو تین مرتبہ پھر اسی شاعرے میں انھوں نے غزلیں پڑھیں اور لوگوں کو معلوم ہوا کہ ایک

چو نہار شاعر میدان میں آیا ہے۔ مگر یہ شہرت پہلے پہلے لاہور کے کالجوں کے طلبہ اور بعض اسی
 لوگوں تک محدود رہی جو تعلیمی مشاغل سے تعلق رکھتے تھے۔ اتنے میں ایک ادبی مجلس قائم ہوئی
 جس میں مشاہیر شریک ہونے لگے اور نظم و نثر کے مضامین کی اس میں مانگ ہوئی۔ شیخ
 محمد اقبال نے اس کے ایک جلسے میں اپنی وہ نظم جس میں کوہ ہمالہ سے خطاب ہے پڑھ کر
 سنائی۔ اس میں انگریزی خیالات تھے اور فارسی بندشیں۔ اس پر خوبی یہ کہ وطن پرستی کی
 چاشنی اس میں موجود تھی۔ مذاق زمانہ اور ضرورت وقت کے موافق ہونے کے سبب
 بہت مقبول ہوئی اور کئی طرف سے فرمائشیں ہونے لگیں کہ اسے شائع کیا جائے، مگر
 شیخ صاحب یہ عذر لکھے کہ ابھی نطنزانی کی ضرورت ہے، اُسے اپنے ساتھ لے گئے اور
 وہ اُس وقت چھپنے نہ پائی۔ اس بات کو تھوڑا ہی عرصہ گزرا تھا کہ میں نے ادب آردو
 کی ترقی کے لیے رسالہ 'مخزن' جاری کرنے کا ارادہ کیا۔ اس اثنا میں شیخ محمد اقبال
 سے میری دوستانہ ملاقات پیدا ہو چکی تھی۔ میں نے ان سے وعدہ لیا کہ اس رسالے کے
 حصہ نظم کے لیے وہ نئے رنگ کی نظمیں مجھے دیا کریں گے۔ پہلا رسالہ شائع ہونے کو تھا کہ
 میں ان کے پاس گیا اور میں نے ان سے کوئی نظم مانگی۔ انھوں نے کہا ابھی کوئی
 نظم تیار نہیں۔ میں نے کہا ہمالہ والی نظم دے دیجیے اور دوسرے مہینے کے لیے کوئی
 اور لکھیے۔ انھوں نے اس نظم کے دینے میں پس و پیش کی کیونکہ انھیں یہ خیال تھا
 کہ اس میں کچھ خامیاں ہیں، مگر میں دیکھ چکا تھا کہ وہ بہت مقبول ہوئی، اس لیے میں نے
 زبردستی وہ نظم ان سے لے لی اور 'مخزن' کی پہلی جلد کے پہلے نمبر میں، جو اپریل ۱۹۰۱ء
 میں نکلا، شائع کر دی۔ یہاں سے گویا اقبال کی آردو شاعری کا سبک طور پر آغاز ہوا اور
 ۱۹۰۵ء تک جب وہ ولایت گئے، یہ سلسلہ جاری رہا۔ اس عرصے میں وہ عموماً

مخزن کے ہر ہر کے لیے کوئی نہ کوئی نظم لکھتے تھے اور جوں جوں لوگوں کو ان کی
 شاعری کا حال معلوم ہوتا گیا، جا بجا مختلف رسالوں اور اخباروں سے فرمائشیں آنے لگیں اور
 انجمنیں اور مجالس درخواستیں کرنے لگیں کہ ان کے سالانہ جلسوں میں لوگوں کو وہ اپنے کلام
 سے محفوظ کریں۔ شیخ صاحب اس وقت طالب علم سے فارغ ہو کر کورنٹ کالج میں پروفیسر
 ہو گئے تھے اور دن ات علمی صحبتوں اور مشاغل میں بسر کرتے تھے طبیعت زبوں پر تھی، شعر
 کہنے کی طرف جس وقت مائل ہوتے تو غضب کی آمد ہوتی تھی۔ ایک ایک نشست میں بے شمار شعر
 ہو جاتے تھے۔ ان کے دوست اور بعض طالب علم جو پاس ہوتے پوسل کاغذ لے کر
 لکھتے جاتے اور وہ اپنی دھن میں کہتے جاتے۔ میں نے اس زمانے میں انھیں کبھی کاغذ قلم
 لے کر فکر سخن کرتے نہیں دیکھا۔ موزوں الفاظ کا ایک دریا بہتا یا ایک چشمہ ابلتا معلوم
 ہوتا تھا۔ ایک خاص کیفیت رقت کی عسوماناں پر طاری ہوتی تھی۔ اپنے اشعار سربل
 آواز میں ترقم سے پڑھتے تھے، خود وجد کرتے اور دوسروں کو وجد میں لاتے تھے۔ یہ
 عجیب خصوصیت ہے کہ حافظہ ایسا پایا ہے کہ جتنے شعر اس طرح زبان سے نکلیں، الروہ
 ایک سلسل نظم کے ہوں تو سب کے سب دوسرے وقت اور دوسرے دن اسی ترتیب سے
 حافظے میں محفوظ ہوتے ہیں جس ترتیب سے کہے گئے تھے، اور درمیان میں خود وہ انھیں
 قلمبند بھی نہیں کرتے۔ مجھے بہت سے شعرا کی ہم نشینی کا موقع ملا ہے اور بعض کو میں نے
 شعر کہتے بھی دیکھا اور سنا ہے، طریقہ رنگ لسی اور میں نہیں دیکھا۔ قہسال کی ایک اور خصوصیت
 یہ ہے کہ بائیں ہر موزوں بی طبع وہ جب فرمائش شعر کہنے سے قاصر ہے جب طبیعت خود مائل نظم
 ہو تو جتنے شعر چاہے کہ وہ طریقہ کہ ہر وقت اور ہر موقع پر حسب فرمائش وہ کچھ لکھ سکے، یہ قریب
 قریب ناممکن ہے۔ اسی لیے جب ان کا نام نکلا اور فرمائشوں کی بھرمار ہوئی تو انھیں اکثر

فرمائشوں کی تعمیل سے انکار ہی کرنا پڑا۔ اسی طرح انجمنوں اور مجالس کو بھی وہ عموماً جواب ہی دیتے رہے۔ فقط لاہور کی انجمن حمایت اسلام کو بعض وجوہ کے سبب یہ موقع ملا کہ اس کے سالانہ جلسوں میں کئی سال متواتر اقبال نے اپنی نظم سنائی جو خاص اسی جلسے کے لیے لکھی جاتی تھی اور جس کی منکر وہ پہلے سے کرتے رہتے تھے۔

اول اول جو نظمیں جلسہ عام میں پڑھی جاتی تھیں تحت اللفظ پڑھی جاتی تھیں، اور اس طرز میں بھی ایک نطف تھا۔ بعض دستوں نے ایک مرتبہ جلسہ عام میں شیخ محمد اقبال سے باصرار کہا کہ وہ نظم ترمیم سے پڑھیں۔ ان کی آواز قدرتا بلند اور خوش آئند ہے۔ طرز ترمیم سے بھی جلسے واقف ہیں۔ ایسا سماں بندھا کہ سکوت کا عالم چھایا اور لوگ جھومنے لگے۔ اس نے دو نتیجے نوتے۔ ایک تو یہ کہ ان کے لیے تحت اللفظ پڑھنا مشکل ہو گیا جب بھی پڑھیں لوگ اصرار کرتے ہیں کہ لے سے پڑھا جائے اور دوسرا یہ کہ پہلے تو خواص ہی ان کے کلام کے قدر ان تھے اور اس کو سمجھ سکتے تھے، اس شش کے سبب عام بھی کھینچ آئے۔ لاہور میں جلسہ حمایت اسلام میں جب اقبال کی نظم پڑھی جاتی ہے تو دس دس ہزار آدمی ایک وقت میں جمع ہوتے ہیں اور جب تک نظم پڑھی جائے لوگ دم بخود بیٹھے رہتے ہیں۔ جو سمجھتے ہیں وہ بھی محو اور جو نہیں سمجھتے وہ بھی محو ہوتے ہیں۔

۱۹۰۵ء سے ۱۹۰۸ء تک اقبال کی شاعری کا ایک دوسرا دور شروع ہوا۔ یہ وہ زمانہ ہے جو انہوں نے یورپ میں بسر کیا۔ گو وہاں انہیں شاعری کے لیے نسبتاً کم وقت ملا اور ان نظموں کی تعداد جو وہاں کے قیام میں لکھی گئیں، تھوڑی ہے مگر ان میں ایک حسن رنگ وہاں کے مشاہدات کا نظر آتا ہے۔ اُس زمانے میں دو بڑے تغیران کے خیالات میں آئے۔ ان تین سالوں میں سے دو سال ایسے تھے جن میں میرا بھی وہیں قیام تھا اور

اکثر ملاقات کے موقعے ملتے رہتے تھے۔ ایک دن شیخ محمد اقبال نے مجھ سے کہا کہ ان کا ارادہ
 مصمم ہو گیا ہے کہ وہ شاعری کو ترک کر دیں اور قسم لھالیں کہ شعر نہیں کہیں گے اور جو وقت
 شاعری میں صرف ہوتا ہے اُسے کسی اور مفید کام میں صرف کریں گے۔ میں نے ان سے
 کہا کہ ان کی شاعری ایسی شاعری نہیں ہے جسے ترک کرنا چاہیے بلکہ ان کے کلام میں
 وہ تاثیر ہے جس سے ممکن ہے کہ ہماری درماندہ قوم اور ہمسایوں کو نصیب ملک کے امراض کا
 علاج ہو سکے، اس لیے ایسی مفید خدا و اوطاق کو بیکار کرنا درست نہ ہو گا۔ شیخ صاحب
 کچھ قائل ہوئے کچھ نہ ہوئے اور یہ قرار پایا کہ آرنلڈ صاحب کی رائے پر آخری فیصلہ چھوڑا جائے۔
 اگر وہ مجھ سے اتفاق کریں تو شیخ صاحب اپنے ارادہ ترک شعر کو بدل دیں اور اگر وہ شیخ صاحب
 سے اتفاق کریں تو ترک شعر اختیار کیا جائے۔ میں سمجھتا ہوں کہ علمی دنیا کی خوش قسمت تھی کہ
 آرنلڈ صاحب نے مجھ سے اتفاق رائے کیا اور فیصلہ یہی ہوا کہ اقبال کے لیے شاعری کو
 چھوڑنا جائز نہیں اور جو وقت وہ اس شغل کی نذر کرتے ہیں وہ ان کے لیے بھی مفید ہے اور
 ان کے ملک و قوم کے لیے بھی مفید ہے۔ ایک تغیر جو پہلے شاعر کی طبیعت میں آتا تھا، آہم
 کا تو یوں حسرت نہ ہوا مگر وہ سب تغیر ایک چھوٹے سے آغاز سے ایک بڑے انجام تک
 پہنچا یعنی اقبال کی شاعری نے فارسی زبان کو اردو زبان کی جگہ اپنا ذریعہ اظہار خیال بنا لیا
 فارسی میں شعر کہنے کی رغبت اقبال کی طبیعت میں لیتی اسباب سے پیدا ہوتی ہوئی
 اور میں سمجھتا ہوں کہ انھوں نے اپنی کتاب حالات تصوف کے متعلق لکھنے کے لیے جو
 کتب بینی کی، اس کو بھی ضرور اس تغیر شوق میں دخل ہو گا۔ اس کے علاوہ جوں جوں
 ان کا مطالعہ علم فلسفہ کے متعلق لہرا ہوتا گیا اور مستقیم خیالات کے اظہار کو جسی چاہا
 تو انھوں نے دیکھا کہ فارسی کے مقابلے میں اردو کا سب سے زیادہ بہتر ہے اور فارسی میں

کئی فقرے اور جملے سانچے میں ڈھلے ہوئے ایسے ملتے ہیں جن کے مطابق اردو میں فقرے
 ڈھلنے آسان نہیں، اس لیے وہ فارسی کی طرف مائل ہو گئے۔ مگر بظاہر جس چھوٹے
 سے واقعے سے ان کی فارسی کوئی کی ابتدا ہوتی ہے، وہ یہ ہے کہ ایک ترسبہ ایک دست
 کے ہاں مدعو تھے جہاں ان سے فارسی اشعار سننے کی فرمائش ہوئی اور پوچھا گیا کہ وہ
 فارسی شعر بھی کہتے ہیں یا نہیں۔ انھیں اعتراف کرنا پڑا کہ انھوں نے سوائے ایک اور
 شعر کبھی کہنے کے فارسی لکھنے کی کوشش نہیں کی۔ مگر کچھ ایسا وقت تھا اور اس فرمائش نے
 ایسی تحریک ان کے دل میں پیدا کی کہ دعوت سے واپس آکر بستر پر لیٹے ہوئے باقی وقت وہ
 شاید فارسی شعر کہتے رہے اور صبح اٹھتے ہی جو مجھ سے ملے تو وہ تازہ غزلیں فارسی میں
 تیار تھیں جو انھوں نے زبانی مجھے سنائیں۔ ان غزلوں کے کہنے سے انھیں اپنی فارسی گوئی
 کی قوت کا حال مسلم ہوا جس کا پہلے انھوں نے اس طرح امتحان نہیں کیا تھا۔ اس کے
 بعد ولایت سے واپس آنے پر کوبھی کبھی اردو کی نظمیں بھی کہتے تھے مگر طبیعت کا رخ فارسی کی
 طرف ہو گیا۔ یہ ان کی شاعری کا تیسرا دور ہے جو ۱۹۰۵ء کے بعد سے شروع ہوا اور جو
 اب تک چل رہا ہے۔ اس عرصے میں اردو نظمیں بھی بہت سی ہوئیں اور اچھی اچھی جن کی
 ہضم صحیح گئی۔ مگر اصل کام جس کی طرف وہ متوجہ ہو گئے، وہ ان کی فارسی مثنوی اسرار خودی
 تھی۔ اس کا خیال دیر تک ان کے دماغ میں رہا اور رفتہ رفتہ دماغ سے صفحہ قریب
 اترنے لگا، اور آخر ایک مستقل کتاب کی صورت میں ظہور پذیر ہوا جس سے اقبال کا نام
 ہندوستان سے باہر بھی مشہور ہو گیا۔

فارسی میں اقبال کے قلم سے تین کتابیں اس وقت تک نکلی ہیں: اسرار خودی،
 'روز بے خودی' اور 'پیام مشرق'۔ ایک سے ایک بہتر پہلی کتاب سے دوسری میں زبان

۲۲
 بانگ درا
 ۲۸

زیادہ سادہ اور عام فہم ہو گئی ہے اور تیسری دوسری سے زیادہ سلیس ہے۔ جو لوگ اقبال
 کے اردو کلام کے دلدادہ ہیں وہ فارسی نطنسوں کو دیکھ کر مایوس ہونے ہوں گے مگر انہیں
 یاد رکھنا چاہیے کہ فارسی نے وہ کام کیا جو اردو سے نہیں ہو سکتا تھا۔ تمام اسلامی دنیا
 میں جہاں فارسی کلم و بیش متداول ہے، اقبال کا کلام اس ذریعے سے پہنچ گیا اور اس
 میں ایسے خیالات تھے جن کی ایسی وسیع اشاعت ضروری تھی، اور اسی وسیلے سے یورپ
 اور امریکہ والوں کو ہمارے ایسے قابل قدر مصنف کا حال معلوم ہوا۔ پیغام مشرق میں
 ہمارے مصنف نے یورپ کے ایک نہایت بلند پایہ شاعر کو تھے کے سلام مغرب،
 کا جواب لکھا ہے اور اس میں نہایت حکیمانہ خیالات کا اظہار بہت خوب صورتی
 سے کیا گیا ہے۔ اس کے اشعار میں بعض بڑے بڑے عقیدے حل ہوئے ہیں جو پہلے
 آسان طریق سے بیان نہیں ہوئے تھے۔ مدت سے بعض رسائل اور اخبارات میں
 ڈاکٹر محمد اقبال کو ترجمان حقیقت کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے اور ان کتابوں کے خاص
 خاص اشعار سے ثابت ہے کہ وہ اس لقب سے ملقب ہونے کے مستحق ہیں اور
 جس کسی نے یہ لقب ان کے لیے پہلے وضع کیا ہے، اس نے کوئی مبالغہ نہیں کیا۔
 فارسی گوئی کا ایک اثر اقبال کے اردو کلام پر یہ ہوا ہے کہ نطنس میں اردو میں
 دور سوم میں لکھی گئی ہیں ان میں سے اکثر میں فارسی ترکیبیں اور فارسی بندشیں پہلے
 سے بھی زیادہ ہیں اور بعض جگہ فارسی اشعار پر تفسیریں لکھی ہیں۔ گویا یہ معلوم ہوتا ہے
 کہ اشہب مسلم جو فارسی کے میدان میں کامزن ہے، اس کی بال کسی قدر تکلف کے
 ساتھ اردو کی طرف موڑی جا رہی ہے۔

اقبال کا اردو کلام جو وقتاً فوقتاً ۱۹۰۱ء سے لے کر آج تک سالوں اور اخباروں

میں شائع ہوا اور انجمنوں میں پڑھا گیا، اُس کے مجموعے کی اشاعت کے بہت لوگ
 خواہاں تھے۔ ڈاکٹر صاحب کے احباب بارہا تقاضا کرتے تھے کہ اُردو کلام کا مجموعہ شائع
 کیا جائے مگر کئی وجوہات سے آج تک مجموعہ اُردو شائع نہیں ہو سکا تھا۔ خدا کا شکر
 ہے کہ آخر اب شائقین کلام اُردو کی یہ دیرینہ آرزو برآئی اور اقبال کی اُردو نظموں کا
 مجموعہ شائع ہوتا ہے جو دو سو بانوے صفحات پر مشتمل ہے اور تین حصوں پر منقسم ہے۔
 حصہ اول میں ۱۹۰۵ء تک کی نظمیں ہیں، حصہ دوم میں ۱۹۰۵ء سے ۱۹۰۸ء تک کی
 اور حصہ سوم میں ۱۹۰۸ء سے لے کر آج تک کا اُردو کلام ہے۔ یہ دعویٰ سے کہا جا
 سکتا ہے کہ اُردو میں آج تک کوئی ایسی کتاب شاعر کی موجود نہیں ہے جس میں خیالات
 کی پینسروانی ہو اور اس قدر مطالب معانی کیجا ہوں۔ اور کیوں نہ ہو ایک صدی کے
 چہارم حصے کے مطالعے اور تجربے اور مشاہدے کا نچوڑ اور سیر و سیاحت کا نتیجہ ہے۔ بعض
 نظموں میں ایک شعر اور ایک مصرع ایسا ہے کہ اُس پر ایک مستقل مضمون
 لکھا جاسکتا ہے۔ یہ مختصر مضمون جو بطور ویساچہ لکھا گیا ہے اس میں مختلف نظموں کی
 تنقید یا مختلف اوقات کی نظموں کے باہم مقابلے کی گنجائش نہیں، اس کے لیے اگر
 ہو سکا تو میں کوئی اور موقع تلاش کروں گا۔ سر دست میں صاحبان ذوق کو مبارک باد دیتا
 ہوں کہ اُردو کلیات اقبال اُن کے سامنے رسالوں اور گلہ سٹوں کے اوراق پر شیا
 سے نکل کر ایک مجموعہ دل پذیر کی شکل میں جلوہ گر ہے اور اُمید ہے کہ جو لوگ مدت
 سے اس کلام کو بیجا دیکھنے کے مشتاق تھے، وہ اس مجموعے کو شوق کی نگاہوں سے
 دیکھیں گے اور دل سے اس کی قدر کریں گے۔

آخر میں اُردو شاعری کی طرف سے میں یہ درخواست قابل مصنف سے کرتا ہوں کہ

وہ اپنے دل و دماغ سے اُردو کو وہ جھتہ دیں جس کی وہ مستحق اور محتاج ہے۔ خود انھوں نے غالب کی تعریف میں چند بند لکھے ہیں جن میں ایک شعر میں اُردو کی حالت کا صحیح نقشہ لکھنا ہے۔

کیسوتے اُردو ابھی منت پذیر شانہ ہے

شمع یہ سودا آئی دلسوزی پروانہ ہے

ہم ان کا یہ شعر ٹپھ کر ان سے یہ کہتے ہیں کہ جس احساس نے یہ شعر ان سے نکلوا یا تھا، اُس سے کام لے کر اب وہ پھر کچھ عرصے کے لیے کیسوتے اُردو کے سنوارنے کی طرف متوجہ رہوں اور ہمیں موقع دیں کہ ہم اسی جسوعۃ اُردو کو جو اس قدر دیر کے بعد چھپا ہے، ایک دوسرے قیامت اُردو کا پیش خیمہ سمجھیں۔



الذین

قدت المحبہ ستم ہے۔

ان لوگوں کو ملازجہ بنا یا۔ راز اگر کمال سے چھایا
رہتا وقت آگیا۔ کھنڈن سر محمد منڈان کا
جنت اعز و انسا ہے
آئینہ گوہر لعد کیا ہے

ع کسم خرام موج دریا۔ دریا کوئے مگر حاد بہا
بلادل کو سوار رطارتیں۔ شانوں بدلیا للال
بارش سے شرب قدر۔ زندان بکد مگر ما زبیر
خوشنودہ کا بد سحر خیز۔ لاد و اللہ مام بزخ
زیر مبارکوں اللہ عسکر۔ بندگی سحر کاشا
ان کو دیکھو کہ تمہاری سوزنست کے لہو لہری
کتابچہ پر روزگاروں ہے

۲۸
باقی ہے دریا
۳۲

حصہ اول

(..... ۱۹۰۵ء تک)

۲۹
بانگِ درا
۳۳

بارب دل مع کوه زنده نماوس - بوقب کوگر ما ز جور مع کوزر باوس
 چو وادی ناراکی برزده کوهکاو - چو ذوق تماش و چو ذوق تماشار
 حورم تماش کوچر دیر با پناوس - دیکار چو کچینه اوروں کو و در حلاوس
 یکجا پوزا و پوزا پوزا کوهکاو - هر شکر کوهکاو کوهکاو کوهکاو
 ار دره غلغله م بر غلب پراش کوه - در دماغ غلغله چو چاه کوهکاو
 پسر اول در دماغ چو کوهکاو کوهکاو - هر غلغله کوهکاو کوهکاو
~~تاش کوهکاو کوهکاو کوهکاو - هر کوهکاو کوهکاو کوهکاو~~
 هر غلغله م کوهکاو کوهکاو کوهکاو - تاش کوهکاو کوهکاو کوهکاو
 رشت کوهکاو کوهکاو کوهکاو - چو کوهکاو کوهکاو کوهکاو
 کوهکاو کوهکاو کوهکاو - کوهکاو کوهکاو کوهکاو
 چاه کوهکاو کوهکاو کوهکاو - کوهکاو کوهکاو کوهکاو
~~کوهکاو کوهکاو کوهکاو - کوهکاو کوهکاو کوهکاو~~
 کوهکاو کوهکاو کوهکاو - کوهکاو کوهکاو کوهکاو

۵۰
بانگ درا
۳۲



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سہ ماہ

اے سہ ماہ! اے فصلِ کشورِ ہندوستان
تجھ میں کچھ پیدا نہیں دیرینہ روزی کے مثل
چومتا ہے تیری پیشانی کو خجک کر اسماں
تو جواں ہے کہ در شام و سحر کے درمیاں

ایک جلوہ تھا کلیمِ طورِ سینا کے لیے
تو تجلی ہے سرِ اچشمِ بینا کے لیے

آستانِ دیدہ ظاہر میں کوہِ ستاں ہے تو
مطلعِ اولِ فلک جس کا ہو وہ دیواں ہے تو
پاسباں اسنا ہے تو دیوارِ ہندوستان ہے تو
سوتے خلوتِ گاہِ دل و کیشِ انساں ہے تو

برف کے بانڈھی ہے ستارِ فضیلت تیری

خندہٴ ن ہے جو گلہٴ سرِ عالم تابِ پر

تیری عمر فرست کر کی ال ان ہے عہد کین
 واویوں میں ہیں تیری کالی لکھنا تین خمین
 چوٹیاں تیری شریا سے ہیں سرگرم سخن
 تو زہیں پر اور پہناتے فلک تیرا وطن

چشمہ دامن ترا آئینہ سیال ہے
 دامن موج ہوا جس کے لیے وصال ہے

ابر کے ہاتھوں میں پورا ہوا کے واسطے
 تازیانہ نے دیا برقی سر کھسار نے
 اے ہمالہ کوئی بازی گاہ ہے تو بھی جسے
 دست قدرت بنایا ہے عناصر کے لیے

ہائے کیا فرط طرب میں جھومتا جاتا ہے ابر
 فیل بے زنجیر کی صورت اڑا جاتا ہے ابر

جنبشیں موج نسیم صبح کھوارہ بنی
 جھومتی ہے نشہ ہستی میں ہر گل کی کلی
 یوں زبان برل سے گویا ہے اس کی خامشی
 دست چھپیں کی جھٹک میں نے نہیں دیکھی کبھی

کہہ رہی ہے میری خاموشی ہی افسانہ مرا
 گنج خلوت خانہ قدرت ہے کاشانہ مرا

آتی ہے تیری سراز کوہ سے گاتی ہوئی
 کوشرو نسیم کی موجوں کو شتراتی ہوئی
 آئندہ سا شاد پر قدرت کو دکھلائی ہوئی
 سنبھلے گا بچستی گا دکھلائی ہوئی

۵۲
 بانگِ درا
 ۳۶

پھیرتی جا اس عراقِ دل نشیں کے ساز کو

اے مسافرِ دل سمجھتا ہے تری آواز کو

یسی شب کھولتی ہے آکے جب لُف سا وہیں دل کھینچتی ہے ہتھاروں کی صدا

وہ خموشی شام کی جس پر تکلم ہو فنا وہ درختوں پر فنکر کا سماں چپایا ہوا

کانپتا پھرتا ہے کیا رنگِ شفق لہسار پر

خوشنما لگتا ہے عین زہ تے رخسار پر

اے ہمالہ! داستانِ اُس وقت کی کوئی سنا مسکنِ آبلے انساں جب بنا وہن ترا

کچھ بتا اُس سیدھی ساوی زندگی کا ماہرا داغ جس پر غازہ رنگِ تکلف کا رہتا

ہاں دکھا دے اے تصویرِ پھر وہ صبحِ شام تو

دور پیچھے کی طرف اے گردشِ ایام تو

گلِ زندیں

تو شام سے فراتس عقده مشکل نہیں اے گلِ زندیں تے پہلو میں شاید دل نہیں

زیب محفل ہے ہر ایک شورشِ محفل نہیں یہ فراغتِ بزمِ ہستی میں مجھے حاصل نہیں

اس چین میں میں سراپا سوز و ساز آرزو
اور سیری زندگانی بے لہ آرزو

توڑ لینا شاخ سے تہجہ کو مرا آہیں نہیں یہ نظر غیر از نگاہ چشم صہوت میں نہیں
آہ! یہ دست بھانجولے گل رنگیں نہیں کس طرح تہجہ کو یہ سمجھاؤں کہ میں گلچین نہیں
کام مجھ کو دیدہ حکمت کے الجھیروں سے کیا
دیدہ بے بس سے میں کرتا ہوں نظارہ ترا

سوز بانوں پر بھی خاموشی تہجے منطوب ہے راز وہ کیا ہے تہ کے سینے میں جو مستوب ہے
میری صورت تو بھی اک برگ ریاض طوب ہے میں چین سے دور ہوں تو بھی چین سے ٹوب ہے

مطمئن ہے تو پریشاں مثل بورتا ہوں میں
زخمی ششیر ذوق جستجو رہتا ہوں میں

یہ پریشانی مری سامانِ حجت نہ ہو یہ جگر سوزی چراغِ خازنِ حکمت نہ ہو
نا توالی ہی مری سراپا یہ قوت نہ ہو رشکِ جامِ بسمِ مرا آئینہ حیرت نہ ہو

یہ تماشے متصل شمع جہاں فروز ہے
توسن اور اک انساں کو خرام آمو ہے

عہدِ طفلی

تھے دیارِ نو زمینِ آسماں میرے لیے وسعتِ آغوشِ ماوراکِ جہاں میرے لیے
تھی ہر اک جنبشِ نشانِ لطفِ جاں میرے لیے صرف بے مطلب تھی خود میری جاں میرے لیے

دردِ طفلی میں اگر کوئی رُلاتا تھا مجھے

شورشِ زنجیرِ در میں لطفِ آتا تھا مجھے

تکتے رہنا ہائے اوہ پہرے تک سُوتے تھے وہ پٹھے بادل میں بے آوازِ پاؤں کا سفر
پوچھنا رہے کہ اُس کے کوہِ صحرائی خبر اور وہ حیرتِ دروغِ مصلحتِ امیز پر

انگہ وقفِ دید تھی لبِ مائلِ گفتار تھا

دل نہ تھا میرا، سراسر اپنا وقتِ ہفتار تھا

مرزا غالب

فکرِ انساں پر تری ہستی سے یہ روشن ہوا ہے پر مرغِ تخیل کی رسائی تاکجا
تھا سراپا روحِ تو، بزمِ سخنِ پیکرِ ترا زینِ پستل بھی رہا، پستل سے نہاں بھی ہا

دید تیری آنکھ کو اس حسن کی منظوم ہے

بن کے سوز زندگی ہر شے میں جو ستو ہے

مخمل ہستی تری بر لب سے ہے سرمایہ دار جس طرح ندی کے نمنوں سے کھوت کو ہمار

تیرے فرد و ہوش نسیل سے ہے قدرت کی بہا تیری کشتِ فکر سے اگتے ہیں عالم سبز و وا

زندگی مضمون ہے تیری شوخی تحریر میں

تاب کو یابی جسے جنش ہے لب تصویر میں

نطق کو سونا زہین تیرے لب عجب از پر محو حیرت ہے شریا فست پر از پر

شاہ مضمون تصدیق ہے تے انداز پر خند زن ہے غنچہ پتلی گل شیراز پر

آہ! تو اٹھری ہوئی دلی میں آہیڈ ہے

گلشن و میر میں یہ لہو نوا خواہیڈ ہے

لطف کو یابی میں یہ سیر می گن نہیں چو تخیل کا زبانتک فکر کا مل ہم نشین

ہائے اب کیا ہو گئی ہندوستان کی زمر میں آہ! لطف آہ آموز نگاہ گتہ میں

• دیر : جرمنی کا مشہور شاعر گوٹے اس جگہ مہ فون ہے

گیوے اردو ابھی منت پذیرا ہے

شمع یہ سوداگی و سوزی پروا ہے

اے جہان آباد اے کووارہ عسلم نوبہ
ہیں سراپا نالہ خاموش تیرے بام و در
ڈرتے میں ترخے اہل شمس و قمر
یوں تو پوشیدہ ہیں سرخی خاک میں لاکھوں

دفن تجھ میں کوئی فخر زکار ایسا بھی ہے؟

تجھ میں پساں کوئی موتی آبا ایسا بھی ہے؟

ابر کو ہسار

ہے بلند می سے فلک بوس شہین میرا
ابر ہسار ہوں گل پاش ہے امن میرا
کبھی صحرا بھی گلزار ہے سکون میرا
شہر ویرانہ مرا ہے بھرا، بن میرا

کسی آدمی میں جو منظور ہو سونا مجھ کو

سبزہ کو ہے منجے منسل کا بچھونا مجھ کو

مجھ کو قدرت نے رکھا ہے افسانہ ہونا
عزم وائے دل افسردہ بہت ہونا
ناتقہ شاہدِ حمت کا حُدی خوان ہونا
رونقِ بزمِ جوانانِ گلستاں ہونا

بن کے کیسوخ ہستی پہ بھجرتا ہوں

شانہ جو بترہ صہرے سنو جاتا ہوں

دور سے میں آئید کو ترستا ہوں کسی بستی سے جو خاموش گن جاتا ہوں

سیر کرتا ہوں جس دم لب بچھاتا ہوں بالیاں نہر کو لڑا ب کی پہناتا ہوں

سبزہ مزع نوخیز کی آئینوں میں

زاق بچھون بڑوہ خورشیدوں میں

چشمہ کوہ کو دی شورش قلم میں نے اور پرندوں کو کیس محترم میں نے

سر پہ پینے کے کھڑے ہو کے کہا قلم میں نے غنچہ گل کو دیا ذوق تبسم میں نے

فیض سے میرے نمونے ہیں شبستانوں کے

جھوپٹے ہیں کسار میں دعوت انوں کے



ایک مسکڑا اور مسکھتی

(مانخوذ)

بچوں کے لیے

اک دن کسی مسکھتی سے یہ کہنے لگا مگڑا
لیکن مری کٹیا کی نہ جاگی کبھی قسمت
غیروں سے نہ طے تو کوئی بات نہیں ہے
او جو مے گھر میں تو عزت ہے یہ میری
مسکھتی نے سنی بات جو مگڑے کی تو بولی
اس حال میں مسکھتی کبھی آنے کی نہیں ہے
جو آپ کی سیرھی یہ چڑھا پھر نہیں اُترا

مگڑے نے کہا واہ! فریبی مجھے سمجھے
منظور تمھاری مجھے خاطر تھی وگرنہ
تم سا کوئی نادان زمانے میں نہ ہو گا
کچھ فائدہ اپنا تو مرا اس میں نہیں تھا
ٹھہر و جو مے گھر میں تو ہے اس میں برا کیا
اڑتی ہوئی آئی ہو خدا جانے کہاں سے

اس گھر میں کتنی تم کو دکھانے کی ہیں چیزیں
 باہر سے نظر آتا ہے چھوٹی سی کٹیڑھیا
 لٹکے ہوئے دروازوں پر بار بار ایک میں پردے
 دیواروں کو آئینوں کے ہیں نے سجایا
 مہمانوں کے آرام کو خاطر میں سمجھو نے
 ہر شخص کو سماں یہ میسر نہیں ہوتا
 مکھی نے کہا خیر یہ سب ٹھیک ہے لیکن
 میں آپ کے گھر آؤں یہ آپ سے نہ رکھنا

ان نرم بچھونوں سے خدا مجھ کو بچاتے

سو جاتے لوٹی ان پر تو پھر اٹھ نہیں سکتا

مکھی نے کہا دل میں سنی بات جو اس کی
 پھانسیوں کے س طرح یہ کم بخت ہے دانا
 سو کا غم شام سے نکلتے ہیں جہاں میں
 دیکھو جسے دنیا میں خوشامد کا ہے بنا
 یہ سوچ کے مکھی سے کہا اس نے بڑی بنا
 اللہ نے بخشا ہے بڑا آپ کو رتبا
 ہوتی ہے آپ کی صورت سے محبت
 جو جس نے کبھی ایک نظر آپ کو دیکھا
 آنکھیں ہیں کہ سیرے کی چمکتی ہوئی کنیاں
 سر آپ کا اللہ نے ظنی سے سجایا
 خیرن یہ پوشاک، یہ خوبی، یہ صفائی
 مکھی نے سنی جب یہ خوشامد تو پس بھی
 انکار کی عادت کو سمجھتی ہوں نہیں
 پھر اس پر قیامت ہے یہ اڑتے ہوئے گانا
 بولی کہ نہیں آپ کے مجھ کو لوٹی کھٹکا
 سچ یہ ہے کہ دل توڑنا اچھا نہیں ہوتا

یہ بات کہی اور اڑی اپنی جگہ سے پاس آتی تو طرے نے اچھل کر اسے پکڑا

بھوکا تھا لئی رز سے اب ہاتھ جو آتی

آرام سے لکھ بیٹھ کے مکتھی کو اڑایا

ایک پہاڑ اور گلہری

(ماخوذ از امیرسن)

بچوں کے لیے

کوئی پہاڑ یہ کہتا تھا ال گلہری سے تجھے ہوشم تو پانی میں جا کے ڈوب کر

ذرا سی چیز ہے اس پر غر ز لیا کہنا یہ عقل اور یہ سمجھ بے شعور کیا کہنا!

خدا کی شان ہے نا چیز چیز بن مٹھیں جو بے شعور ہوں یوں باتمیز بن مٹھیں

ترمی بسا ط ہے کیا سیری شان کے لے زمین ہے پست مری آن بان کے لے

جو بات مجھ میں سمجھ کو وہ ہے نصیب کہاں

بھلا پہاڑ کہاں جانور غریب کہاں

کہا یہ سن کے گلہری نے منہ سنبھال ڈرا یہ کچھی باتیں ہیں دل سے انھیں نکال ڈرا

جو میں ٹہی نہتیں سیری طرح تو کیا پروا
 نہیں ہے تو بھی تو آخر مری طرح چھوٹا
 ہر ایک چیز سے پیدا خدا کی قدرت ہے
 کوئی بڑا کوئی چھوٹا یہ اس کی حکمت ہے
 بڑا جہان میں تجھ کو بنا دیا اس نے
 مجھے درخت پہ چڑھنا سکھا دیا اس نے
 قدم اٹھانے کی طاقت نہیں فراتجھ میں
 نرمی بڑاتی ہے خوبی ہے اور کیا تجھ میں
 جو تو بڑا ہے تو مجھ سا نر و لکھا مجھ کو
 چھپا لیا ہے ذرا تو ڈر لکھا مجھ کو

نہیں ہے چیز قیمتی کوئی زمانے میں
 کوئی بڑا نہیں قدرت کے کا رخاں میں

ایک کائے اور بلبری

(مانو)

بچوں کے لیے

اک چہرہ الہ ہری بھری تھی کہیں
 تھی سراپا بہار جس کی زمیں
 کیا سماں اس بہار کا ہویاں
 ہر طرف صاف ندیاں تھیں رواں
 تھے اناروں کے بے شمار درخت
 اوپر پیل کے سایہ دار درخت

ٹھنڈی ٹھنڈی ہوائیں آتی تھیں
 کسی ندی کے پاس اک بدمی
 جب ٹھہر کر ادھر ادھر دیکھا
 پہلے جھک کر اسے سلام کیا
 کیوں بڑی بی! مزاج کیسے ہیں
 کٹ رہی ہے بڑی مھسلی اپنی
 جان پر آہنی ہے کیا کیسے
 دیکھتی ہوں خدا کی شان میں
 زور چلتا نہیں عنبر یوں کا
 آدمی سے کوئی بھلا نہ کرے
 دودھ کم دوں تو بڑھاتا ہے
 ہسٹھکنڈوں سے غلام کرتا ہے
 اس کے بچوں کو پالتی ہوں میں
 بدے نیکی کے یہ بُرائی ہے

طائروں کی صدا میں آتی تھیں
 چرتے چرتے کہیں سے آنکلی
 پاس اک گائے کو کھڑے پایا
 پھر سلیقے سے یوں کلام کیا
 گائے بولی کہ خیر اچھے ہیں
 بے مصیبت میں زندگی اپنی
 اپنی قسمت بُھی ہے کیا کیسے
 رو رہی ہوں بُروں کی جان میں
 پیش آیا لکھا نصیبوں کا
 اس سے پالا پڑے خدا نہ کرے
 ہوں جو ڈوبی تو بیچ لھاتا ہے
 رکن منبر یوں سے رام کرتا ہے
 دودھ سے جان ڈالتی ہوں میں
 میرے اللہ! تری دہاتی ہے

سن کے بکری یہ ماہر اسارا
 بات سچی ہے بے مزالگتی
 یہ چیراگ، یہ ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا
 ایسی خوشیاں ہمیں نصیب
 یہ مزے آدمی کے دم سے ہیں
 اس کے دم سے ہے اپنی آبادی
 سوطرح کابنوں میں ہے کھٹکا
 ہم یہ احسان ہے بڑا اس کا
 قدر آرام کی اگر سمجھو
 گائے سن کر یہ بات شرمائی
 دل میں پرکھا بھلا بُرا اُس نے
 بولی، ایسا گلہ نہیں اچھا
 میں کہوں گی مگر خدا لگتی
 یہ ہری گھاس اور یہ سایا
 یہ کہاں بے زبان غریبوں!
 نطف سارے اسی کے دم سے ہیں
 قید ہم کو بھلی کہ ازاد میں!
 واں کی گزران سے بچاتے خدا
 ہم کو زیب نہیں گلا اس کا
 آدمی کا کبھی گلہ نہ کرو
 آدمی کے گلے سے پھٹائی
 اور کچھ سوچ کر کہا اُس نے

یوں تو چھوٹی ہے ذات بکری کی
 دل کو لگتی ہے بات بکری کی



بچے کی دعا

(ماخوذ)

بچوں کے لیے

لب پہ آتی ہے دعا بن کے تبت میری
زندگی شمع کی صورت ہو خدا یا میری

دور دنیا کا مرے دم سے اندھیرا ہو جائے

ہر جگہ میرے چمکنے سے اجالا ہو جائے

ہو مرے دم سے یونہی میرے وطن کی زینت

جس طرح پھول سے ہوتی ہے چمن کی زینت

زندگی ہو مری پروانے کی صورت یارب

علم کی شمع سے ہو مجھ کو محبت یارب!

ہو مرا کام عنریبوں کی حمایت کرنا

درد مندوں سے، ضعیفوں سے محبت کرنا

مرے اللہ! برائی سے بچانا مجھ کو
نیک جو راہ ہو اُس رہ پہ چلانا مجھ کو

ہمدردی (مانخوڈ از ولیم کوپر) بچوں کے لیے

ٹہنی یہ کسی شجر کی تنہا
کہتا تھا کہ رات سر پہ آتی
پہنچوں کس طرح ایشیا تک
سن کر ٹہنی کی آہ و زاری
حاضر ہوں مدد کو جان و دل سے
کیا غم ہے جو رات ہے اندھیری
اللہ نے دی ہے مجھ کو مشعل

ٹہنی تھا کوئی ادا اس بیٹیا
اڑنے چکنے میں دن گزارا
ہر چیز پہ چھپا لیا اندھیرا
جگنو کوئی پاس ہی سے بولا
کیسٹرا ہوں اگرچہ میں نوراسا
میں راہ میں روشنی کروں گا
چمکا کے مجھے دیا بنایا

ہیں لوگ وہی جہاں میں اچھے
آتے ہیں جو کام دوسروں کے

ماں کا خواب

(ماخوذ)

بچوں کے لیے

میں سوئی جا اک شب تو دیکھا یہ خواب
یہ دیکھا کہ میں جا رہی ہوں کہیں
لڑتا تھا ڈر سے مرا بال بال
جو کچھ چوسدہ پائے آگے بڑھی
زمر دسی پوشاک پہنے ہوئے
وہ چپ چاپ تھے آگے پیچھے روئے
اسی سوچ میں تھی کہ میرا پر
وہ پیچھے تھا اور میں چلتا نہ تھا
کہا میں نے چپان کر میری جاں!
جدائی میں رہتی ہوں میں بے قرار

بڑھا اور جس سے مرا اضطراب
اندھیرا ہے اور راہ ملتی نہیں
قدم کا تھا دھشتے اٹھنا محال
تو دیکھا قطار ایک لڑکوں کی تھی
دیے سب کئے ہاتھوں میں جلتے ہوئے
خدا جانے جانا تھا ان کو کہاں
مجھے اُس جماعت میں آیا نظر
وہ اُس کے ہاتھوں میں جلتا نہ تھا
مجھے چھوڑ کر آگے تم کہاں؟
پررتی ہوں ہر روز اشکوں کے ہا

نہ پروا ساری ذرا تم نے کی
 گئے چھوڑ، اچھی وفا تم نے کی!
 جو نتھنے نے دکھیا مرا بیچ و تاب
 دیا اُس نے مُنہ پھیر کر یوں جواب
 زلاتی ہے تجھ کو بدلتی مری
 نہیں اس میں کچھ بھی بدلتی مری
 یہ کہہ کر وہ کچھ دیر تک چپ رہا
 دیا پھر دکھا کر یہ کہنے لگا

سمجھتی ہے تو ہو گیا کیا اسے؟

ترے آنسوؤں نے بھجایا اسے!

پرنے کی فریاد
 بچوں کے لیے

اتنا ہے یاد مجھ کو کزرا سوا زمانا
 وہ باغ کی بہاریں وہ سب کا چھپانا
 ازادیاں کہاں وہ اب اپنے لھونسلے کی
 اپنی خوشی سے انا اپنی خوشی سے جانا
 لگتی ہے چوٹ ل پڑا ہے یاد جس دم
 شبنم کے آنسوؤں پر کلیوں کا سُکرانا
 وہ پیاری پیاری صورت وہ کانسٹی سہی موت
 ابا جس کے دم سے تھا میرا ایشیانا

اتنی نہیں آئیں اُس کی مرے قفس میں

ہوتی مری ہاتی لے کاش میرے بس میں!

کیا بے نصیب ہیں میں کھر کو ترس رہا ہوں
ساتھی تو ہیں وطن میں میں قید میں بیٹھ رہا ہوں
آئی بہار کلیاں پھولوں کی سنس رہی ہیں
میں اس اندھیرے کھر میں قسمت کو رہا ہوں

اس قید کا الہی اڈکھڑا کے سناؤں

ڈرے بہیں قفس میں میں عنس سے مر نہ جاؤں

جب سے چمن چھٹا ہے یہ حال ہو گیا ہے
دل غم کو کھار ہائے غم دل کو کھار ہا ہے
گانا ہے سمجھ کر خوش ہوں نہ سننے والے
دکھے ہوئے دلوں کی فسیاویہ صدا ہے

ازاد مجھ کو کر دے اوقید کرنے والے!

میں بے زبان ہوں قیدی تو چھوڑ کر دے

خفتگانِ حال سے استفسار

مہر روشن چھپ گیا اٹھی نقابِ رُوشم
شانہ ہستی سے بکھر اٹھا کیسوتے شام
یہ سیہ پوشی کی تیاری کسی کے غم میں ہے
مخصل قدرت مگر خورشید کے ماتم میں ہے
کر رہا ہے آسماں جاؤ و لب کفتار پر
ساحر شب کی نظر ہے دید بیدار پر
خوطہ زن دریا ہے سنا موسیٰ میں موج ہوا
ہاں مگر اک دور سے آتی ہے آوازِ دریا

دل کہ ہے رہتا ہی الفت میں دنیا سے نفو
کھینچ لایا ہے مجھے سنگارِ عالم سے دور

منظرِ حرمِ انصیب کی تماشائی ہوں میں

ہم نشینِ جنتگانِ کونجِ تنہائی ہوں میں

تعمیرِ رہا رہتا ہی دل اُبیٹھ جانے دے مجھے
اور اس بستی پہ چار آنسو گرانے دے مجھے

اے عینِ غفلت کی سرستو! کہاں رہتے ہو تم؟
کچھ کہو اس دس کی آخر جہاں رہتے ہو تم؟

وہ بھی حیرتِ خانہِ امر و زور و نہ رہے کوئی؟
اور پیکارِ عنصرا کا تماشایہ ہے کوئی؟

اومی! ان بھی حصاِ عنصم میں ہے محصور کیا؟
اُس لایت میں بھی ہے انسان کا دل مجبور کیا؟

واں بھی جہل مرتاب ہے سوزِ شمع پر پرانہ کیا؟
اُس حین میں بھی گلِ نعلبسل کا ہے افسانہ کیا؟

یاں تو اک مصرع میں پسلوئے نکل جاتا ہے دل
شعر کی لہری سے کیا ان بھی نکل جاتا ہے دل؟

رشتہ و پیوندی کے جان کا آزار ہیں
اُس گستاخ میں بھی کیا ایسے نکل جاتا ہے دل؟

اس جہاں میں اک معیشت اور سو اُفتاد ہے
روح کیا اُس دس میں اس فکر سے آزاد ہے؟

کیا وہاں بجلی ہے، وہاں بھی ہے خرم بھی؟
قلندارے بھی ہیں، اندیشہ ریزن بھی ہے؟

تنگے چنتے ہیں وہاں بھی آرشیاں کے واسطے؟
خشتِ دل کی فکر ہوتی ہے کُل کے واسطے؟

واں بھی انساں اپنی صہیت سے بیگانے ہیں کیا؟
امیازِ ملت و آئین کے دیوانے ہیں کیا؟

واں بھی کیا سنسیرا پوہیل رچرچر پوہتا نہیں؟

اس جہاں کی طرح اں بھی ڈول ہوتا نہیں؟

باغ ہے فردوس یا اک سنسیرا آرام ہے؟
کیا جہنم معصیت عزی کی اک ترکیب ہے؟
کیا عوض رفا کے اُس ریس میں پرواز ہے؟
اضطرابِ دل کا سماں یاں کی ہست بود ہے؟
ویدے تے سکین پات ہے دل مجور بھی؟
جستجو میں ہے ہاں بھی رُوح کو آرام کیا ہے؟
اہ! اوہ کشور بھی تار مٹی سے کیا مٹور ہے؟
یا رُخ بے پروہ حسن ازل کا نام ہے؟
آگ کے شعلوں میں نہاں مقصدِ تار ہے؟
موت کہتے ہیں جسے ازل میں کیا راز ہے؟
علم انساں اُس لایت میں بھی کیا محدود ہے؟
لکن ترانی کدے ہے ہر یاں وہاں کے طوہ بھی؟
واں بھی انساں ہے قعیل فوق استفہام کیا؟
یا محبت کی تحبلی سے سر اپا پور ہے؟

تم بتا دو راز جو اس کنبد کرداں میں ہے

موت اک چھتا ہوا کا نسا دل انساں میں ہے

شمع و پروانہ

پروانہ تجھ سے کرتا ہے شمع اپنا رکیوں
یہ جان بے قرار ہے تجھ پریشا رکیوں

سیاب وار کھتی ہے تیری ادا سے
 کرتا ہے یہ طواف تری جلوہ گاہ کا
 از آرموت میں اسے آرام جاں ہے کیا؟
 غم خانہ جہاں میں جو تیری ضیاء ہو
 کرنا ترے حضور میں اس کی نماز ہے
 کچھ اس میں جو عشقِ حُسنِ قدیم ہے
 آدابِ عشق تو نے سکھائے ہیں کیا سے؟
 پھونکا ہوا ہے کیا تری برقِ نگاہ کا؟
 شعلے میں تیرے زندگی جاوداں ہے کیا؟
 اس نفستِ دل کا نخلِ مستِ ہر آنہ ہو
 نتھے سے دل میں لذتِ سوز و گداز ہے
 چھوٹا سا طور تو، یہ ذرا سا حکیم ہے

پروانہ اور ذوقِ تماشا سے روشنی
 کیرا ذرا سا اور تماشا سے روشنی!

عقل و دل

عقل نے ایک دن یہ یل سے کہا
 ہوں زمیں پر، گزرِ فلک پہ مرا
 کام دنیا میں رہ رہی ہے مرا
 ہوں مفیتر کتاپِ بستی کی
 بھولے بھٹکے کی رہنما ہوں میں
 دیکھ تو کس قدر رسا ہوں میں
 مثلِ خضرِ خجستہ پا ہوں میں
 منظرِ شانِ کبریا ہوں میں

بوندِ اک خون کی ہے تُو لسیکن
 دل نے سن کر کہا یہ سب سچ ہے
 رازِ ہستی کو تُو سمجھتی ہے
 ہے تجھے واسطہ مظاہر سے
 علمِ تجھ سے تو معرفتِ مجھ سے
 علم کی اتنا ہے بے تابی
 شمع تُو محفلِ صداقت کی
 تُو زمان و مکاں سے رشتہ بیا
 غیرتِ لعلِ بے بہا ہوں میں
 پر مجھے بھی تو دیکھ لہیا ہوں میں
 اور آنکھوں سے دیکھتا ہوں میں
 اور باطن سے آشنا ہوں میں
 تُو حندِ اجو حندِ انما ہوں میں
 اس مرض کی مگر دوا ہوں میں
 حُسن کی بزم کا دیا ہوں میں
 طائرِ سدرہ آشنا ہوں میں

کس بندی پہ ہے مہتمم مرا
 عرشِ تہِ جلیل کا ہوں میں

صدائے درد

جل ہا ہوں گل نہیں پڑتی کسی پہلو مجھے
 سسڑ میں اپنی قیامت کی نفاق انگیز ہے
 ہاں بوندے اے محیطِ آب گنگا تو مجھے
 وصل کیسیاں تو اک قُربِ فراق انگیز ہے

بدلے یک رنگی کے یا آشنائی ہے غضب
 ایک ہی خرم کے دانوں میں خدائی ہے غضب
 جس کھپوں میں اخوت کی ہوا آئی نہیں
 اس چین میں کوئی لطفِ نغمہ پیرائی نہیں

لذتِ قربِ مستیقی پر مٹا جاتا ہوں میں

احلاطِ حوسہ ساحل سے گھبراتا ہوں میں

دانہ خرم نیک ہے شمعِ معجزیاں
 ہونہ خرم ہی تو اس دانے کی ہستی کھپاں
 حُسن ہو کیا خود ماجب کوئی مائل ہی ہو
 شمع کو جلنے سے کیا طلب جو محفل ہی ہو
 ذوق کو یابی حسدوشی سے بٹا کیوں نہیں
 میرے آئینے سے یہ جو بڑھکتا کیوں نہیں

کب باں کھولی ہماری لذتِ گفتار نے

چھوٹا ٹالاجبِ حرم کو تاشِ سکار نے

آفتاب

(ترجمہ گائتری)

اے آفتابِ رُوح و روانِ جہاں ہے تُو
 شیرازہ بندِ دستہ کون مکان ہے تُو
 باعث ہے تُو وجودِ عدم کی نمود کا
 ہے سبز تیرے دم سے چمن بستِ بود کا

۷۲
 باغِ در
 ۵۸

قائم یہ عنصر کا تاشا تجھی کے ہے
 ہر شے میں زندگی کا تقاضا تجھی سے ہے
 تیرا یہ سوز و ساز سراپا حیات ہے
 تیرے کو تیری جلوہ گری سے شبات ہے
 وہ آفتاب جس سے زمانے میں نور ہے
 دل ہے خرد ہے روح رُح رُح ہے شعور ہے
 اے آفتاب! ہم کو ضیائے شعور دے
 چشم خرد کو اپنی تجھتی سے نور دے
 ہے محفل وجود کا سماں طراز تو
 یزدان ساکن ان نشیب و فراز تو
 تیرا کمال ہستی ہر جاندار میں
 تیری نمود سلسلہ کو ہمار میں
 ہر چیز کی حیات کا پروردگار تو
 زائیدگان نور کا ہے تاجدار تو
 نے ابتدا کوئی نہ کوئی انتہا تری
 از اوقیہ اقول و آخر ضیاء تری

شمع

بزم جہاں میں ہیں بھیجیں شمع نور مند
 فریاد و گریہ صفت دانہ سپند
 دی عشق نے حرارت سوز و زوروں سے تجھے
 اور گل فروش اشک شفق کوں کیا مجھے
 ہر شمع بزم شمس کہ شمع مزار تو
 ہر حال اشک غم سے ہی بھلا تو
 یک میں تری لطف صفت عاشقانِ راز
 میری نگاہ مایہ آشوب امتیاز

۷۵
 بانگِ درا
 ۷۹

کعبے میں سبکے میں کیساں ترمی ضیا میں استیاز ویر جسم میں چھپا ہوا

ہے شان آہ کی ترے دوسیاہ میں

پوشید کوئی دل ہے ترمی جلوہ گاہ میں؟

جلتی ہے تو کہ برق تجلی سے فور ہے بے درو تیرے سوز کو سمجھے کہ نور ہے

تو جل رہی ہے اور تجھے کچھ خبر نہیں بینا ہے اور سوز و زوروں پر نظر نہیں

میں جو شہ اضطراب کے سیما بے ار بھی آگاہ اضطراب دل بے قرار بھی

تھا یہ بھی کوئی ناز کسی بے نیاز کا

احساس دے دیا مجھے اپنے کداز کا

یہ آگہی مری مجھے رکھتی ہے بقرا خوابید اس شر میں ہیں آتش کدے ہزار

یہ استیاز رفعت و پستی اسی سے گل میں مہک شراب میں تھی اسی سے

بستان و بستان گل و بو ہے یہ آگہی

اصل کشاکش من و تو ہے یہ آگہی

صبح ازل جو ہواستان عشق سے بگڑن ہوئی تپش آموز جان عشق

یہ حکم تھا کہ گلشن کن کی بہار دیکھ ایک آنکھ لے کے خواب پریشان ہزار دیکھ

مجھ سے خبر نہ لو چھ حجابِ جو دک
 وہ دن لگے کہ قید سے میں آشنا تھا
 شامِ سراقِ صبح تھی میری نو دک
 قیدی تھی اور قفس کو چمن جانتا ہوں میں
 زیبِ درختِ طور مرا آشیانہ تھا
 غربت کے غم لگے کو وطن جانتا ہوں میں
 یادِ وطن فسر دکی بے سبب بنی
 شوقِ نطن کبھی کبھی ذوقِ طلب بنی

اے شمع! انتہائے فریبِ خیال دیکھ
 مضمونِ فراق کا ہوں ثریا نشان میں
 مسجود ساکنانِ فلک کا مال دیکھ
 باندھ مجھے جو اُس نے تو چاہی میری نو
 اہنگِ طبعِ ہنرمیں کون مکانِ جوں میں
 گوہرِ گوشتِ خاک میں سپا پسند ہے
 تحریر کر دیا سردیوانِ ہست بود
 بندش اگرچہ ہے مضمونِ طلب ہے
 عالمِ ظہورِ جلوتہ ذوقِ شعور ہے
 طوقِ کلوئے حُسنِ تماشا پسند ہے
 اے شمع! میں سیرِ فریب نگاہ ہوں
 صیادِ آبِ حلفتِ رومِ ستم بھی آپ
 باجمِ سرم بھی طائرِ باجمِ سرم بھی آپ
 کھلتا نہیں کہ ناز ہوں میں یا نیاز ہوں
 میں حُسنِ جوں کہ عشقِ سراپا لہ از ہوں

بانا ہے در
 ۶۱

ہاں آشنا سے لب نہ راز کس کہیں

پھر چھپڑ نہ جلتے قصہ دار و رسن کہیں

ایک آرزو

دنیا کی مخلوق سے اکتا گیا ہوں یارب!
شورش سے بھاتا ہوں دل ٹھونڈتا ہے میرا
مرتا ہوں خاشی پڑیہ آرزو ہے میری
ازاد فکر سے ہوں عزت میں دن گزاروں
لذت سرزد کی جو پٹریوں کے چھپوٹ میں
گل کی گلی چٹاک کر پیغام دے کسی کا
جو ہاتھ کا سر حانا سبز سے کا ہو بچھوٹا
مانوس اس قدر ہو صوت سے میری بیل
صف باندھے دو نون جانب بوٹے سر سر ہوں
ہو دل فریب ایسا کسار کا نظارہ
کیا نطف انجمن کا جب دل ہی سمجھ گیا ہو
ایسا سکوت جس پر تیر بھی بند ہو
دہن میں کوہ کے اک چھوٹا سا چھو پڑا ہو
دنیا کے عنس کا دل سے کانٹا نکل گیا ہو
چشمے کی شورشوں میں باجا سانج رہا ہو
ساعت زور اساکو یا مجھ کو جہاں نہا ہو
شریائے جس سے جلوت خلوت میں وہ ہو
نتھ سے دل میں اس کے کھٹکانہ کچھ مراد ہو
ندمی کا صاف پانی تصویر کے رہا ہو
پانی بھی موج بن کر اٹھ اٹھ کے دیکھتا ہو

آنکھیں میں نہیں کی سو یا نہوا سو سبزہ
 پانی کو چھو رہی جو جھک جھک کے گل کی
 مندی لگائے سو ج جب شام کی دلہن کو
 راتوں کو چلنے والے چائیں تھک کے جس دم
 بجلی چمک کے ان کو کٹیا مری دکھائے
 پھلے پہر کی کوئل وہ صبح کی توڑن
 کانوں پہ پونہ میسے دیر و رسم کا احسا
 پھولوں کو اسے جس دم شبنم وضو کرنے
 اس خاشی میں جائیں اتنے بلند نالے
 پھر پھر کے جھاڑیوں میں پانی چمک رہا
 جیسے حسین کوئی آئینہ دیکھتا
 سرخی لیے سنہری ہر ٹھول کی قبا
 آئینہ ان کی میسر اٹوٹا چوڑیا
 جب آسماں پہ پر سو بادل گھرا ہوا
 میں اس کا ہم نوا ہوں وہ سیری ہم نوا
 روزن ہی جھنوپٹری کا مجھ کو سحر نما
 رونا مراد ضو ہو، نالہ مری دعا
 تاروں کے قافلے کو میری صدا اورا

ہر درو سنڈل کو رونا مراد لاوے

بے ہوش جوڑے ہیں شاید انھیں جگاوے



اقصاب

شورشِ خانہ انساں سے بالاتر ہے تو زینتِ بزمِ فلک جو جس کے غم سے ہے تو
 ہو ڈرِ کوششِ عروسِ صبح وہ کوہِ ہے تو جس سپیائے اُفق نمازاں ہو وہ زیور ہے تو

صفحہ ایام سے دُناعِ مداوِ شبِ مٹا

اسماں سے نقشِ ماطل کی طرح کو کب مٹا

حُسنِ تیرا جب ابامِ فلک سے جلوہ گر آنکھ سے اُٹتا ہے یک دم غمِ ابلیس کا اُش

نور سے سور ہو جاتا ہے دایمانِ نظر کھولتی ہے چشمِ ظاہر کو ضیاءِ تیری مگر

ڈھونڈتی ہیں جس کو آنکھیں وہ تماشا چاہیے

چشمِ ماطن جس سے کھل جاتے وہ جلو اچاہیے

شوقِ آزادی کے دنیا میں نہ بکھلے جو صلے زندگی بھر قیدِ زنجیرِ عشق میں ہے

زیرِ وبالِ ایک ہیں تیری نگاہوں کے لیے آرزو ہے کچھ اسی چشمِ تماشا کی مجھے

آنکھِ میری اور کے غم میں سرشکِ باد ہو

امیازِ ملتِ آئیں سے دلِ آزاد ہو

۸۰
 بانگِ درا
 ۶۲

بستہ رنگِ خوبصورت نہ ہو میری زباں
نوع انساں قوم ہو میری وطن میرا جہاں
دیدہ باطن پر از نظم قدرت ہو عیاں
ہوشناسائے فلک شمع تختل کا دھواں

عقدہ ضد اد کی کاوش نہ تڑپاتے مجھے

حُسنِ عشقِ انجمنِ زہرے میں نظر آتے مجھے

صدمہ آجاتے ہوا سے گل کی پتی کو اگر
اشک بن کر میری آنکھوں سے ٹپک جاتے اثر
دل میں سوڑ محبت کا وہ چھوٹا سا شہر
نور سے جس کے رطلے از حقیقت کی خبر

شاہدِ قدرت کا آئینہ ہو دل میرا نہ ہو

سر میں خیر ہر دروی انساں کوئی سوانہ ہو

تو اگر زحمت کش ہنگامہ عالم نہیں
فیضیت کا نشان ہے میرا غم نہیں
اپنے حُسنِ عالم آرا سے جو تو محرم نہیں
ہم سرِ ایک فترۂ خاکِ در آوم نہیں

نورِ سجدہ تک گرم ہاں شاہی رہا

اور تو منتِ پیڑِ صبح منہ ڈرا ہی رہا

آرزو نورِ حقیقت کی ہمارے دل میں ہے
سیلی ذوقِ طلب کا گھر اسی محل میں ہے
کس قدر لذت کشو عقدہ شکل میں ہے
لطفِ صمدِ حاصلِ ہماری سعی بے حاصل میں ہے

دردِ استغمام کے اقف ترا پہلو نہیں
جستجوئے از قدرت کا شناسا تو نہیں

دردِ عشق

اے دردِ عشق! ہے کھرا بے ار تو
پنہاں تہ نقاب ترمی جلوہ گاہ ہے
اکی تھی ہوا پسین ہست بود میں
ہاں، خود نمائیوں کی تجھے جستجو نہ ہو
نامحرموں میں دیکھ نہ ہو آشکار تو!
ظاہر پرست محسن نو کی نگاہ ہے
اے دردِ عشق! اب نہیں لذت نمود میں
منت پذیر نالہ بے سبیل کا تونہ ہو!
پانی کی بوند کر یہ شبِ بنم کا نام ہو
اشک جگر کہ از زہمت از ہو ترا
گو یا زبانِ شاعر زنجیں بیاں ہو
آواز نے میں شکوہ فرقت نہاں نہ ہو

یہ دوز نکلتے ہیں بے کہیں چھپ کے بیٹھ رہ

جس دل میں تو گلین ہے وہیں چھپ کے بیٹھ رہ

عافل ہے تجھ سے حیرتِ علمِ آفریدہ دیکھ!
جو یا نہیں ترمی نگرہ نارسیدہ دیکھ

رہنے دے جستجو میں خیال بلند کو
 حیرت میں چھوڑ دینا حکمت پسند کو
 جس کی بہ سار تو ہو یہ ایسا چمن نہیں
 قابل ترمی نمود کے یہ اخبسن نہیں
 یہ انجمن ہے کشتہ نظارہ محباز
 مقصد ترمی نگاہ کا خلوت سرانے از

ہر دل مے خیال کی کستی سے چور ہے
 کچھ اور اس جھل کے کھیموں کا طور ہے

گل پر مردہ

کس زبان سے گل پر مردہ تجھ کو گل کہوں
 کس طرح تجھ کو مستائے دل بنیں کہوں
 تھی کبھی موج صبا گوارا بھنباں ترا
 نام تھا صحیح گلستاں میں گل خنداں ترا
 تیرے احسان کا نسیم صبح کو ہوا تھا
 باغ تیرے دم سے گویا طبدار تھا

تجھ پر برساتا ہے شبنم دیدہ گریاں مرا
 میری بربادی کی ہے چھوٹی سی اک تصویر تو
 ہے نہاں تیرے اواسی میں دل گریاں مرا
 خواب میری زندگی تھی جس کی ہے تعبیر تو
 ہر چوئے از نیستانِ خم و حکایت می کنم
 بشنوائے گل از جہاں تہا شکایت می کنم

سید کی لوح تربت

اے کہ تیرا مرغ جان تا نفس میں ہے ایسا
اے کہ تیری روح کا طائر نفس میں ہے ایسا
اس حین کے نغمہ پیادوں کی آزادی تو کچھ
شہرِ حوا بڑا ہوا تھا اس کی آبادی تو کچھ
فکر رہتی تھی مجھے جس کی محفل ہے یہی
صبر و استقلال کی کھیتی کا حاصل ہے یہی

سنگِ تربت ہے مرا گرویدہ تفتِ تیرے کچھ

چشمِ باطن سے فراس لوح کی تحسیر کچھ

مددِ عاتیرِ الرؤیاء میں ہے تسلیم ہیں
ترکِ دنیا قوم کو اپنی نہ سکھانا کہیں
وانہ کرنا فرستہ بندگی کے لیے اپنی زباں
چھپ کے ہے مٹھا ہوا سنگارِ محشر یہاں
وصل کے اسباب پیدا ہوں تری تحریر سے
دیکھ لو کوئی دل نہ دکھ جاتے تری تحریر سے

محفلِ نو میں پرانی داستانوں کو نہ چھیڑ

رنگِ پر جواب نہ آئیں ان فسانوں کو نہ چھیڑ

تو اگر کوئی مدد ہے تو سن میری صدا
ہے دلیری دستِ اربابِ سیاست کا عصا
عرضِ طلب کے جھجک جانا نہیں زیبا تجھے
نیک ہے نیت اگر تیری تو کیا پروا تجھے

بندہ مومن کا دل ہیج وریا سے پاک ہے

قوتِ فرماں روا کے سامنے بے باک ہے

ہوا کر ہاتھوں میں تیرے خاتمہ معجز قسم
شیشہ دل ہوا کرتیرا مثالِ جامِ جسم

پاک رکھ اپنی زبان تہیہ نہ رحمانی ہے تو
ہونہ جائے بھینتا تیری صدابے آبرو

سونے والوں کو جگانے شعر کے اعجاز سے

خرمنِ باطل جگانے شعلہ آواز سے

ماہِ نو

ٹوٹ کر خورشید کی گشتی ہوئی عرقابِ نیل
ایک ٹکڑا تیرا پھرتا ہے رُوئے آبِ نیل

طشتِ لڑوں میں ٹپکتا ہے شفق کا خونِ ناب
نشرِ قدرت کے لیا کھولی ہے فصیحِ آفتاب

چرخ نے بالی خیرالی ہے عروسِ شام کی

نیل کے پانی میں یا مچھلی ہے سلیم کی

قافلہ تیرا واں بے منتِ بانگِ درا
گوشِ انساں سن نہیں سکتا تری آوازِ پرا

گھٹنے بڑھنے کا سماں آنکھوں کو دکھلاتا ہے تو
ہے وطن تیرا کہ صحرس و سوس کو جاتا ہے تو

ساتھ اے سیارہ ثابت ناملے چل مجھے
خارجہ ست کی خلش رکھتی ہے اے گل مجھے

نور کا طالب چوں گھبرا تا ہوں اس سستی میں

طفلاب سیاب پاپوں کت سستی میں

انسان اور بزم قدرت

صبح خورشیدِ حشاں کو جو دیکھا میں نے
بزمِ معمورہ سستی سے یہ پوچھا میں نے
پر تو مہر کے دم سے ہے اجبالاتیرا
سیم سیال ہے پانی تے دریاؤں کا
مہر نے نور کا زیور تجھے پہنایا ہے
تیری محفل کو اسی شمع نے چمکایا ہے
گل و گلزار تے حسد کی تصویریں ہیں
یہ سبھی سورہ و اشعار کی تفسیریں ہیں
سرخ پوشاک ہے چھپولوں کی درختوں کی پری
تیری محفل میں کوئی سبز کوئی لال پری
ہے ترخمیہ گردوں کی طبعاتی جہار
بدلیاں لال سی آتی ہیں اُفق پر چوٹنہ
کیا بھلی لگتی ہے آنکھوں کو شفق کی لالی
رتبہ تیرا ہے بڑا نشان بڑی تیرے سیری
مے گلزارِ خم شام میں تو نے ڈالی
صبح ال گیت سراپا ہے تری سطوت کا
پردہ نور میں ستور ہے ہر شے تیری
زیر خورشید نشان تک بھی نہیں ظلمت کا

میں بھی آباد ہوں اس نور کی بستی میں مگر جل گیا پھر مری تعسیر کا اختر کنوئلر؟

نور سے نور ہوں ظلمت میں گرفتار ہوں میں

کیوں سیئہ روز سیئہ سخت سیئہ کار ہوں میں؟

میں یہ کہتا تھا کہ آواز کہیں سے آئی باہم لڑووں سے ویما صحن زمین سے آئی

ہے تے نور سے ابستہ مری بود و نبود باغباں ہے تری ہستی پے گلزار چو

انجمن حسن کی ہے تھی تری تصویر ہوں میں عشق کا تو ہے صحیفہ تری تفسیر ہوں میں

میرے بگڑے ہوئے کاموں کو بنایا تو نے بار جو مجھ سے نہ اٹھا وہ اٹھایا تو نے

نور خورشید کی محتاج ہے ہستی میری اور بے منت خورشید چمک ہے تیری

ہو نہ خورشید تو ویراں پر گلستان سیرا منزل عیش کی جا نام ہو زنداں سیرا

اے اے از عیاں کے نہ سمجھنے والے حلفتہ درام تمسقا میں الجھنے والے

ہائے غفلت کہ تری آنکھ ہے پابند مجاز نازیب تھا تجھے تو ہے ملر لرم نیاز

تو اگر اپنی حقیقت سے خبردار ہے

نہ سیئہ روز ہے پھر نہ سیئہ کار ہے



پیامِ صبح

(ماخوذ از لانگ فیو)

اُجالا جبے اور خست جبین شب کی افشاں کا
نسیم زندگی سپین ملامی صبحِ خنداں کا
جگایا بسیل رنگیں نوالو اشیانے میں
کنائے کھیت کے شانہ پلایا اس نے وہاں کا
طلسمِ ظلمتِ شبِ سُورہ و الثور سے توڑا
اندھیرے میں اڑایا تاجِ زرِ شمعِ شبستاں کا
پڑھا خوابِ بیدارِ فریرِ افسونِ بیداری
برہن کو دیا سینا م خورشیدِ خشاں کا
ہوتی بامِ صرم پر آگے یوں گویا موتوں سے
نہیں کھٹکا ترے دل میں نمود مہرِ تاباں کا
پنکاری اس طرح دیوارِ گلشنِ کھڑے ہو کر
چٹک انغنیہ گلِ ایشو موتوں سے گلستاں کا
دیا یہ حکم صحر میں چلو اے قافلے والو!
سوتے گورِ غریباں جب گئی زندگی کی سستی
تو یوں بولی نطفہ دارہ دیکھ کر شہرِ خموشاں کا

ابھی آرام سے لیٹے رہو میں مھر بھی آؤں گی
سُلاہوں گی جہاں خواب سے تم کو جگاؤں گی



عشق اور موت

(ماخوذ از مینی سن)

سہانی نمود جہاں کی گھڑی تھی تبسم فشاں زندگی کی کلی تھی
 کہیں مسر کو تاج زر بل رہا تھا عطا چاند کو چاندنی ہو رہی تھی
 بیسہ پیر جن شام کو دے رہے تھے ستاروں کو تعلیم تابندگی تھی
 کہیں شاخ ہستی کو لگتے تھے پتے کہیں زندگی کی کلی پھوٹی تھی
 فرشتے سکھاتے تھے شبنم کو رونا ہنسی گل کو پہلے پہل آرہی تھی
 عطا درد ہوتا تھا شاعر کے دل کو خودی تشنہ کام سے بے خودی تھی
 اٹھی اول اول گھٹا کالی کالی کوئی حور چوٹی کو کھولے گھڑی تھی

زمیں کو تھا دعویٰ کہ میں آسماں ہوں

سکماں کہہ رہا تھا کہ میں لامکاں ہوں

غرض اس قدر نیٹنارہ تھا پیارا کہ نیٹنارگی ہو سدا پانٹنارا
 ملک آزماتے تھے پرواز اپنی جبینوں سے نور ازل آشکارا

فرشتہ تھا اک عشق تھا نام جس کا
 فرشتہ کہ پتلا تھا بے تابوں کا
 لیے سیر فرودس کو جا رہا تھا
 یہ پوچھا ترا نام کیا، کام کیا ہے
 ہوا سن کے گویا قضا کا فرشتہ
 اڑاتی ہوں میں رخت ہستی کے پرزے
 مری آنکھ میں جاوے نستی ہے
 مگر ایک ہستی ہے دنیا میں ایسی
 شہزاد کے رہتی ہے انساں کے دل میں
 چمکتی ہے آنکھوں سے بن بن کے آنسو
 سنی عشق نے گفتگو جب قضا کی
 گرمی اس مستم کی بجلی ابل پر
 کہ تھی رہبری اس کی سب کا سہارا
 ملک کا ملک اور پارے کا پارا
 قضا سے بلا راہ میں وہ قضا را
 نہیں آنکھ کو دید تیری گوارا
 اجل ہوں، مرا کام ہے آشکارا
 بچھاتی ہوں میں زندگی کا شرارا
 پیام فنا ہے اسی کا اشارا
 وہ آتش ہے میں سامنے اس کے پارا
 وہ ہے نور مطلق کی آنکھوں کا تارا
 وہ آنسو کہ ہو جن کی تلخی گوارا
 ہنسی اس کے لب پر ہوئی آشکارا
 اندھیرے کا ہو نور میں کیا گزارا

بستا کو جو دیکھا فنا ہو گئی وہ

قضا تھی شکار قضا ہو گئی وہ

زُہد اور زندگی

اک مولوی صاحب کی سناتا ہوں کہانی
 شہرہ تھا بہت آپ کی صوفی منشی کا
 کہتے تھے کہ یہاں ہے تصوف میں شریعت
 لبریز مئے زہد سے تھی دل کی صراحی
 کرتے تھے بیاں آپ کلمات کا اپنی
 مدت سے ہاتے تھے ہمسائے میں سے
 حضرت نے مرے ایک شناسا سے یہ پوچھا
 پابندی احکام شریعت میں ہے کیسا؟
 سناتا ہوں کہ کافر نہیں ہندو کو سمجھتا
 ہے اس کی طبیعت میں تشیع بھی فرسا
 سمجھتا ہے کہ ہے رال عبادات میں خل
 کچھ عار اسے حسن فروشوں سے نہیں ہے

تیزی نہیں منظور طبیعت کی دکھانی
 کرتے تھے اوبان کا عالی و ادانی
 جس طرح کہ الفاظ میں مضمر ہوں معانی
 تھی تہ میں کہیں درو خیال ہرسانی
 منظور تھی تعداد مریدوں کی بڑھانی
 تھی رند سے زاہد کی ملاقات پرانی
 اقبال کہ ہے شمری شمشاد معانی
 گو شعر میں ہے رشک کلیم ہدانی
 ہے ایسا عقیدہ اثر فلسفہ دانی
 تفصیل علی ہم نے سنی اس کی زبانی
 مقصود ہے مذہب کی مگر خاک اڑانی
 عادت یہ ہمارے شعرا کی ہے پرانی

گانا جو ہے شب کو تو سحر کو ہے تلاوت
 لیکن یہ سنا اپنے مریدوں کے ہے میں نے
 مجموعہ اصدادوئے اقبال نہیں ہے
 رندی سے بھی آگاہ شریعت سے بھی واقف
 اس شخص کی ہم پر تو حقیقت نہیں کھلتی
 القصد بہت طول و یا وعظ کو اپنے
 اس شہر میں جو بات ہو اڑ جاتی ہے سب میں
 اک دن جو سرد راہ ملے حضرت زاہد
 فرمایا شکایت وہ محبت کے سبب تھی
 میں نے یہ کہا کوئی جگہ مجھ کو نہیں ہے
 خم ہے تسلیم مرا آپ کے آگے
 گرا آپ کو معلوم نہیں میری حقیقت
 میں خود بھی نہیں اپنی حقیقت کا شناسا
 مجھ کو بھی تمنا ہے کہ اقبال کو دیکھوں

اس رز کے اب تک نہ کھلے ہم یہ معانی
 بے داغ ہے مانند سحر اس کی جوانی
 دل و فکر حکمت ہے طبیعت خفقتانی
 پوچھو جو تصوف کی تو منصور کا ثانی
 ہو گا یہ کسی اور ہی اسلام کا بانی
 تا دیر رہی آپ کی یہ نغز بیانی
 میں نے بھی سنی اپنے اجا کی زبانی
 پھر چھپر گئی باتوں میں وہی بات پرانی
 تھا فرض مرارہ شریعت کی دلکھانی
 یہ آپ کا حق تھا زور و قرب مکانی
 پیری ہے تو اضع کے سبب میری جوانی
 پیدا نہیں کچھ اس سے قصور ہمہ دانی
 گہرا ہے مرے بھر خیالات کا پانی
 کی اس کی جدائی میں بہت اشک نشانی

۹۲
 بانگِ درا
 ۷۶

اقبال بھی قہبان سے گاہ نہیں ہے
 کچھ اس میں تسخر نہیں اللہ نہیں ہے

شاعر

قوم کو یا جسم سے افراد ہیں اعضائے قوم
 منزلِ صنعت کے پہ پائیں دستِ پائے قوم
 محفلِ نظمِ حکومت چہ قریباً قوم
 شاعرِ زندیں نواب ہے ویدہ بیسنائے قوم
 بدلتے درو کوئی عضو ہو توئی ہے انکھ

کس قدر ہمدرد سارے جسم کی ہوتی ہے انکھ

دل

قصہ دار و رسن بازی طہن لاندہ دل
 یارب اس سانغر لبریز کی مے کیا ہوگی
 ابر رحمت تھا کہ تھی عشق کی بے یار و بار
 حُسن کا گنج گراں مایہ تجھے مل جاتا
 التجبائے ارنی سُخی افسانہ دل
 جاوہر ملک بستا ہے خطِ پیمانہ دل
 جل گئی مزرعِ ہستی تو اگا دانہ دل
 تو نے سنسرا ہوا نہ لھو اکبھی ویرانہ دل
 کس کی منزل ہے الہی امر کا شاندہ دل
 عرش کا ہے کبھی کعبے کا ہے دھوکا اس پر

اس کو اپنا ہے جنوں اور مجھے سو اپنا
 دل کسی اور کا دیوانہ ، میں دیوانہ دل
 تو سمجھتا نہیں اے زاہدِ ناداں اس کو
 رشکِ صمدِ سجدہ ہے اک لغزشِ مستانہ دل
 خال کے ڈھیر کو اسیر بنا دیتی ہے
 وہ اثر رکھتی ہے خاکِ تر پر پانہ دل
 عشق کے دم میں مھنسیں کھیر رہا ہوتا ہے
 برق لگتی ہے تو یہ نخل ہر ہوتا ہے

موج دریا

مضطرب کھتا ہے میرا دل بے تاب مجھے
 عینِ ہستی ہے تڑپ صورتِ سیما مجھے
 موج ہے نام مرا، بھر ہے پایاب مجھے
 ہونہ زنجیر کبھی حلقہ لہرو اب مجھے

اب میں مثل ہوا جاتا ہے تو سن میرا

خارِ ماہی سے نہ اشکا کبھی دامن میرا

میں اچھلتی ہوں کبھی جذبِ مہِ کامل سے
 جوش میں سر کو شگفتی ہوں کبھی ساحل سے
 ہوں وہ رہبرِ کرمِ محبت ہے مجھے منزل سے
 کیوں تڑپتی ہوں یہ ٹوچھے کوئی میرے دل سے

زحمتِ تنگی دریا سے گریزاں ہوں میں

وسعتِ بحر کی فرقت میں پیشاں ہوں میں

رخصت اے بزمِ جہاں!

(ماخوذ از ایرسن)

رخصت اے بزمِ جہاں اُسوئے وطنِ جاہلوں میں
 آہ اس آبادی کے میں گھبراہٹوں میں
 بسکہ میں افسردہ دل ہوں درِ بحرِ نسل نہیں
 تو سرے قابل نہیں ہے میں ترے قابل نہیں
 قید ہے دربارِ سلطانِ شہستانِ نیر
 توڑ کر نکلے گا زنجیرِ طلائی کا اسیر
 گو بڑی لذت تیری ہنسکا مر آرائی میں ہے
 اجنبیت سی مگر تیری شناسائی میں ہے
 مدتوں تیرے خجے و آراؤں سے ہم صحبت ہا
 مدتوں بیٹھا ترے ہنسکا ترے عشرت میں
 مدتوں ڈھونڈا کیا نطسارہ گلِ خان میں
 مدتوں چھوٹا کیا نطسارہ گلِ خان میں
 چشمِ حیران ڈھونڈتی اب اور نطسارے کو ہے
 آہ وہ یوسف نہ ہا تمہ آیترے بازار میں
 ارزو سال کی مجھ طوفان کے مارے کو ہے

چھوڑ کر مانند بوتیرا چمن جاتا ہوں میں

رخصت اے بزمِ جہاں اُسوئے وطنِ جاہلوں میں

گھر بنایا ہے سکونتِ دہن کھسار میں
 آہ! یہ لذت کہاں ہو سیتی کھسار میں

بزمِ نغمہ نگارِ شہلا، رستقِ گل ہوں میں
بچے حمن میرا وطن، ہمسایہ بے بل ہوں میں
شام کو آوازِ چشموں کی سُلّاتی ہے مجھے
صبحِ فرشِ سبزے کو گل جگاتی ہے مجھے

بزمِ ہستی میں ہے سب کو محفلِ ابراہیمی

ہے دلِ شاعر کو بس کُنجِ تنہائی پسند

بچے جنوں مجھ کو کہ گھبرا تا ہوں آبادی میں
شوقِ کس کا سبزہ آروں میں بھرتا ہے مجھے
طعنہ زن ہے تو کہ شیدا کُنجِ عزت کا ہوں میں
ہم وطن ششاد کا قمری کا میں ہم از ہوں
کچھ جو سنتا ہوں تو آوروں کو سنا نے کئی لیے
عاشقِ عزت ہے دلِ نازاں ہوں اپنے گھر پہ
لیٹنا زرخیز لکھتا ہے جاؤ کا اٹھ
ڈھونڈتا پھرتا ہوں کس کوہ کی ڈوبی میں
اور چشموں کے کناروں پر سُلاتا ہے مجھے
دیکھ لے غافل! پیامی بزمِ قدرت کا ہوں میں
اس حمن کی خامشی میں گوشِ برآواز ہوں
دیکھتا ہوں کچھ تو آوروں کو دکھانے کے لیے
خند زن ہوں سندِ اراہ اسکنڈ پہ میں
شام کے تارے چبھتی ہو رہ کر نظر

علم کے حیرت کدے میں کہاں اس کی نمود

گل کی تپتی میں نظر آتا ہے از ہستی بو



بانگِ ورا

طفل شیرخوار

میں نے چاہا تو تجھ سے چھیننے سے چلا تے تو مہربان ہوں میں مجھے نامہربان سمجھائے تو

پھر بڑا روتے گا اے نوار و استغیم غم چھ نہ جائے دیکھنا ابار کیا ہے نوا کتلم

آہ! کیوں دکھینے والی شے سے تجھ کو سیایا ہے

کھیل اس کاغذ کے ٹکڑے سے یہ بے آزار ہے

گیند تیرے تیری کہاں چینی کی پتی ہے لہر؟ وہ ذرا سا جانور ٹوٹا ہوا ہے جس کا سر

تیرا آئینہ تھا آزادِ غم بار آرزو آنکھ کھلتے ہی چمک اٹھا شہر آرزو

ہاتھ کی جنبش میں سر وید میں پوشیدہ ہے تیری صہوت آرزو بھی تیری نوزائیدہ ہے

زندگانی ہے تری آزادِ قیدِ استیاء

تیری آنکھوں پر پوید ہے مگر قدرت کارا

جب کسی شے پر بگڑ کر مجھ سے چلا تے تو کیا ماسا ہے رومی کاغذ سے من جاتا ہے تو

آہ! اس عاوت میں ہم آہنگ ہوں میں بھی ترا تو تلون آشنا، میں بھی تلون آشنا

عارضی لذت کا شیدا تھی ہوں چلا تے ہوں میں جلد آجاتا ہے غصتہ جلد من جاتا ہوں میں

میری آنکھوں کو بھالیتا ہے حسنِ ظاہری
 کم نہیں کچھ تیری نادانی سے نادانی مری
 تیری صورت گاہ گریبان گاہ خندان میں بھی ہوں
 دیکھنے کو نوجوان ہوں طفلِ نادان میں بھی ہوں

تصویر درد

نہیں منت کش تاش نیدنِ داستانِ مری
 خموشیِ گفتگو ہے بے بانی ہے باں مری
 یہ دستورِ باں بندی ہے کیسا تیری محفل میں
 یہاں تو بات کرنے کو ترستی ہے باں مری
 اٹھائے کچھ رقی لائے زانچہ زلس کے کچھ گل نے
 چمن میں ہر طرف بکھری تھی سے داستانِ مری
 اڑالی قمریوں بھڑکیوں، عمدہ بسوں نے
 چمن والوں کے بل کر لوٹ لی طرزِ فغاں مری
 شپکے شمع آسویں کے پڑنے کی آنکھوں سے
 سر ما پڑوں حسرت بھری ہو داستانِ مری
 الہی پھر کیا ہے یہاں دنیا میں رہنے کا
 حیاتِ جاوداں مری نہ مرگ ناگہاں مری
 مراد ما نہیں رہتا ہے یہاں کھلتا ہے
 وہ گل ہوں غمناں ہر گل کی ہے بو خزاں مری

”دیں حسرت سر عمر سیت افسونِ جبرائیل“

”فیضِ دل پسیدہ خروشِ بے نفسِ دارم“

ریاضِ ہرینِ ناشناکے زرمِ عشرت ہو
 سری بڑی ہوئی تفتیہ کو روتی ہے گویائی
 پریشان ہوں میں مُشتِ خاکِ لکین کچھ نہیں کھلتا
 یہ سب کچھ ہے مگرستی مری مقصدِ قدرت کا
 خزانہ ہوں چھپایا مجھ کو مُشتِ خاکِ صحرانے
 نظر میری نہیں ممنون سیرِ عرصہ ہستی
 نہ صہبا ہوں ساقی ہوں نہ مستی ہوں نہ پیمانہ

خوشی روتی ہے جس کو ہمیں محرومِ مسرت ہو
 میں فیرِ لبِ شرمندہ کو جس سماعت ہو
 سکندر ہوں کہ آئینہ ہوں لکڑی لکڑت ہو
 سرِ پانور ہو جس کی حقیقت میں وہ ظلمت ہو
 کسی کو کیا ہے میں کیا ہوں کس کی دولت ہو
 میں وہ چھوٹی سی دنیا ہوں کہ اپنی ولایت ہو
 میں اس خانہ ہستی میں ہر شے کی حقیقت ہو

مجھے از دوعالمِ دل کا آئینہ دکھاتا ہے
 وہی کہتا ہوں جو کچھ سامنے آنکھوں کے آتا ہے

عطا ایسا بیاں مجھ کو ہوا رنگیں بیانیوں میں
 اثر یہ بھی ہے ال میرے جنونِ فتنہ سامان کا
 رُلاتے تھے الطارہ اے ہندوستان! مجھ کو
 دیارِ فنا مجھے ایسا کہ سب کچھ دے دیا گویا
 نشانِ گلِ تلک بھی چھو اس باغ میں گیا

کہ باہمِ عرش کے طائر ہیں کیے ہم بانوں میں
 مرا آئینہ دل ہے قضا کے رازدانوں میں
 کہ عبرتِ خیز ہے تیرا فسانہ سببانوں میں
 لکھا کلمبِ ازل نے مجھ کو تیرے لوحِ خوانوں میں
 ترمی قسمت سے زرمِ آریاں میں باغبانوں میں

چھپا کر آستیں نین بچھیں رکھی ہیں گروں نے
 سن اے غافل صد میری یہ سچی چیز جس کو
 وطن کی فکر کرنا وہاں مصیبت کے والی ہے
 ذرا دیکھ اس کو کچھ پورا ہے ہونے والی ہے
 یہ خاموشی کہاں تک؟ لذت فرماو سید کر
 نہ سمجھو گے تو بٹ جاؤ گے اے ہندستان والو!

عناول باغ کے غافل نہ بٹھیں آستیاں میں
 وظیفہ جان کر پڑھتے ہیں طائر بوستانوں میں
 تری بر باد یوں کے مشورے ہیں آسمانوں میں
 دھڑکیا ہے بھلا احمد کُن کی داستانوں میں
 زمین پچ تو ہو اور تیری صدا ہو آسمانوں میں
 تمھاری داستان تک بھی ہو گی داستانوں میں

یہی آئینِ قدرت ہے یہی اسلوبِ فطرت ہے

جو ہے اہل عمل میں کامِ زنِ محبوبِ فطرت ہے

ہو یاد آج اپنے جسم نہاں کر کے چھوڑوں گا
 جلدانا ہے مجھے ہر شمعِ دل کو سوز نہاں سے
 مگر غنچوں کی صورت ہوں دلِ درو آستیاں پیدا
 پڑنا ایک ہی تسبیح میں ان بکھرے دانوں کو
 مجھے اے ہم نشیں رہنے دشغل سینہ کا وہی میں
 دکھا دوں گا جہاں جو مری آنکھوں نے دکھایا ہے

لہو رو کے مٹھل کو گلستاں کر کے چھوڑوں گا
 تری تارکاتوں میں صرغیاں کر کے چھوڑوں گا
 چمن میں مٹھتِ خال اپنی ریشاں کر کے چھوڑوں گا
 جو شکل ہے تو اس شکل کو آساں کر کے چھوڑوں گا
 کہ میں داغِ محبت کو نمایاں کر کے چھوڑوں گا
 تجھے بھی صورتِ آئینہ حیراں کر کے چھوڑوں گا

جو ہے پروں میں سہماں چشم بنیادیکھ لیتی ہے
زمانے کی طبیعت کا تقاضا دیکھ لیتی ہے

کیا رفت کی لذت کے ذل کو آشتا تو نے
گزاری عمر پستی میں مثال نقش پاتو نے
رہا دل بستہ محفل مگر اپنی نگاہوں کو
کیا بیرون محفل سے نہ حیرت آشتا تو نے
فدا کرتا رہا دل کو حسینوں کی داؤن پر
مگر دیکھی نہ اس آئینے میں اپنی داؤ تو نے
تعبیب چھوڑنا داؤاں اوہر کے آئینہ خانے میں
یہ تصویریں ہیں تیری جن کو سمجھ ہے برا تو نے
سرا پا نالہ بسید او سوز زندگی ہو جا
سپند آسا لہرہ میں ماند کھی ہے صدا تو نے
صفائے دل کو کیا آراش رنگ تعلق سے
کف آئینہ پر ماندھی ہے او ناواں جنا تو نے
زمیں کیا آسماں بھی تیری کج بینی پر وہاں
غضب سے سطر قرآن کو چلی پارویا تو نے
زباں سے لڑ کیا توحید کا دعویٰ تو کیا حاصل
بنای ہے بت پندار کو اپنا حنا تو نے
کنوئیں میں تو نے یوسف کو دیکھا بھی تو کیا دیکھا
ارے غافل! جو مطلق تھا مقصد کرویا تو نے

ہوس مالکے منبر ہے تجھے ننگین بیانی کی
نصیحت بھی تیری رشتہ ہاں افسانہ خواں کی

دکھا وہ حسن عالم سوز اپنی چشم پر نرم کو
جو ٹر پاتا ہے پرانے کوڑاواتا ہے شبنم کو

بنایا ہے کسی نے کچھ سمجھ کر چشم آدم کو
 نظر آئی نہ کچھ اپنی حقیقت جام سے جم کو
 یہ وہ پھل ہے کہ جنت سے نکلواتا ہے آدم کو
 یہ رفعت کی تہا ہے کھلے اڑتی ہے شبنم کو
 یہ زخمی آپ کر لیتے ہیں پیدا اپنے مرہم کو

نرا نظارہ ہی اے بوالہوس مقصد نہیں کا
 اگر دیکھا بھی اس کے عالم کو تو کیا بھیا
 شجر ہے فرقہ آرائی، تعصب ہے ثمر اس کا
 نہ اٹھا جذبہ خورشید کے الکل تک بھی
 پھر کرتے نہیں مجروح الفت فکر دریاں میں

محبت کے شر سے دل سراپا نور ہوتا ہے

ذرا سے بیج سے پیدا ریاض طور ہوتا ہے

صلاحِ زحمت ہے آزادِ احسانِ نور ہونا
 شکستِ رنگ سے سکھائے میں بن کے نور ہونا
 عباتِ چشمِ شاعر کی ہے پر دم با وضو ہونا
 چمن میں آہ! لیا رہنا جو بے آبرو ہونا
 غلامی ہے اسیرِ استیازِ ماو تو رہنا
 تجھے بھی چلے میسٹل جہاں آج رہنا
 اگر منظور ہے دنیا میں اور یہ گناہ خور ہونا

دوا پر دیکھ لی ہے مجھ روح تیغِ آرزو رہنا
 شرابِ خودی سے تانڈک پوز ہے میری
 تمھے کیا دیدہ گریاں وطن کی نوحہ خوانی میں
 بنائیں کیا سمجھ کر شاخِ گل پر اشیاں اپنا
 جو تو سمجھے تو آزادی ہے پوشیدہ محبت میں
 یہ استغنائے پانی میں نگوں کھتا ہے غر کو
 نہ رہ اپنوں سے بے پروا، اسی میں خیر ہے تیری

شرابِ پُوح پڑے محبتِ نوعِ انساں کی سکھایا اس نے مجھ کو مستِ جام و سبور سنا

محبتِ ہی پائی ہے شفا بیمار قوموں نے

کیا ہے اپنے بختِ خفتہ کو بیدار قوموں نے

بیابانِ محبتِ دشتِ غربت بھی وطن بھی ہے یہ ویرانہ قفس بھی اشیانہ بھی چمن بھی ہے

محبتِ ہی وہ منزل ہے کہ منزل بھی ہے صحرا بھی جس بھی کارواں بھی راہِ بر بھی راہِ نرن بھی ہے

مرض کہتے ہیں سب اس کو یہ ہے لیکن مرضِ ایسا چھپا جس میں علاجِ گردشِ صرخ کُن بھی ہے

جلانا دل کل ہے گویا سہرا پانور ہو جانا یہ پروانہ جو سوزاں ہو تو شمعِ انجمن بھی ہے

وہی اک حُسن ہے لیکن نظر آتا ہے ہر شے میں یہ شیریں بھی ہے گویا بیستوں بھی، گوہن بھی ہے

اجازت ہے تمیزِ ملت و آئیں نے قوموں کو سے اہلِ وطن کے دل میں کچھ فکرِ وطن بھی ہے؟

سکوتِ آموزِ طولِ استانِ درو ہے ورنہ زباں بھی ہے سہارے منہ میں اور تابِ سخن بھی ہے

”نیکر وید کو تہِ رشتہ تر معنی رہا کروم

حکایتِ بو دے پایاں، سخاموشی او کروم“



۱۰۳
بانگِ ردا
۸۷

نالہ فریق

(آرنلڈ کی یاد میں)

جاسا مغرب میں آفرائے محنت یہ امدیں آہ! بشرق کی پسند آتی نہ اس کو سہ نہیں
آگیا آج اس صداقت کا مے دل کو یقین طہمت شب کے ضیائے روزِ فرقت کم نہیں

”مازا عوش و عیش و اغ حیرت چید است

پہچو شمع کُشتہ پر چشم نگن جو بیہ است“

گُشتہ غزلت ہوں آبادی میں گھبراتا ہوں میں شہر سے سو والی شدت میں نکل جاتا ہوں میں
یادِ ایامِ سلف سے دل کو تڑپاتا ہوں میں بہر تسکین تیری جانب ڈرتا آتا ہوں میں

آگہ گو مانوس ہے تیرے در و دیوار سے

جنبت ہے مگر پیدامری افتار سے

ذرہ میرے دل کا خوشید آتشا ہونے کو تھا آنتہ ٹوٹا ہوا عالم نما ہونے کو تھا
نخل میری آرزوؤں کا ہر اہونے کو تھا آہ! کیا جانے کوئی میں کیا سے کیا ہونے کو تھا

اگر رحمت و امن از گلزارِ سن برچید و رفت

اندکے غنچہ پائے آرزو بارید و رفت

تو کہاں ہے اے کلیمِ ذرۂ بریںائے علم
تھی تری موجِ نفس باو نشاطِ افزائے علم

اب کہاں وہ شوقِ رہِ پیمائیِ صحرائے علم
تیرے دم سے تھا سارے سر میں بھی سووائے علم

”شورِ سیلی کو کہ باز آرایشِ سو دانند

خالِ محسنوں اغبارِ خاطرِ صحرانند“

کھول دے گا دشتِ حشتِ عقدہ تقدیر کو
توڑ کر پہنچوں گا میں پنجاب کی زنجیر کو

دیکھتا ہے دیدہ حیران تری تصویر کو
کیا تہی ہو ملکر دیدہ نصیر کو

”تابِ گویائی نہیں کھتا دہنِ تصویر کا

خامشی کہتے ہیں جس کو ہے سخنِ تصویر کا“

چاند

میرے ویرانے سے کوسوں دور ہے تیرا وطن
ہے مگر دریائے دل تیری شش سے مجھن

قصہ کس محفل کا ہے؟ آتا ہے کس محفل سے؟
زور و روشاید ہوا رنجِ رہِ منزل سے

افتریش میں سراپا نور تو طلعتِ جوں میں
اس سچ روزی پسین تیرا ہم قسمت میں

آہ! ہمیں جلتا ہوں سوزِ اشتیاقِ دیدے
تو سراپا سوزِ داغِ منتِ خورشید سے

ایک حلقے پر اگر تمام تری رفتا ہے
 زندگی کی وہ میں گزراں کے تو حیران ہوں میں
 میں منزل میں توجن تو بھی وہ منزل میں ہے
 تو طلب جو ہے تو میرا بھی یہی دستور ہے
 انجمن ہے ایک میری بھی جہاں رہتا ہوں میں
 مہر کا پرتو ترے حق میں ہے پیغامِ اجل
 پھر بھی اے ماہِ بسین میں رہوں تو اور ہے
 سیکڑوں منزل ہے ذوقِ آگہی کے تو تو
 جو مری سستی کا مقصد ہے مجھے معلوم ہے
 یہ چمک ہے جس میں سگری محروم ہے

بلالؓ

چمک اٹھا جو ستارے ترے مقدر کا
 پہنوی اسی سے ترے غم کے کی آبادی
 جس سے تجھ کو اٹھا کر حجاز میں لایا
 تری غلامی کے صدقے ہزار آزادی

وہ آستان چھٹا تجھے ایک دم کے لیے کسی کے شوق میں تو نے مزے ستم کے لیے

جنا جو عشق میں جاتی ہے وہ جنت ہی نہیں

ستم نہ ہو تو محبت میں کچھ مزا ہی نہیں

نظر تھی صورتِ سلمانِ ادا شناس تری شرابِ دید سے بڑھتی تھی اور پیاس تری

تجھے نطاکے کا مثلِ کلیم سودا بھتا اویس طاقتِ دیدار کو ترستا تھا

مدینہ تیری نگاہوں کا نور تھا گویا ترے لیے تو یہ صحرا ہی طور تھا گویا

تری نظر کو رہی دید میں بھی حسرتِ دید ٹھنک دے کہ پسند دے نیا سائید

گرمی وہ برق تری جانِ ناشکیبار کہ خندہ زن تری ظلمت تھی دستِ موسیٰ پر

تپش ز شعلہ گرفتند بر دل تو روند

چہ برقِ جہلہ بخاشاکِ حاصل تو روند

اوائے دید سپا نیا تھی تیری کسی کو دیکھتے رہنا نماز تھی تیری

اواں ازل سے تر عشق کا ترانہ بنی نماز اس کے نطاکے کا اک بہانہ بنی

خوشا وہ وقت کہ شربِ معام تھا اس کا

خوشا وہ دور کہ دیدِ اعمام تھا اس کا

سرگزشت دوم

نئے کوئی مری غربت کی استاں مجھ سے
 لگی نہ میری طبیعت ریاضِ حجت میں
 رہی حقیقتِ عالم کی جستجو مجھ کو
 ملا مزاج تغیر پسند کچھ ایسا
 نکالا کعبے سے پتھر کی مورتوں کو کبھی
 کبھی میں ذوقِ تکلم میں طور پر سنبھلا
 کبھی صلیب پہ اپنوں نے مجھ کو لٹکایا
 کبھی میں غارِ حیرت میں چھپا رہا برسوں
 سنایا ہند میں اگر سرد و ربانی
 دیارِ ہند نے جس دم مری صدا نہ سنی
 بنایا ڈروں کی ترکیب سے کبھی عالم
 لہو سے لال کیا سیکڑوں زمینوں کو
 بھلایا قصۂ پیمبرانِ اولیں میں نے
 پیاسو رکا جب جامِ آشیں میں نے
 دکھایا اوجِ خیالِ فلکِ آشیں میں نے
 کیا ترار نہ زیرِ فلکِ کبھی میں نے
 کبھی بتوں کو بنایا حرمِ آشیں میں نے
 چھپایا نورِ ازلِ زیرِ آستیں میں نے
 کیا فلک کو سفرِ چھوڑ کر زمیں میں نے
 دیا جہاں کو کبھی جامِ آخریں میں نے
 پسند کی کبھی یونان کی سرزمیں میں نے
 بسایا خطۂ جاپانِ ملکِ چسپیں میں نے
 خلافِ معنی تسلیم اہلِ دین میں نے
 جہاں میں چھپنے کے پیکارِ عقل و دین میں نے

۱۰۸

بانگے دریا

۹۲

سمجھ میں آئی حقیقت نہ جب ستاروں کی
 ڈرا سکیں نہ کلیسا کی مجھ کو تلواریں
 کشش کا راز ہویدا لیا زمانے پر
 کیا اسیر شعاعوں کو برق مضطرب کو
 انھی خیال میں رہیں گزار دیں میں نے
 سکھایا سدا گدگدوش زمین میں نے
 لگا کے آتش عقل و دہریں میں نے
 بنا دی غیبت جنت یہ سرزمین میں نے
 کیا خبر نہ ملی آہ! راز ہستی کی
 کیا خبر ہے جہاں کو تہ نگین میں نے

پہوئی جو چشم مظاہر پرست و آخر
 تو پایا خانہ دل میں اُسے مکین میں نے

ترانہ ہندی

سارے جہاں سے اچھا ہندوستان ہمارا
 غربت میں ہیں اگر ہم رہتا ہے دل وطن میں
 پر تہ وہ سب سے اونچا ہمسایہ آسمان کا
 گو وہی میں کھلتی ہیں اس کی ہزاروں ندیاں
 ہم بلبلیں ہیں اس کی یہ ہستیاں ہمارا
 سمجھو وہ ہیں ہمیں بھی دل ہو جہاں ہمارا
 وہ سنتری ہمارا، وہ پاسباں ہمارا
 گلشن ہر جن کے دم سے رشک جہاں ہمارا
 اتر اترے کناکے جب کارواں ہمارا
 اے اپو لنگا، اوہ دون ہیں یاد تجھ کو؟

مذہب نہیں رکھتا آپس میں بے رکھنا
 یونان مصر و ماسب مٹ گئے جہاں کے
 کچھ بات ہے کہ ہستی مٹی نہیں ہماری
 ہندی ہیں ہم وطن ہے ہندوستان ہمارا
 اب تک طرے باقی نام و نشان ہمارا
 صدیوں ہا ہے دشمن دور زمان ہمارا

اقبال! کوئی محرم اپنا نہیں جہاں میں
 معلوم کیا کسی کو دروہوں ہمارا

جگنو

جگنو کی روشنی ہے کاشانی چمن میں
 آیا ہے آسماں سے اڑ کر کوئی ستارہ
 یا شب کی سلطنت میں دن کا سفیر آیا
 تلمہ کوئی کہ ہے ہستاب کی قبا کا
 حُسنِ قدیم کی یہ پوشیدہ اک جھلک تھی
 چھوٹے سے چاند میں ہے ظلمت بھی روشنی بھی
 یا شمع جل رہی ہے پھولوں کی انجمن میں
 یا جان بڑ گئی ہے ہستاب کی کرن میں
 غربت میں آ کے چمکا گناہ تھا وطن میں
 ذرہ ہے یا نمایاں سورج کے پیر میں
 لے آئی جس کو قدرت خلوت سے انجمن میں
 نکلا کبھی کہن سے آیا کبھی کہن میں

پروانہ اک پتنگا، جگنو بھی اک پتنگا

وہ روشنی کا طالب، یہ روشنی سراپا

۱۱۰
 بانگ درا
 ۹۲

ہر چیز کو جہاں میں قدرت نے دلبری ہی
 پروانے کو تپش دی، جگنو کو روشنی ہی
 رنگین نوا بنایا، مرغان کے زبان کو
 گل کو زبان دے کر تسلیم خامشی دی
 نظارہ ~~سخت~~ کی خوبی زوال میں تھی
 چمکا کے اس پر ہی کو تھوڑی سی زندگی ہی
 رنگیں کیا، سحر کو بانگی دلہن کی صورت
 پہنا کے لال جوڑا شبنم کی آرسی دی
 سایہ دیا، شجر کو، پرواز دی ہو، کو
 پانی کو دی، روانی، موجوں کو بے کلی دی

یہ امتیاز لیکن اک بات ہے ہماری

جگنو کا دن ہی ہے جو رات ہے ہماری

حُسنِ ازل کی پیدا ہر چیز میں جھلک ہے
 انسان میں وہ سخن ہے، غنیمت میں وہ چمک ہے
 یہ چاند آسمان کا شاعر کا دل ہے، لویا
 واں چاندنی ہے جو کچھ پائیاں درد کی لکڑی ہے
 انداز گفتگو نے دھوکے دیے ہیں، رنہ
 نغمہ ہے نئے نئے بل، بو بھول کی چمک ہے
 کثرت میں ہو گیا ہے وحدت کا راز مخفی
 جگنو میں جو چمک ہے، وہ پھول میں مہک ہے

یہ اختلاف پھر کیوں سنگاموں کا محل ہو گیا

پر شے میں جبکہ پنہاں شے موشی ازل ہو



صبح کا ستارہ

لطفِ ہمایلی شمس و قمر کو چھوڑوں
 اور اس خدمتِ پیغامِ سحر کو چھوڑوں
 میرے حق میں تو نہیں تاروں کی بستی اچھی
 اس بندگیِ زمین و آلوں کی بستی اچھی
 آسماں کیا، عدمِ آباد و وطن ہے میرا
 صبح کا دامنِ صہد چاکِ کفن ہے میرا
 میری قسمت میں ہے ہر روز کا مرنا جینا
 ساقی موت کے ہاتھوں سے صبحی پینا
 نہ یہ خدمت نہ یہ عزت نہ یہ رفعت اچھی
 اس گٹھری بھر کے چلنے سے تو ظلمت اچھی

میری قدرت میں جو ہوتا تو نہ است برنما

قدرِ دریا میں حملتِ اپنا کو چہر نبت

واں بھی موجوں کی کشائش سے جوں لھبرتا
 چھو کر جب کہیں زیبِ گل ہو جاتا
 ہے چمکنے میں مزا حسن کا زیور بن کر
 زینتِ تاجِ سرِ بانو سے قصیر بن کر
 ایک پتھر کے جو ٹکڑے کا نصیباً جا
 خاتمِ دستِ سیماں کا نگین بن کر
 ایسی چیزوں کا ملر و ہر میں کامِ شکست
 ہے لہر ہائے گراں مایہ کا انجامِ شکست
 زندگی وہ ہے کہ جو ہونہ شناسائے اجل
 کیا وہ جینا ہے کہ جو جس میں تقاضائے اجل

ہے یہ نخبِ سام الرزینتِ عالم ہو کر

کیوں نہ لڑ جاؤں کسی بھولے شہنم ہو کر!

کسی پیشانی کے افشاں ستاروں میں رہوں
کسی مظلوم کی آہوں کے شراروں میں رہوں

اشک بن کر مژگاہں شک جلاؤں میں
کیوں نہ اُس جوی کی آنکھوں کے ٹپک جلاؤں میں

جس کا شوہر ہو، رواں ہو کے زہرہ میں ستور
سُوئے میدانِ عنایتِ وطن سے مجبور

یاس اُمید کا نطفہ جو دکھلاتی ہو
جس کی خاموشی سے تصریر بھی شر ماتی ہو

جس کو شوہر کی ضربِ تابِ شکیبائی سے
اور نگاہوں کو حیا طاقبت کو یابی سے

زر زنجھت کی گھڑی عارضِ ظلموں سے
کششِ حسنِ عنبر سے افرزوں سے

لاکھ وہ ضبط کرے پر میں ٹپک ہی جاؤں
سُغریں تیرے پر دم سے چھلک ہی جاؤں

خاک میں مل کے حیاتِ ابدی پا جاؤں

عشق کا سوز مانے کو دکھاتا جاؤں

ہندوستانی بچوں کا قومی گیت

چستی نے جس زمیں میں پیغامِ حق سنایا
نانک نے جس زمین میں وحدتِ گائیے گایا

تاتاریوں نے جس کو اپنا وطن بنایا جس نے حجازیوں سے شتِ عرب چھڑایا

میرا وطن وہی ہے میرا وطن وہی ہے

یونانیوں کو جس نے حیران کر دیا تھا سائے جہاں کو جس نے علم و ہنر دیا تھا

مٹی کو جس کی حق نے زر کا اثر دیا تھا ترکوں کا جس نے ان سرور سے بھر دیا تھا

میرا وطن وہی ہے میرا وطن وہی ہے

ٹوٹے تھے جو ستارے فارس کے آسمان سے پھر تابوے کے جس نے چمکائے کمکشاں سے

وہ کی لے سنی تھی دنیا نے جس مکان سے میرے رب کی آئی ٹھنڈی ہوا جہاں سے

میرا وطن وہی ہے میرا وطن وہی ہے

بندے کلیم جس کے پر بت جہاں کھینا نوح نبی کا اگر ٹھہرا جہاں سفینا

رفت ہے جس زمیں کی نامِ فلک کا زینا جنت کی زندگی ہے جس کی فضا میں جینا

میرا وطن وہی ہے میرا وطن وہی ہے

سیا سوالا

سچ کہوں اے برہمن اگر تو برانہ مانے تیرے صنم کہوں کہ بت ہو گئے پرانے

اپنوں سے بے پیر رکھنا تو نے بتوں سے کیا
جنگِ جدل سکھایا واعظ کو بھی خدانے
تنگ کے میں نے آخر دیر جو رسم کو چھوڑا
واعظ کا واعظ چھوڑا چھوٹے ترے فسانے

پتھر کی نورتوں میں سمجھاتے تو خدا ہے

خاکِ وطن کا مجھ کو ہر ذرہ دیوتا ہے

ابغیریت کے پڑے اک بار پھر اٹھاویں
بچھڑوں کو پھر ملاویں، نقشِ شوقی مٹاویں

سوئی پڑی ہوئی ہے مدت کے دل کی سستی
آ، اک نیا سوال اس دیس میں بناویں

دنیا کے تیرتھوں سے اونچا ہو اپنا تیرتھ
دامانِ آسماں سے اس کا قفس ملاویں

ہر صبح اٹھ کے گاتیں منتر وہ میٹھے میٹھے
سائے پجاریوں کو مے پیت کی ملاویں

شکستی بھی شانتی بھی جھکتوں کے گیت ہیں

دھرتی کے باسیوں کی نکستی پریت ہیں

دماغ

عظمتِ غالب ہے اک مدت سے پیوند زمیں
مہدی مجروح ہے شہرِ خموشاں کا مکین

توڑ ڈالی موت نے غربت میں سینا ہے آہ
چشمِ محفل میں ہے اب تک کیفِ صبا ہے آہ

آج لیکن تمہو! سارا چمن ماتم میں ہے شمع روشن کچھ لہنی بزم سخن ماتم میں ہے
 نبل دل نے باندھا اس چمن میں کاشیا ہم نوا ہیں عین دل مانع ہستی کے جہاں

چل بسا دماغ آہ بہت اس کی زیب و شوئے

آخری شاعر جہاں آباؤ کا خاموش ہے

اب کہاں وہ بانگین وہ شوخی طرزِ بیاں آگ تھی کانورسپیری میں جوانی کی نساں
 تھی زبانِ آغ پر جو آرزو ہر دل میں ہے لیلی معنی ہاں بے پردہ یاں محسوس میں ہے
 اب سب کے سخن نوحھے کا سکوت گل کارا کون سمجھے گا چمن میں نالہ نبل کارا

تھی حقیقت سے زخمت فکر کی پرواز میں

اسکھٹا کر کی نشین پر رہی پرواز میں

اور دکھلا میں گے مضمون کی بہن باریکیاں اپنے فکرِ نکست آرا کی فلکِ سپائیاں
 تلخیِ دوراں کے نقشے کھینچ کر زلوا میں گے یا تختیل کی تہی دنیا میں دکھلا میں گے
 اس چمن میں جس کے پیدا نبل شیراز بھی سیکڑوں ساحر بھی جس کے صاحبِ اعجاز بھی
 اٹھیں گے آزر ہزاروں شعر کے بت خانے سے مے پلا میں گے نئے ساقی نئے سمانے سے
 بکھی جائیں گی کتابِ دل کی تفسیریں بہت ہوں گی اے اب جانی اتیری تعبیریں بہت

۱۱۶
 بانگِ دورا
 ۱۰۰

ہو ہو کھینچے گا بس کن عشق کی تصویر کو

اٹھ گیا ناول سنگن مارے گا دل پر تیر کوں؟

اشک کے دانے زمینِ شعر میں بوتا ہوں میں تو بھی رولے خاکِ آبی داغ کو روتا ہوں میں

اے جہانِ آباد اے سرمایہ بزمِ سخن! ہو گیا پھر آج پامالِ خسراں تیرا چمن

وہ گلِ نجس ترا نصرتِ مثالِ بُو ہوا او ہنسالی داغ سے کاش نہ اُڑو ہوا

تمہی نہ شاید کچھ ششِ ایسی وطن کی خال میں وہ سہِ کمال ہوا ہنسالی دن کی خال میں

اٹھ گئے ساتی جو تھے مے خانہ خالی رہ گیا

یادگارِ بزمِ دہلی ایک حسالی رہ گیا

ارزو کو خون رُو لواتی ہے بیدِ اول مارتا ہے تیر تار کی میں صہیتِ اول

کھل نہیں سکتی شکایت کے لیے لیکن زبان ہے خسراں کا رنگ بھی جبرِ قیامِ گلستان

ایک ہی قانونِ عالم کے ہیں سب اثر

بوتے گل کا باغ سے گلچیں کا دنیا سے سفر

ابر

اٹھی پھر آج وہ پورے کالی کالی گھٹا سیاہ پوش ہو پھر پٹا سر بن کا

نہاں ہو جو رخ مہر زبرد امنِ ابر
 ہوا تے سرد بھی آئی سوار تو سنِ ابر
 گرج کا شور نہیں ہے خموش سے یہ گھٹا
 عجیب سے کدے بے خروش ہے یہ گھٹا
 چمن میں حکم شاطِ دمام لاتی ہے
 قبائے گل میں گھر ماننے لواتی ہے
 جو پھول مہر کی لہری سے سوچے تھے اٹھے
 زمیں کی کود میں جو پڑے سو ہے تھے اٹھے
 ہوا کے زور سے ابھرا، بڑھا، اڑا بادل
 اٹھی وہ اور گھٹا لہو اب بس اڑا بادل

عجیب سے ہے لہسار کے نہالوں کا
 یہیں قیام ہو واہی میں پھرنے والوں کا

ایک پرندہ اور جنگلو

سرِ شام ایک مرغِ نغمہ پیرا
 کسی ٹہنی پہ بیٹھا گارہا تھا
 چمکتی چیزاں دیکھی زمیں پر
 اڑا طائر اُسے جنگلو سمجھ کر
 کہا جنگلو نے او مرغِ نواریزا
 نہ کہ بیکس یہ منقار ہو س تیز
 تجھے جس نے چمک گل کو مہک دی
 اسی اللہ نے مجھ کو چمک دی
 باسن نو میں ستور ہوں میں
 پتنگوں کے جہاں کا طور ہوں میں

۱۱۸
 بانگِ درا
 ۱۰۲

چمک تیری بہشتِ گوشِ اُتر ہے چمک میری بھی فرورسِ نظر ہے
 پڑوں کو میرے قدرتِ زیادہی تجھے اُس نے صدائے دلِ باہمی
 ترمی منفِ کار کو گانا سکھایا مجھے گلزار کی شعل بنایا
 چمک بخشی مجھے آوازِ تجھ کو دیا ہے سوزِ مجھ کو، سازِ تجھ کو
 مخالف ساز کا ہوتا نہیں سوز جہاں میں ساز کا ہے ہم شمسِ سوز
 قیامِ بزمِ مستی ہے انھی سے ظہورِ اوجِ دوستی ہے انھی سے

ہم آہِ تنگی سے ہے محفلِ جہاں کی
 اسی سے ہے بہارِ اس بوستاں کی

بچہ اور شمع

کیسی حیرانی ہے یہ اے طفلِ پروانہ خواہ شمع کے شعلوں کو گھڑیوں دکھتا رہتا ہے تو
 یہ مری آغوش میں بیٹھے ہوئے بخشش ہے کیا روشنی سے کیا بغلِ کسیری ہے تیرا مدعا؟

اس نظارے سے ترا تھا سادلِ حیران ہے

یہ کسی دکھی ہوئی شے کی مگر چہ پان ہے

شمع اک شعلہ ہے لیکن تُو سر ایا نو ہے
 آہ! اس محفل میں یہ عُمریاں ہے تُو مستور ہے
 دستِ قدرت نے اسے کیا جانے کیوں عُمریاں کیا
 شجھہ کو خال تیرے کے فانوس میں پہناں کیا
 نور تیرا چھپ گیا زینقا بگلی
 ہے غبارِ دیدہ بنیا حجابِ گلی

زندگانی جس کو کہتے ہیں فراموشی ہے یہ

خوابِ غفلت ہے ہر سرتی سبے ہوشی ہے یہ

محفلِ قدرت کے اک دریاے بے پیمانِ حُسن
 آنکھ الٹی تھی تو ہر قطرے میں طوفانِ حُسن
 حُسن کو ہستاں کی کہیت ناک خاموشی میں ہے
 مہر کی ضو لستری شب کی بسیہ پوشی میں ہے
 آسمانِ صبح کی آئینہ پوشی میں ہے یہ
 شام کی ظلمت شفق کی گل فروشی میں ہے یہ
 عظمتِ دربر کے ٹٹے ہوئے آثار میں
 طفلانِ ناشناکی کوششِ گفتار میں
 ساکنانِ صحنِ گلشن کی ہم آوازی میں ہے
 ننھے ننھے طائروں کی آشیاں سازی میں ہے
 چشمہ لوسار میں دریا کی آزادی میں حُسن
 شہر میں صحرا میں، ویرانے میں آبادی میں حُسن
 رُوح کو لیکن کسی گم گشتہ شے کی ہے ہوا
 ورنہ اس صحرا میں کونوں نالاں سے مثلِ جبرس!

حُسن کے عام جلوے میں بھی سبے تاسیے

زندگی اس کی مثال ماری ہے تاسیے

۱۲۰
 بانگِ درا
 ۱۰۲

کنارِ راوی

سکوتِ شام میں مجوسر سے راوی
 نہ پوچھ مجھ سے جو ہے کیفیتِ مرے دل کی
 پیامِ جد کے کاریہ زیرِ وہم ہوا مجھ کو
 جہاں تمام سوا جو دم ہوا مجھ کو
 سرِ کنارہ آبِ رواں کھڑا ہوں میں
 خبر نہیں مجھے لیکن کہاں کھڑا ہوں میں
 شرابِ سُرخ سے رنگیں ہوائے امینِ شام
 لیے سے پیرِ فلک دستِ رعشہ دار میں جام
 عدمِ کوفتِ افلہ روزِ تیسرے کام پہلا
 شفق نہیں ہے یہ سورج کے مچھول میں لویا
 کھڑے ہیں دورِ وعظمتِ فزائے تنہائی
 منارِ خوابِ گہ شہسوارِ چغتائی
 فسانہ ستمِ انقلاب ہے یہ محل
 مقام لیا ہے سرِ و خموش ہے لویا
 رواں ہے سینہ دریا پہاں سفید تیز
 سبکدوشی میں ہے مشنِ نگاہِ پستی
 جہازِ زندگی ادھی رواں ہے یونہی
 ابد کے بھر میں پیدا یونہی نہاں ہے یونہی

شکستے کی بھی آشنا نہیں ہوتا

نظر سے چھپتا ہے لیکن فنا نہیں ہوتا

الْحَاجَّةُ الْمُسَافِرِ

(بہ درگاہِ حضرت محبوبِ الہیؑ، وہی)

فرشتے پڑھتے ہیں جس کو وہ نام ہے تیرا
بڑی جناب تیری فیضِ عام ہے تیرا
تک عشق کے تیری شش سے ہیں قائم
نظامِ سکر کی صورتِ نظام ہے تیرا
ترمی لحد کی یار سے زندگی دل کی
سیح و خضر سے اونچا مقام ہے تیرا
نہاں ہے تیری محبت میں نگہِ محبوبی
بڑی ہے شانِ بڑا استرام ہے تیرا

اگر سیاہِ دلم، داغِ لالہ زارِ توام
وگر گشتِ وہ چہ نیم، گلِ سارِ توام

چمن کو چھوٹے نکلا ہوں شلِ نہتِ گل
ہوا ہے صبر کا منظور استحاں مجھ کو
چلی ہے لے کے وطن کے نگار خانے سے
شرابِ علم کی لذت کشاں کشاں مجھ کو
نظر ہے ابر کرم پر درختِ صحرائوں
کیا خدانے نہ محبتِ جِ باغبان مجھ کو
فلاں شہین صفتِ مہر مہوں زمانے میں
ترمی عساکے سے عطا ہو وہ نروباں مجھ کو
مقام ہم سفروں سے ہو اس قدر آگے
کہ سمجھے منزلِ مقصود کا واں مجھ کو

۱۲۲
بانگِ درا
۱۰۶

سرئی بانِ تسلیم سے کسی کا دل شوق کھے
 دلوں کو چال کر کے مثل شانہ جس کا اثر
 بنایا تھا جسے چن چن کے خارِ جس میں نے
 پھیرا رکھوں تدم اور پو پو چہ بیس
 وہ شمع بارگہ حنا ندانِ مرتضوی
 نفس سے جس کے گھسی میری ازو کی گلی
 دعایہ لڑ کر کنداوندِ آسمانِ بزی
 وہ میرا یوسفِ ثانی، وہ شمعِ محسنِ عشق
 جلا کے جس کی محبت نے دفترِ سن تو
 ریاضِ ہر میں مانسِ گل ہے خندا
 کہ ہے عزیز تر از جان، وہ جانِ جاں مجھ کو

شگفتہ ہو کے گل کی نپول ہو جائے
 یہ تجھے رسنہ قبول ہو جائے



عزلیات

گلزارِ بہت بود نہ بیکانہ وار دیکھ
 ہے دیکھنے کی چہ نرے سے بار بار دیکھ
 آیت ہے تو جہاں میں شالِ شرار دیکھ
 دم دے نہ جائے ہستی ناپا تدار دیکھ
 مانا کہ تیری دیکے قابل نہیں میں
 تو تیسرا شوق دیکھ مرا منتظر دیکھ
 کھولی ہیں ذوق دیدنے آنکھیں تری اگر
 پرہ گزر میں نقشِ کفے کے یار دیکھ

نہ آتے نہیں اس میں تکرار کیا تھی
 مگر وعدہ کرتے ہوئے عار کیا تھی
 تمہارے پیامی نے سب را ز کھولا
 خطا اس میں شبے کی سرکار کیا تھی
 بھری بزم میں اپنے عاشق کو مارا
 تری آنکھ ہستی میں شہار کیا تھی!

۱۲۲

بانگِ درا

۱۰۸

تامل تو تھا اُن کو آنے میں قاصد
مگر یہ بت طے نہ انکار کیا تھی

کھینچے خود بخود جانبِ طور موہتی
کشش تیری لے شوق دیدار کیا تھی!

کہیں ذکر رہتے ہے قبّال تیرا
فسوں تھا کوئی تیری گنہگار کیا تھی



عجب اعظ کی دین داری ہے یارب!
عدوت ہے اسے سارے جہاں سے

کوئی اب تک نہ یہ سمجھا کہ انسان
کہاں جاتا ہے آتا ہے کہاں سے

وہیں سے رات کو ظلمت ملی ہے
چمکتا ہے نے پائی ہے جہاں سے

ہم اپنی درد مندی کا فسانہ
سنا کرتے ہیں اپنے راز و اس سے

بڑی باریک میں اعظ کی چالیں
رز جاتا ہے آوازِ اذان سے



لاؤں وہ تنکے کہیں سے آشیانے کے لیے
بجلیاں بے تاب ہوں جن کو جلانے کے لیے

وائے ناکامی فلاںے تاک کر توڑاں سے
میں نے جس ڈالی کو مارا آشیانے کے لیے

اکٹھ مل جاتی ہے ہفتادو ہفتے سے تری
 ایک سپانہ ترا سائے زمانے کے لیے
 دل میں کوئی اس طرح کی از رو پیدا کروں
 لوٹ جائے آسماں میں سے مٹانے کے لیے
 جمع کر خرمین تو پہلے دانہ دانہ چمن کے تو
 اسی نکلے کی کوئی بجلی جلانے کے لیے
 پاس تھا نا کامی صیاد کالے سم صغیر
 ورنہ میں اور اڑ کے آتا ایک دانے کے لیے!

اس چمن میں مرغِ دل کائے نہ از آدمی کالیت
 آہ! گشتن نہیں ایسے ترانے کے لیے



کیا کہوں اپنے چمن میں جدا کیونکر ہوا
 اور اس حیرتِ دام نہوا کیونکر ہوا
 جاتے حیرتِ بڑا سائے زمانے کا ہوں میں
 مجھ کو یہ خلعتِ شرافت کا عطا کیونکر ہوا
 کچھ دکھانے دیکھنے کا تھا تقاضا طور پر
 کیا خبر ہے تجھ کو اے دل فصیلا کیونکر ہوا
 ہے طلب بے مدعا سونے کی بھی ال مدعا
 مرغِ دل دامِ مستان سے ہا کیونکر ہوا
 دیکھنے والے یہاں بھی دیکھ لیتے ہیں تجھے
 پھر یہ وعدہ حشر کا صبر از مال کیونکر ہوا
 حُسنِ کامل پہنچے ہو اس بے حجابی کا سبب
 وہ جو تھا پروں میں نہاں خود نکال کیونکر ہوا
 موت کا نسخہ ابھی باقی ہے اے درِ فراق!
 چارہ لرو یوانہ سے میں لا دو کیونکر ہوا

۱۲۶
 بانگِ درا
 ۱۱۰

تُو نے دیکھا ہے کبھی اے یہ عبرت کُل
 ہو کے پیدا خال سے نگہیں قبا کیوں کر ہوا
 پریشانی اعمال سے مقصد تھا رسوائی مری
 ورنہ ظاہر تھا سبھی کچھ کیا ہوا کیوں کر ہوا

میرے ٹٹنے کا تماشا دیکھنے کی چیز تھی

کیا باتوں اُن کا میرا سنا کیوں کر ہوا



انوکھی وضع ہے سارے زمانے سے نزلے ہیں
 یہ عاشق کون سی بستی کے یار بنے والے ہیں
 علاج درد میں بھی درد کی لذت پہ مرتابوں
 جو تھے چھالوں میں کانٹے نول سون سے نکالے ہیں
 پھلا پھولا رہے یار بن چمن میری امیدوں کا
 جگر کا خون دے کر یہ ٹوٹے ہیں پلے ہیں
 رلاتی ہے مجھے راتوں کو خاموشی ستاروں کی
 نرالا عشق ہے میرا نزلے میرے نلے ہیں
 نہ ٹوچو مجھ سے لذت خانمان بباد رہنے کی
 نشین سکیروں میں بنا کر پھونک ڈالے ہیں
 نہیں گی انکی اچھی رسیق اہ منزل سے
 ٹھہر جا لے شہ زہم بھی تو آخر ٹٹنے والے ہیں
 امید جو نے سب کچھ سلجھا رکھا ہے واعظ کو
 یہ حضرت دیکھنے میں سیدھے سادے بھولے ہیں

مے اشعار اے اقبال کیوں پیارے نہ ہوں مجھ کو

مے ٹوٹے ہوئے دل کے یہ درانگیز نالے ہیں



ظاہر کی آنکھ سے نہ تماشا کرے کوئی
منصور کو نہ ہوا لب کو یا پیام موت
ہو دید کا جو شوق تو آنکھوں کو بند کر
میں انتہائے عشق ہوں تو انتہائے حسن
عذر آفرین جبرم مجتہد سے حسن دوست
چھپتی نہیں ہے یہ نگہ شوق ہم نشین
اڑ بیٹھے کیا سمجھ کے بسلا طور پر حکیم
نطائے کو یہ جنبشیں مرگیاں بھی باہر

۱۲۸
بانگِ دل
۱۱۲



ہو دیکھنا تو دیدہ دل وا کرے کوئی
اب کیا لسی کے عشق کا دعویٰ کرے کوئی
ہے دیکھنا یہی کہ نہ دیکھا کرے کوئی
دیکھے مجھے کہ تجھ کو تماشا کرے کوئی
محشر میں عذر تازہ نہ پیدا کرے کوئی
پھر اور کس طرح انھیں دیکھا کرے کوئی
طاقت ہو دید کی تو تعاضا کرے کوئی
زُلس کی آنکھ سے تجھے دیکھا کرے کوئی

کھل جائیں کیا مئے ہیں تمنائے شوق میں
دو چاروں جو سیری تمنا کرے کوئی



کہوں کیا رزقے بے دلی مجھ کو کہاں تک ہے
وہ کس ہوں فروغِ مے سے جو گلزار بن جاؤں
مے بازار کی رونق ہی سووائے زیاں تک ہے
ہوائے گل فراقِ ساقی نامہر باں تک ہے

چمن افروز ہے صیاد میری خوش نوائی تک
 وہ مُشتِ خاک ہوں، فرضِ پریشانی سے صحر ہوں
 حُسنِ جوانِ نالہ خوابیدہ ہے میرے سرِ گڑھے میں
 سکونِ دل سے سامانِ کشود کار پیدا کر
 چمنِ زارِ محبت میں خموشی موت ہے بے سبب
 جوانی ہے تو ذوقِ دید بھی، لطفِ تنہا بھی
 رہی بجلی کی بے تابی سو میرے آسماں تک ہے
 نہ پوچھو میری وسعت کی زین سے آسماں تک ہے
 یہ خاموشی مری وقتِ حیلِ کارواں تک ہے
 کہ عقدہ خاطرِ لرواں کا آبِ رواں تک ہے
 یہاں کی زندگی پابندی رسمِ فغان تک ہے
 ہمارے گھر کی آبادی قیامِ مہمان تک ہے

زمانے بھر میں سوا ہوں مگر اے نائے نادانی!

سمجھتا ہوں کہ میرا عشق میرے ازواں تک ہے



جنھیں میں ڈھونڈتا تھا آسمانوں میں زمینوں میں
 حقیقت اپنی آنکھوں پر نمایاں جب جاتی اپنی
 اگر کچھ آشنا ہوتا مذاقِ حُبِ ساقی سے
 کبھی اپنا بھی نظارہ لیا ہے تو نے اے مجنون
 وہ نکلے میرے نطلت خانہ دل کے مکینوں میں
 مکانِ نکلا ہمارے خانہ سول کے مکینوں میں
 تو سنک آستانِ کعبہ جا ملتا حُبِ سینوں میں
 کہ یسلی کی طرح تو خود بھی ہے محلِ شینوں میں
 مگر گھرِ یانِ جداتی کی لڑتی ہیں مہرِ سینوں میں
 مہینے وصل کے گھڑیوں کی صوت اڑتے تجاے میں

مجھے روکے گا تو اے ناخدا کیا عرق ہونے سے

چھپایا احسن کو اپنے کلیم اللہ سے جس نے

جلا سکتی ہے شمع شہتہ کو موجِ نفس ان کی

مناور و دل کی ہو تو کر خدمت فقیریوں کی

نہ پوچھنا خرقہ پوشوں کی ارادت ہو تو دیکھ ان کو

ترستی ہے نگاہِ سب جس کے گنہگارے کو

کسی ایسے شہسہ پھونک اپنے خرمین دل کو

محبت کے لیے دل ڈھونڈ کوئی ٹوٹنے والا

سر اپا احسن بن جاتا ہے جس کے احسن عاشق

پھڑل اٹھا کوئی تیری ادائے نامعہ فنا پر

نمایاں ہو گئے لکھناوے کبھی ان کو جمال اپنا

خمش اے دل ابھری محفل میں چلانا نہیں اچھا

کہ جن کو ڈوبنا ہو ڈوب جاتے ہیں سفینوں میں

وہی نازا فریں ہے جلوہ پیرا ناز سینوں میں

الہی الیا چھپا سوتا ہے اہل دل کے سینوں میں

نہیں ملتا یہ کو ہر بادشاہوں کے خزانوں میں

یہ بیٹھا لیے بیٹھے ہیں اپنی استینوں میں

وہ رونقِ انجمن کی ہے انھی خلوت گزینوں میں

کہ خورشیدِ قیامت بھی ہوئے غمِ شہ چینوں میں

یہ مے ہے جسے رکھتے ہیں نازک اہلینوں میں

بھلائے دل حسین ایسا بھی ہے کوئی حسینوں میں

تراز تہہ ہاڑھ چڑھ کے سب نازا فرینوں میں

بہت مدت سے چرچے ہیں کجا ریک بینوں میں

اوت پہلا قرین ہے محبت کے قرینوں میں

برا سمجھوں انھیں مجھ سے تو ایسا ہو نہیں سکتا

کہ میں جو بھی تو ہوں اقبال اپنے نکتہ چینوں میں

۱۳۰
بانگِ درا
۱۱۲



ترے عشق کی انتہا چاہتا ہوں
 مری سادگی دیکھ لیا چاہتا ہوں
 ستم ہو کہ ہو وعدہ بے حجابی
 کوئی بات صبر آزما چاہتا ہوں
 یہ حنبت مبارک ہے زاہدوں کو
 کہ میں آپ کا سامنا چاہتا ہوں
 ذرا سا تو دل ہوں مگر شوخ آہن
 وہی لمن ترائی سنا چاہتا ہوں
 کوئی دم کا مہماں ہوں لے اہل محفل
 چراغِ سخنِ سخن ہوں بھجا چاہتا ہوں

بھری بزم میں از کی بات کہہ دی

بڑا بے ادب ہوں سزا چاہتا ہوں



گشاہ دست کرم جب بے نیاز کرے
 نیاز مند نہ کیوں عاجزی پہ نیاز کرے
 ہٹھاکے عرش پہ رکھا ہے تو نے اے عطا
 خدا وہ کیا ہے جو بندوں کے احترام کرے
 مری نگاہ میں وہ رند ہی نہیں ساتی
 جو پوشیاری ہستی میں امتیاز کرے
 مدام گوشِ بیل ہے یہ ساز ہے ایسا
 جو پوشکتے تو پیدا نوائے راز کرے
 کوئی یہ پوچھے کہ واعظ کا کیا بڑتا ہے
 جو بے عمل یہ بھی حمت وہ بے نیاز کرے

سخن میں سوز، الہی کہاں سے آتا ہے
 یہ چیز وہ ہے کہ پتھر کو بھی کداز کرے
 تمیزِ لالہ و گل سے ہے نالہ بے بس
 جہاں میں انہ کوئی چشم امتیاز کرے
 غرورِ زہد نے بسکھلا دیا ہے واعظ کو
 کہ بندگانِ حن پر زباں دراز کرے

چہا ہو ایسی کہ ہندوستان سے لے اقبال
 اڑا کے مجھ کو غبارِ حجاز کرے



سختیاں کرتا ہوں دلِ پُرخیر سے غافل ہوں میں
 نائے کیا اچھی لہی ظالم ہوں میں جاہل ہوں میں
 میں جہی تک تھا کہ تیری جلوہ پسیرانی نہ تھی
 جو نو و حق سے سٹ جاتا ہے وہ باطل ہوں میں
 علم کے دریا سے نہ کھلے غوطہ زن کو ہر بدست
 وائے محرومی انحرافِ چین لبِ ساحل ہوں میں
 ہے مری فلت ہی کچھ میری شرافت کی دلیل
 جس کی غفلت کو ملک سے تہیں غافل ہوں میں
 بزمِ ہستی اپنی آرائش یہ تو نازاں شو
 تو تو الٰہی تصویر ہے محفل کی اور محفل ہوں میں

ڈھونڈتا پھر تا ہوں اے اقبال اپنے آپ کو
 آپ ہی کو یا سا فر آپ ہی منزل ہوں میں





مجنوں نے شہر چھوڑا تو صحرا بھی چھوڑ دے
 واعظ اقبال ترکے سے ملتی ہے یاں مراد
 تقسیم کی روش سے تو بہتر ہے جو دشمنی
 مانند خامہ تیری باں پر ہے حرف غیر
 لطفِ کلام لیا جو نہ ہو دل میں دردِ عشق
 شبنم کی طرح ٹھیلوں پہ وہ اور چمن سے چل
 ہے عاشقی میں رسم الگ سے بیٹھنا
 سو اگر می نہیں یہ عبادت خدا کی ہے
 اچھا ہے دل کے ساتھ ہے پاسبانِ عقل
 جینا وہ لیا جو ہو نفسِ غیب پر مدد
 شوخی سی ہے سوالِ کلرز میں اے کلیم!

نظاک کی پوس ہو تو سیلی بھی چھوڑ دے
 دنیا جو چھوڑ دی ہے تو عقبتی بھی چھوڑ دے
 رستہ بھی ڈھونڈنا خضر کا سو دا بھی چھوڑ دے
 بیگانہ شے پہ نازشیں بے جا بھی چھوڑ دے
 بسمل نہیں ہے تو تو ترو پتہ بھی چھوڑ دے
 اس باغ میں قیام کا سو ابھی چھوڑ دے
 بت خانہ بھی حرم بھی کلیسا بھی چھوڑ دے
 اے بے خبر! جزا کی تمنا بھی چھوڑ دے
 لیکن کبھی کبھی اے تنہا بھی چھوڑ دے
 شہرت کی زندگی کا بھر سا بھی چھوڑ دے
 شرطِ رضا یہ ہے کہ تقاضا بھی چھوڑ دے

واعظ شہوت لاتے جو مے کے جواز میں

اقبال کو یہ ضد ہے کہ پینا بھی چھوڑ دے

۱۳۳
 بانگِ درا
 ۱۱۷

(۱) اجماع
 (۲) سطور معادله
 (۳) سطر معادله
 (۴) سطر معادله
 (۵) سطر معادله
 (۶) سطر معادله
 (۷) سطر معادله
 (۸) سطر معادله
 (۹) سطر معادله
 (۱۰) سطر معادله
 (۱۱) سطر معادله
 (۱۲) سطر معادله
 (۱۳) سطر معادله
 (۱۴) سطر معادله
 (۱۵) سطر معادله
 (۱۶) سطر معادله
 (۱۷) سطر معادله
 (۱۸) سطر معادله
 (۱۹) سطر معادله
 (۲۰) سطر معادله

۱۳۲
 بانگ دور
 ۱۱۸

حصہ دوم

(۱۹۰۵ء سے ۱۹۰۸ء تک)

۱۳۵
بانگِ درا
۱۱۹

حامد
دستبرد ۳۱ اردیبهشت ۱۳۴۶

۱۱
۱۱

آجائز ترا گردون کی آبروی - تو بجز کنگول همتا تری کی بوی
ردیغ س جوترے سے ملے نہاں - مائون ہے کرگی بریلغ آرزوی
بہن بھارتیہ انہر ہنہانے نیک پر - جگدو جگدو جگدو جگدو جگدو

انصاف جی جی
محبوبت جگدو جگدو جگدو جگدو

بہن بھارتیہ انہر ہنہانے نیک پر
جگدو جگدو جگدو جگدو

تو ڈیڈی تانا ہے جگدو تاروں کا خاکو کی مل - جگدو جگدو جگدو جگدو
بہن بھارتیہ انہر ہنہانے نیک پر - جگدو جگدو جگدو جگدو
آجائز ترا گردون کی آبروی - جگدو جگدو جگدو جگدو

نوادرت دودریل سہ ملاوت

سرسنگو جگدو جگدو جگدو جگدو

انصاف جی جی

۱۳۶
بانگے دریا
۱۲۰

محبت

عروسِ شب کی زلفیں تھیں ابھی ناشام سے
 قرآنِ لباسِ نو میں بگائے لگاتھا
 ابھی امکانِ عظمت خانے سے ابھری ہی تھی دنیا
 کمالِ نظمِ سستی کی ابھی تھی بہت ادا
 سنا ہے عالمِ بالا میں کوئی کہیں لگتا
 لکھا تھا عرش کے پائے پہ الٰہ کی نسخہ
 نگاہیں تال میں رہتی تھیں لیکن کیسا لڑکی
 بڑھا تبیحِ خوانی کے بہانے عرش کی جانب
 پھر ایسا فکرِ بزلے اُسے میدانِ امکان میں
 چمک تارے مانگی چاند سے دُعا جگر مانگا
 تڑپ بجلی سے پائی حور سے کپینڈلی پائی
 ذرا سی پھر بوہیت کے شانِ بے نیازی کی
 ستارے آسمان کے بے خبر تھے لذتِ رم سے
 نہ تھا واقف ابھی کروش کے آئینِ ستم سے
 مذاقِ زندگی پوشیدہ تھا پہنکے عالم سے
 بیوید اٹھی بلینے کی تمنا چشمِ حاتم سے
 صفا تھی جس کی خالِ پابین بڑھ کر ساغرِ جم سے
 چھپاتے تھے فرشتے جس کو چشمِ روحِ آدم سے
 وہ اس نسخے کو بڑھ کر جانتا تھا اہمِ عظم سے
 تنائے دی آخر برائی سعیِ پیسم سے
 چھپے کی لیا کوئی شے بارگاہِ حق کے محرم سے
 اڑائی تیری تھوڑی سی شب کی زلفِ برہم سے
 حرارتِ لی نقشبت سے سحرِ ابنِ مریم سے
 ملک سے عاجزی افتاد کی تقدیرِ شبنم سے

۱۳۷
 داتا گنج بخش
 ۱۲۱

پھر ان اجزا کو لکھو لاچشمہ حیوان کے پانی میں
 مہتوس نے یہ پانی ہستی نوخیز پر چھڑکا
 مرکب نے محبت نام پایا عرشِ اعظم سے
 گرہ لکھولی تہنر نے اس کے لویا کا عالم سے
 ہولی جنبش عیان ذروں نے لطفِ خواب کو چھوٹا
 گلے ملنے لگے اٹھ اٹھ کے اپنے اپنے ہدم سے

خرام ناز پایا آفتابوں نے ستاروں نے
 چٹک غنچوں نے پانی داغ پائے لالہ زاروں نے

حقیقتِ حُسن

خدا سے حُسن نے اک روز یہ سوال کیا
 بلا جواب کہ تصویرِ حُسن ہے دنیا
 جہاں میں کیوں نہ مجھے تو نے لازوال کیا
 شب و از عدم کا فسانہ ہے دنیا
 وہی جس میں ہے حقیقتِ زوال ہے جس کی
 کہیں قریب تھا کیفیت کو مرنے سنی
 فلکِ پیام ہوئی اختر سحر نے سنی
 سحر نے مارے سے سن کر سنائی شبنم کو
 فلک کی بات بتا دی زمیں کے محرم کو
 بھرا تے پھول کے انسویا شبنم سے
 کل کا نٹھا سا دل خون ہو گیا شبنم سے
 چمن سے ہوتا ہوا موسم بہار لیا
 شاب سیر لو آیا تھا سو لو ارباب

پيام

عشق نے کرويا تجھے ذوقِ تمش سے آشنا
 بزمِ گوشِ شمعِ بزمِ حاصلِ سو ساز کے
 شانِ کرم پر ہے مدارِ عشقِ کرہِ شاکہ کا
 ویرِ حرم کی قید کیا جس کو وہ بے نیاز کے
 صوتِ شمعِ نور کی بلتی نہیں قبائے
 جس کو خدانہ دہر میں کر یہ جہاں لداڑے
 تائے میں وہ قمر میں وہ جہدو کہ سحر میں وہ
 چشمِ نظارہ میں نہ ٹوسد مرہ امتیاز کے
 عشقِ بندِ بال ہے رسمِ مرہ نیاز سے
 حسن ہے مستِ ناز اگر تو بھی جواب ناز کے

پیرِ معانی فرنگ کی مے کا نشاط ہے اثر
 اس میں وہ کیفِ غم نہیں مجھ کو تو خانہ ساز کے
 تجھ کو خبر نہیں ہے کیا! بزمِ نهن بدل لیتی
 اب خدا کے واسطے ان کو مے مجاز کے

سوامی ام سیرتھ

سوم نعلِ دریا سے ہے اے قطرِ تباہ تو
 پہلے گوہر تھا ہنس اب گوہرِ نایاب تو
 آہ کھولا کس اواسے تو نے رازِ رنگِ بو
 میں ابھی تک ہوں اسیرِ تسیا ز رنگِ بو

مٹ کے غوغا زندگی کا شورشن محشر بنا
 یہ شرارہ بچھ کے آتش خانہ آزر بنا
 نفی ہستی ال کرشمہ ہے دل آگاہ
 لائے دریا میں نہاں موتی ہے 'اللا اللہ' کا
 چشم نابینا سے مخفی معنی انجم ہے
 تھم لتی جس دم تڑپ سیلاب سیم خام ہے
 توڑ دیتا ہے ہستی کو ابرہیم عشق
 پوشش کا دار ہے گویا ہستی تنہیم عشق

طلبہ علی لڑھ کا لچ کے نام

اوروں کا ہے پیام اور میرا پیام اور ہے
 عشق کے دروہند کا طرز کلام اور ہے
 طاہر زیروام کے نام لے تو سن چلے ہونم
 یہ بھی سنو کہ نالہ طائر بام اور ہے
 اتنی تھی کوہ سے صہدار از حیات ہے سب کوں
 کہتا تھا سورنا تو اں لطف خرام اور ہے
 جذبِ حرم سے ہے فروغ انجمن حجاز کا
 اس کا مقام اور ہے اس کا نظام اور ہے
 ہوتے عیش جاوداں فوق طلب الرنہ ہوا
 گردش آرمی ہے اور گردشِ عام اور ہے
 شمع سحر یہ کہ لٹی سوز ہے زندگی کا ش
 عنم لہ نمود میں شرط و وام اور ہے

باوہ ہے نیم راسل ابھی شوق ہے نارسا بھی
 رہنے و چشم کے سر پہ تم خشتِ کلیسا بھی

۱۲۰

بانگِ درا

۲۲

خستِ صبح

ستارہ صبح کا روتا تھا اور یہ کہتا تھا علی نگاہِ مگر فرصتِ نظر نہ ملی

ہوتی ہے زندہ دمِ آفتاب کے پرشے اماں مجھی کو تیرا مینِ سخن نہ ملی

بساطِ لیا ہے بھلا صبح کے ستارے کی

نفسِ جناب کا، تابندگیِ شراے کی

کہا یہ میں نے کہ اے زیورِ حسینِ سحر! غمِ فنا ہے تجھے گنبدِ فلک کے اتر

ٹپکِ بند ہی کڑوں سے ہر شبنم مرے یاغی سخن کی فضا ہے جاں پُر

میں باغیاں ہوں محبتِ بہار سے اس کی

بنا مشالِ ابدِ پائدار ہے اس کی

حُسن و عشق

جس طرح ڈوبتی ہے شستیِ سینِ ستر نورِ عورشید کے طوفان میں منگامِ سحر

جیسے ہو جاتا ہے لُلمِ نورِ کلمے کے لراخِ پل چاندنی است میں مہتابِ کاہمِ رنگِ کنول

جس لوہے طور میں جیسے یہ بیضیائے کلیم
موجہ نکلتی گلزار میں غنچے کی شمیم

ہے ترے سبب محبت میں یونہی دل میرا

تو جو محسن ہے تو ہنگامہ محفل چوں میں
حُسن کی برق ہے تو عشق کا حاصل چوں میں
تو سحر ہے تو مرے اشک میں شبنم تیری
شامِ غربت چوں اگر میں تو شفق تو میری
مرے دل میں تری زلفوں کی پریشانی ہے
ترے تصویر سے پیدا مری حیرانی ہے

حُسنِ کامل ہے ترا، عشق ہے کامل میرا

ہے مرے باغِ سخن کے لیے تو باوہبسا
میرے بے تابِ تخیل کو دیا تو نے زنتار
جب سے آباد ترا عشق ہوا سینے میں
نتے جو ہر سو تے پیدا مے اتنے میں
حُسن سے عشق کی فطرت کو ہے تھر کمال
تجھ سے ہر سبز پتے میری امیدوں کے زہال

فائدہ ہو گیا اسوۂ منزل میرا

... لی لو د میں بتی دیکھ لے

تجھ کو ڈر ویدہ نگاہی یہ سیکھا دی کس نے
رمز آغاز محبت کی بتا دی کس نے
پہرا داسے تری پیدا ہے محبت کیسی
نیلی آنکھوں سے نکلتی ہے کاوت کیسی

۱۲۲

بانگے دل

۱۲۶

دیکھتی ہے کبھی ان کو کبھی شرماتی ہے
 کبھی اٹھتی ہے کبھی لیٹ کے سوجاتی ہے
 آنکھ تیری صفت آئینہ حیران ہے کیا
 نور آگاہی سے روشن تیری پہچان ہے کیا
 مارتی ہے انھیں پونہچوں سے عجب ناز ہے یہ
 چھوڑے غصہ ہے یا پیار کا انداز ہے یہ؟
 شوخ تو ہوگی تو گودی سے اتاریں گے تجھے
 گر لیا ٹھول جو سینے کا تو ماریں گے تجھے
 کیا تبس ہے تجھے کس کی تنائی ہے
 آہ! کیا تو بھی اسی چیز کی سودائی ہے
 خاص انسان سے کچھ حس کا احساس نہیں
 صورت دل ہے یہ ہر چیز کے باطن میں سکھیں
 شیشہ دہر میں مانند مے ناب ہے عشق
 زور خورشید ہے خونِ گل بہتا ہے عشق
 دل ہر ذرہ میں پوشیدہ کسک ہے اس کی
 نوریہ ہے کہ ہر شے میں جھلک ہے اس کی

کہیں سامانِ سترت کہیں سازِ غم ہے
 کہیں گوہر ہے کہیں اشک کہیں شبنم ہے

کلی

جب دکھاتی ہے رخِ عارضِ رنگیں اپنا
 کھول دیتی ہے کلی سینہ زریں اپنا
 جلوہ آسم ہے یہ صبح کے مغازے میں
 زندگی اس کی ہے خورشید کے پیمانے میں

۱۲۲
 باغِ راز
 ۱۲۴

سنا منہ مہر کے دل چیر کے کھدیتی ہے
کس قدر سینہ شگافی کے مزے لیتی ہے

مے خورشید کبھی تو بھی اٹھا اپنی نقاب
تیرے جلوے کا شہین جو مے سینے میں
زندگی ہو ترانہ ہمارے دل کے لیے
ذرا ذرا ہوا پھر طرب اندوز حیات
بہر نظر تڑپتی ہے نگاہ بے تاب
عکس آباد تو یہ میرا مے کتنے میں
روشنی ہو تری گوارا مے دل کے لیے
ہو عیاں جو ہر اندیشہ میں پھر سوز حیات
اپنے خورشید کا نظارہ کروں دُور سے میں
صفتِ غنچہ ہم آغوش رسوں نور سے میں

جانِ مضطر کی حقیقت کو نمایاں کر دوں
دل کے پوشیدہ خیالوں کو بھی عیاں کر دوں

چاند اور تارے

ڈرتے ڈرتے دمِ حیر سے
نٹکے سے وہی فلک پر
تارے کہنے لگے تیرے
ہم تھک بھی گئے چوک چمکے
کام اپنا ہے صبح و شام چلنا
چلنا، چلنا، مدام چلنا

۱۲۲
بانگِ دل
۱۲۸

بے تاب ہے اس جہاں کی ہمشے کہتے ہیں جسے سکون نہیں ہے
رہتے ہیں ستم کش سفر سب تاکے انسان شخب حجب سب

ہو گا کبھی ستم یہ سفر کیا
منزل کبھی آئے گی نظر کیا

کننے لگا چاند، نیم شبینو لے مزرع شب کے خوش چینیو
جُنُبش سے ہے زندگی جہاں کی یہ رسم قدیم ہے یہاں کی
ہے دوڑتا اشہب زمانہ کھا کھا کے طلب کا تازیانہ
اس 'ہ میں مستام بے محل ہے پوشیدہ قرار میں اجل ہے
چلنے والے نکل گئے ہیں جو ٹھہرے ذرا، نکل گئے ہیں
انجام ہے اس خرام کا حُسن آخانے عشق، نہتہ حُسن

وصال

جستجو جس گل کی تڑپاتی تھی اے بے بل مجھے
خوب قسمت سے آخر گل کیا وہ گل مجھے
خود تڑپاتا تھا، چمن الوں کو تڑپاتا تھا میں
تجھ کو جب رنگیں نوا پاتا تھا، شرماتا تھا میں

میرے پہلو میں دل مضطر نہ تھا یہاں تھا
از تکابِ جرمِ الفت کے لیے بے تاب تھا

نامرادیِ محفلِ گل میں مری مشہور تھی
صبح میری آہنہ در شبِ بھور تھی

از نفسِ در سینہ بخوش شتہ نشترِ ششم

زیرِ خاموشی نہاں غوغائے محشرِ ششم

اب تاثر کے جہاں میں وہ پریشانی نہیں
اہلِ گلشن پر گراں سیری غزلِ خوانی نہیں

عشق کی گرمی سے شعلے بن گئے چھلے مے
کھیلنے ہیں بھلیوں کے ساتھ اب نالے مے

غازہ الفت سے یہ خیالِ سیدہ آئینہ ہے
اور آئینے میں عکسِ ہمدومِ دیرینہ ہے

قید میں آیا تو حاصلِ مجھ کو آزادی ہوئی
دل کے لٹ جانے سے میرے گھر کی آبادی ہوئی

ضو سے اس خورشید کی اختر مرانا بندہ ہے
چاندنی جس کے غبارِ راہ سے شرمندہ ہے

یک لطفِ کردی آدابِ فناِ سوختی

اے جنکِ روزے کہ خاشاکِ مرا و سوختی



سُئِمِي

جس کی نمود و بکھی چشم ستارہ ہیں نے
خورشید میں، قمر میں، تاروں کی انجمن میں
صوفی نے جس کو دل کے ظلمت کدر میں پایا
شاعر نے جس کو دیکھا قدرت کے بانگین میں
جس کی چمک ہے پیدا، جس کی مہک ہویدا
شبِ نیم کے موتیوں میں، مچھو لوں کے پیرہن میں
صحرا کو ہے بسایا جس نے سکوت بن کر
ہنکا مرہ جس کے دم سے کاشانہ چسبن میں
ہر شے میں ہے نمایاں یوں تو جمال اس کا
انگھوں میں ہے سُئِمِي تیری جمال اس کا



عاشق ہر جاتی



ہے عجب مجموعہ اصدادوں کے قبیل تو
 تیرے ہنگاموں سے اے دیوانہ رنگیں نوا
 ہم شیش تاروں کا ہے تُو رفعت پرانے سے
 عین شغلِ مے میں پیشانی ہے تیری بجز ریز
 مثل بونے گل لباس رنگ کے عریان ہے تو
 جانبِ منزلِ واں بے نقش پاماند موج
 حُسنِ انانی ہے بجبلی تیری فطرت کے لیے
 تیری ہستی کا ہے آئینِ تعسنتن پر مدأ
 ہے حسینوں میں فنا ناشنا تیرا خطاب
 رونقِ ہنگامہ محفل بھی ہے تنہا بھی ہے
 زینتِ گلشن بھی ہے آرائشِ صحرا بھی ہے
 اے زمیں فرسا، قدم تیرا فلکِ پیمیا بھی ہے
 کچھ تیرے مسک میں رنگِ شربِ پیمیا بھی ہے
 ہے تو حکمتِ آفرین، لیکن تجھے سوا بھی ہے
 اور پھر اُفتِ او مثلِ حاصلِ دریا بھی ہے
 پھر عجب ہے کہ تیرا عشق بے پروا بھی ہے
 تو کبھی ایک آستانے پر جبیں فرسا بھی ہے؟
 اے تلون کشیش! تو مشہور بھی رسوا بھی ہے

لے کے آیا ہے جہاں میں عادتِ سیاب تو
 تیری بجاتی کے صدقے ہے عجب بے تاب تو

۱۲۸
 بانگِ درا
 ۱۳۲

عشق کی اس شفقتی نے کر دیا صحرے
 ہرگز اڑوں اس کے پہلو رنگ پہ پہلو کا
 دل نہیں شاعر کا ہے کیفیتوں کی رستخیز
 آرزو پر کیفیت میں اک نئے جلوے کی ہے
 گو حسین باز ہے ہر لحظہ مقصود نظر
 بے نیازی کے ہے پیدا میری فطرت کا نیا
 موجب کہیں تماشے شاد جستا
 ہر تقاضا عشق کی فطرت کا جو بس خموش
 جستجو گل کی لیے پھرتی ہے اجزا میں مجھے
 زندگی الفت کی درونجا میوں کے ہے مری
 سچ اگر چھے تو افلاس تختیل ہے وفا
 فیض سانی شبنم آسما طرف دل دریا طلب
 مجھ کو پسید کر کے اپنا جتنہ چسپا پیا

مشتِ خاک ایسی نہاں زیر قبا رکھتا ہوں میں
 سینے میں یہ سیرالوئی تر شاہوار رکھتا ہوں میں
 کیا خبر تجھ کو دُورین سینہ کیا رکھتا ہوں میں
 مضطرب جن دل سوں نا آشنا رکھتا ہوں میں
 حُسن کے مضبوط پیمانِ وفا رکھتا ہوں میں
 سوز ساز جستجو مثل صبا رکھتا ہوں میں
 ہونہیں سکتا کہ دن برق آشنا رکھتا ہوں میں
 آہ! وہ کامل تجھ سے تہی مدعا رکھتا ہوں میں
 حُسن بے پایاں ہے در و لاوار رکھتا ہوں میں
 عشق کو آزاد دستورِ وفا رکھتا ہوں میں
 دل میں ہر دم اک نیا محشر پیا رکھتا ہوں میں
 تشنہ دم ہوں تشنہ زیر پار رکھتا ہوں میں
 نقش سچے اپنے مصوے کا رکھتا ہوں میں

محفلِ مستی میں جب ایسا تنابِ جلوہ تمھان
پھر تخیل کس لیے نہ تھا رکھتا ہوں

دربیا بانِ طلب پیوستہ می کو شمیم

سوج مجھ پر شکستِ خویش بر و شمیم

کوششِ ناتمام

فرقتِ آفتاب میں کھاتی ہے پچھو ما صبح
چشمِ شفق ہے خونِ فشاںِ اخترِ شام کے لیے
رہتی ہے قیسِ روز کو سیلیِ شام کی ہوس
اخترِ صبح مضطربِ تابِ دوام کے لیے
کہتا تھا قطبِ آسمانِ قافلہِ نجوم سے
ہم پر ہوں میں ترس گیا لطفِ خرم کے لیے
سوتوں کو ندیوں کا شوق بھر کا ندیوں کو عشق
موجبہ بھر کو تپشِ ماہِ تمام کے لیے
حُسنِ ازل کہ پر وہ لالہ و گل میں ہے نہا
کہتے ہیں بے قرار ہے جلوہٴ عام کے لیے

رازِ حیات پوچھ لے خضرِ خجستہ کام سے

زندہ ہر ایک چیز سے کوششِ ناتمام سے



نوائے غم

زندگانی ہے مری مثلِ بابِ غاموش
جس کی ہر رنگ کے نعموں سے ہے لبریز آنکوش
بربط کون مکان جس کی خموشی نیشا
جس کے ہر تار میں ہیں سیکڑوں نعموں کے مزا
مخترستانِ نو کا ہے امیں جس کا سکوت
اور منت کشش سنگا مرہ میں جس کا سکوت

آہ! آہ! آہ! محبت کی برائی نہ کہی

چوٹ مضراب کی اس ساز نے کھائی نہ کہی

مگر اتنی ہے نسیمِ حسنِ طور کہی
سمتِ گردوں سے چوائے نفسِ حور کہی
چھیرا آہستہ سے دیتی ہے مرا تارِ حیات
جس سے ہوتی ہے بہارِ روحِ گرفتارِ حیات
نغمہ یا اس کی دھیمی سی صدا اٹھتی ہے
اشک کے قاف سے کو بانگِ در اٹھتی ہے

جس طرح رفعتِ بہنم ہے مذاقِ رم سے

میری فطرت کی بلندی ہے نوائے غم سے



عشرتِ امروز

نہ کھینچ نکتہ کیفیت شرابِ طہور
 نہ مجھ سے کہہ کہ اجل سے پیامِ عیش و سرور
 پر می کو شیشہٴ الفاظ میں آواز نہ تو
 فراقِ حور میں ہوں غم سے پہلکار نہ تو
 بیانِ حور نہ کر، ذکرِ سبیل نہ کر
 مجھے فرقت سے ساقیِ جمیل نہ کر
 شباب کے لیے موزوں ترا پیام نہیں
 مقامِ امن ہے جنت، مجھے کلام نہیں
 وہ عیش، عیش نہیں جس کا انتظار ہے
 شبابِ آہ! کہاں تک امیدوار ہے
 نوو کے لیے منت پذیر ہوا ہوں
 وہ حُسن کیا کہ جو محتجِ چشم بنایا ہوں

عجیب چیز ہے احساسِ ننگانی کا
 عقیدہٴ عشتِ امروز ہے جوانی کا

انسان

قدرت کا عجیب یہ ستم ہے!

انسان کو راز جو بنایا راز اس کی نگاہ سے چھپایا

بے تاب ہے ذوقِ آگہی کا کھلتا نہیں بھیدِ زندگی کا

حیرتِ آغاز و انتہا ہے

اسی نے لکھ میں اور کیا ہے

ہے گرمِ حرامِ موجِ دریا دریا سونے بھر جا وہ پیمیا

بادل کو ہوا اڑا رہی ہے شانوں پہ اٹھلتے لا رہی ہے

تارے مستِ شرابِ تقدیر زندانِ فلک میں پا بہ زنجیر

خورشید، وہ عابدِ سحر خیز لانے والا پیامِ برخیز

مغرب کی پہاڑیوں میں چھپ کر پیتا ہے مے شفق کا ساغر

لذتِ گیسرِ وجود پر شے سرست سے نمود پر شے

کوئی نہیں غم گسارِ انساں

کیا تلخ ہے روزگارِ انساں!

جلوۂ حُسن

جلوۂ حُسن کہ ہے جس سے تفتاب بے تاب پالتا ہے جسے آغوشِ تختل میں شباب

ابدی بنتا ہے عیالم فانی جس سے
 ایک افسانہ رنگیں ہے جوانی جس سے
 جو سکھاتا ہے ہمیں سربہ لریاں ہونا
 منظرِ عالم حاضر سے لریاں ہونا
 دُور چو جاتی ہے اور ال کی خامی جس سے
 عقل لرتی ہے تاثر کی غلامی جس سے

آہ! موجود بھی وہ حسن کہیں ہے کہ نہیں
 خاتمِ دہر میں یارب وہ نگین ہے کہ نہیں

ایک شام

(دریلے نیگلر، ہائیڈل برگ کے کنارے پر)

خاموش ہے چاندنی قمر کی
 شاخیں ہیں خموش ہر شجر کی
 واوی کے نوا فروش خاموش
 گسار کے سبز پوش خاموش
 فطرت بے پوش ہو گئی ہے
 آنکھوں میں شب کے سولہی ہے
 کچھ ایسا سکوت کافسوں ہے
 نیگلر کا حنہ ام بھی سکوں ہے
 تاروں کا خموش کارواں ہے
 یہ قافلہ بے درواں ہے
 خاموش ہیں کچھ دوست و دریا
 قدرت سے مرستیے میں گویا

۱۵۲
 بانگِ درا
 ۱۲۸

اے دل! تو بھی خموش ہو جا
انگوش میں غم کو لے کے سو جا

تنہائی

تنہائی شب میں سے حزن کیا انجم نہ تیں سے نیم نشیں کیا؟
یہ فطرتِ آسمانِ خاموش خوابید زمینِ جہاںِ خاموش
یہ چاند، یہ دشتِ دُریہ لہسا فطرت سے تم نامِ ستار
موتی خوش رنگ، پیارے پیارے یعنی تم سے اسوں کے تارے

کس سے کی تجھے ہوسے اے دل!
قدرت تری ہم نفس سے اے دل!

پیامِ عشق

سُن اے طلبِ کارِ درویشلو! میں نازبوں، تو نیاز ہو جا
میں غمِ زنوی سوماتِ دل کا ہوں، تو سراپا ایاز ہو جا

نہیں ہے وابستہ زیر گردوں کمال شان سکندری سے
 تمام سماں ہے تیرے سینے میں تو بھی آتینہ ساز ہو جا
 غرض ہے پیکار زندگی سے کمال پاتے ہلال تیرا
 جہاں کا فرضِ تدبیر ہے تو، اوہ شانِ ساز ہو جا
 نہ ہو قناعت شعارِ چین اسی سے قائم ہے شانِ تیری
 و فوراً گل ہے اگرچہ سن میں تو اور دامن و راز ہو جا
 گئے وہ ایام، اب زمانہ نہیں ہے صحرا نور دیوں کا
 جہاں میں مانند شمع سوزاں میانِ محفل کداز ہو جا
 وجودِ اندر او کا مجبازی ہے، ہستی قوم ہے حقیقی
 فدا ہو ملت پہ یعنی آتشِ زینِ طلسم مجاز ہو جا
 یہ ہند کے فرستہ سازِ قبائل آرمی کر رہے ہیں گویا
 بچا کے دامن ہتوں سے اپنا غبارِ راہِ حجاز ہو جا



فراق

تلاشِ گوشہٴ عزلت میں پھر رہا ہوں میں
یہاں پہاڑ کے دامن میں اٹھپا ہوں میں
شکستہ گیت میں چشموں کے دلبری ہے کمال
وعلت طفلك گفتار آزما کی مثال
ہے تختِ لعلِ شفق پر جبوسِ خستِ شام
بہشتِ دیدہٴ بینا ہے حسنِ منظرِ شام
سکوتِ شامِ جدائی ہوا بہانہ مجھے کسی کی یاد نے سکھلا دیا ترانہ مجھے
کیفیت ہے مری جانِ شکیبائی
مری مثال ہے طغیانی صغیر تنہا کی
اندھیری رات میں کرتا ہے وہ سروِ آغاز
صدا کو اپنی سمجھتا ہے غیب کی آواز
یونہی میں دل کو پیامِ شکیبائی ہوں شہسوار کو یوں فریب دیتا ہوں

عبدالقادری کے نام

اٹھ کہ ظلمت ہوئی پیدا افقِ حنا پر
 ایک نیرا دیوے مانند سپند اپنی بساط
 اہلِ محفل کو بچا دیں ابرِ صقیلِ عشق
 جلوۂ یوسفِ گم گشتہ دلہا کران کو
 اس پس کو سبق آئینِ نیکو کا دے کر
 رختِ جاں بتا کر وہ چہیں سے اٹھالیں اپنا
 دیکھو ایشیرب میں شو انات لیلیٰ بیکار
 باوہ دیرینہ ہو اور گرم ہو ایسا کہ لدا
 گرم رکھتا تھا ہمیں سردیِ مغرب میں جو داغ
 شمع کی طرح جیسے بزمِ عالم میں

بزم میں شعلہ نوا آتی سے اُجبالا کریں
 اسی ہنگامے محفل تہ و بالا کریں
 سنگِ امروزی کو آئینہ بنو نہ در کریں
 تپشِ آماوہ ترا از خونِ زلیخا کریں
 قطرہٴ شبنم بے پایہ کو دریا کریں
 سب کو مجموعِ سلسلہ می و سلسلیٰ کریں
 قہقہوں کو آرزو سے نو سے شناسا کریں
 جگرِ شیشہ و پیاسہ و سینا کریں
 چہرہٴ کسینہ سے وقفِ تماشا کریں
 خوب بدین دیدہ غیب کار کو بنیا کریں

”ہرچہ در دل گذرد و وقفِ زبانِ اردو شمع

سوختن نیست خیالے کہ نہاں اردو شمع“

۱۵۸

باقی دور

۱۲۲

صفتیہ

(جزیرہ سسلی)

روئے اب دل لھول کرے دیدہ خونناہ بیا
وہ نظر آتا ہے تہذیبِ حجازی کا مزہ
تھایہاں منگامہ ان صحرا شینوں کا بھی
بھر بازی گاہ تھا جن کے سفینوں کا بھی
زلزلے جن سے شہنشاہوں کے درباروں میں تھے
بجلیوں ایشیا نے جن کی تلواروں میں تھے
اک جہانِ تازہ کا پیمانہ تھا جن کا ظہور
لکھاتی عصر کٹھن کو جن کی تیغ ہاں سبوں
مردہ عالم زندہ جن کی شویش کے ہوا
آومی آزاد زنجیر تو ہم سے ہوا

غلغلوں کے جس لذت گیر تک لوشے

کیا وہ تکبیر ہمیشہ کے لیے خاموش ہے؟

آہ اے سسلی بسند کی ہے تجھ سے آبرو
رہنما کی طرح اس پانی کے صحرا میں ہے تو
زیب سے خال سے خسار و ریا کو رہے
تیرمی شموں سے تہستی بھر پیا کو رہے
پوشک چشم مسافر پر تر اظنر مدام
موج رقصاں سے رسال کی چٹانوں پر مدام

تو کبھی اس قوم کی تہذیب کا گوارہ تھا

حُسنِ عالم سوز جس کا آتشِ نظرہ تھا

نالا کش شہزاد کا بیل ہوا بعدِ داد پر

داغ رویا خون کے آنسو جو جانِ باد پر

اسماں نے زولعیتِ ناطقہ جب بر باد کی

ابنِ بدوں کے دلِ ناشائستہ زونہ یاد کی

غمِ نصیبِ اقبال کو بخشا گیا ماتم ترا

چُن لیا تفتِ دینے وہ دل کہ تھا محرم ترا

ہے تھے آثار میں پوشیدہ کس کی داستاں

تیرے حساس کی خموشی میں ہم اندازِ بیاں

دروا پنا مجھ سے کہتے ہیں بھی سہرا پادروہوں

جس کی تو منزل تھا میں اس کا دُعا کی کر وہوں

زنگِ تصویرِ بہن میں بھر کے دکھلا دے مجھے

قصہِ ایامِ سلف کا کہہ کے تڑپے مجھے

ہیں ترا شخف سوتے ہندوستان لے جاؤں گا

خود یہاں و تہا ہوں اوروں کو وہاں رُلاؤں گا



عزلیات



زندگی انساں کی اک دم کے سوا کچھ بھی نہیں
 گل تبسم کہہ ہا ہت از زندگانی کو مگر
 دم ہوا کی موج ہے دم کے سوا کچھ بھی نہیں
 شمع بولی بار یہ عنتم کے سوا کچھ بھی نہیں
 کھل گیا جس دم تو محرم کے سوا کچھ بھی نہیں
 راز ہستی راز ہے جب تک کوئی محرم نہ ہو
 زائران کعبہ سے قبل یہ پوچھے کوئی
 کیا حرم کا تحفہ نہ مزم کے سوا کچھ بھی نہیں



الہی عقل خجستہ پے کو ذرا سی دیوانی سلھاوے
 اے سہ سووائے بخندہ کاری مجھے سر پرین نہیں سے
 ملا محبت کا سو مجھ کو تو بولے صبح ازل فرشتے
 مثال شمع مزار ہے تو تری کوئی انجن نہیں سے

یہاں کہاں ہم نفس مستیزدیں ناستہائے دل
 وہ چیز تو مانگتا ہے مجھ سے زیر پرچ کس نہیں ہے
 نرالا ہے جہاں کے اس کو عرب کے معانے بنایا
 بنا ہے حصارِ ملت کی اتحاد و وطن نہیں ہے
 کہاں کا انا کہاں کا جانا فریب سے امتیازِ عقیقی
 نو و شے میں سے ہماری کہیں کہاں وطن نہیں ہے

مذہبِ مخزن سے کوئی اقبال جاگے میرا پیام کہہ دے
 جو کا کچھ لکھی ہیں میں انھیں مذاق سخن نہیں ہے



زمانہ دیکھے گا جب مرے دل سے محشر اٹھے گا گفتگو کا
 مری خموشی نہیں ہے، لویا مزار ہے حرفِ آرزو کا
 جو موج دریا لگی یہ کہنے سفر سے قائم ہے شانِ میری
 گھر یہ بولا صد نشینی ہے مجھ کو سامانِ آبرو کا
 نہ ہو طبیعت ہی جن کی قاتل وہ تربیت سے نہیں شور تے
 ہوا نہ سر سبزہ کے پانی میں عکس سر و کسارِ جو کا
 کوئی دل ایسا نطن نہ آیا نہ جس میں خوابیدہ ہوتا
 الہی تیرا جہان کیا ہے، نگارِ نہ ہے آرزو کا

کھسلا یہ مر کر کہ زندگی اپنی تھی طلسم ہوس سراپا
جسے سمجھتے تھے جسم خالی غیب ارتھا کو ہے آرزو کا

اگر کوئی شے نہیں ہے نہاں تو کیوں سراپا تلاش میں
ننگہ کو نظارے کی تمنا ہے، دل کو سودا ہے جستجو کا

چمن میں گھسیں سے غنچہ کھتا تھا، اتنا سیدرو کیوں ہے انسا
ترمی نگاہوں میں ہے تہہ شکستہ ہونا مرے سبو کا

ریاض ہستی کے فترے سے ہے محبت کا جلوہ پیدا
حقیقتِ گل کو تو جو سمجھے تو یہ بھی پھیاں ہے رنگ بو کا

تمام مضمون مرے پرانے، کلام میرا خطا سراپا
ہنر کوئی دیکھتا ہے مجھ میں تو عیب میرے عیب جو کا

سپاس شرطِ ادب ہے ورنہ کرم ترا ہے ستم سے بڑھ کر
ذرا سا ال دل دیا ہے وہ بھی فریب خوروہ ہے آرزو کا

کمالِ وحدت عیاں ہے ایسا کہ نول نشتر سے تو جو چھیرے
یقین ہے مجھ کو لرے رل گل سے قطرہ انسان کے لہو کا

گیاتے تھے کہ زمانہ مجازت سفر اٹھاتے
ہوئی حقیقت ہی جب نمایاں تو کس کو یارا ہے کفایت کو کا

جو گھر سے اقبال دور ہوں میں تو ہوں نہ محزون عزیز میرے
مشال کو ہر وطن کی فرقت کمال ہے یہی آبرو کا



چمکتی تیری بلی میں آتش میں شرار میں
بلندی آسمانوں میں زمینوں میں تری پستی
شہرت کیوں میراں گیسو ذوق تکلم کی
جو ہے بیدار نساں میں گہری نیند سو تار کے
مجھے چھو نکا ہے سوزِ قطرہ اشکِ محبت نے
نہیں جنسِ ثوابِ آخرت کی آرزو مجھ کو
سکونِ ناشناس ہنسائے سامانِ ہستی ہے

جھکتی ہی بید چاند میں سوج میں تارے میں
روانی بھر میں ہفت اولی تیری کنارے میں
چھپا جاتا ہوں اپنے دل کا مطلب تارے میں
شجر میں مھول میں حواں میں شجر میں ستارے میں
غضب کی آگ تھی پانی کے چھوٹے ستارے میں
وہ سوا کونوں میں نے نفع دیکھا خسارے میں
تڑپ کس دل کی مار چھپ کے ابھی سے مارے میں

صدائے لہجہ انی سن کے اقبال میں چپ چپ

تقاضوں کی کہاں طاقت ہے مجھ فرقت کے رکے میں

۱۶۲

بانگے درا

۱۲۸



یوں تو لے بزمِ جہاں بولکش تھے منگام تر
 ال ذرا افسردگی تیرے تماشوں میں تھی
 پالسی آسودگی کوئے محبت میں وہ خال
 مدتوں آوارہ جو حکمت کے صحراؤں میں تھی
 کس قدر اے مے تجھے رسمِ حجاب کی پسند
 پردہ انگور سے نکلی تو بیسیاؤں میں تھی
 حسن کی تاثیر پر غالب نہ آسکتا تھا علم
 اتنی نادانی جہاں سائے لہاؤں میں تھی

میں نے اے اقبال کوپ میں اُسے ٹھونڈا
 بات جو ہندوستان کے ماہِ سیماؤں میں تھی



مشال پر تو مے طوفِ جام کرتے ہیں
 یہی نہ سازا دوا صبح و شام کرتے ہیں
 خصوصیت نہیں کچھ اس میں اے کلیم تری
 شجرِ حبر بھی خدا سے کلام کرتے ہیں
 نیا جہاں کوئی اے شمع اڑھو ٹپکے کہ یہاں
 ستم کشش تیشِ ناتمام کرتے ہیں
 بھلی ہے ہم نفسو اس چمن میں خاموشی
 کہ خوشنواؤں کو پابندِ دام کرتے ہیں
 غرض نشاط ہے شغلِ شراب سے جن کی
 حلال چیز کو لویا حرام کرتے ہیں
 بھلا نہ بھلی تری ہم سے کیونکر اے وعظا
 کہ ہم تو رسمِ محبت کو عام کرتے ہیں

الہی سے پیر پیرانِ حق پر پوش میں کیا
کہ ال نظ سے جانوں کو رام کرتے ہیں
میں اُن کی محفلِ عشرت سے کانپ جاتا ہوں
جو لہر کو مچھوٹا کر کے دنیا میں نام کرتے ہیں
ہرے ہو وطنِ مازنی کے سید انوا
جہاز پر سے تمہیں ہم سلام کرتے ہیں

جو بے نماز کبھی پڑھتے ہیں سزا اقبال
بگائے دیر سے مجھ کو امام کرتے ہیں



مارچ ۱۹۰۶ء

زمانہ آیا ہے بے حسابی کا، عام دیدار یار ہوگا
سکوت تھا پر وہ وار جس کا، وہ راز اب آشکار ہوگا
گزر گیا اب وہ دور ساقی کہ چھپ کے پیتے تھے پینے والے
بنے گا سارا جہان مہینا نہ، ہر کوئی بانِ خوار ہوگا
کبھی جو آوارہ جنوں تھے وہ بستیوں میں پھر آئیں گے
برہنہ پائی وہی رہے گی، مگر نیا حن رزار ہوگا

۱۲۶
باقی ہے در
۱۵۰

سنا دیا گوش منتظر کو جب از کی خاشی نے آخر
جو عہد صحرا تیوں سے باندھا گیا تھا، پھر اُستوار ہو گا

نکل کے صحرا جس نے رومالی سلطنت کو اٹھ دیا تھا
سنا ہے یہ قدسیوں میں نے وہ شیر پھر ہوشیار ہو گا

کیا مرا تذکرہ جو ساقی نے بادہ خواروں کی انجمن میں
تو پیرینا نہ سن کے کہنے لگا کہ منہ پھٹ ہے خوار ہو گا
دیار مغرب کے رہنے والو! خدا کی بستی دکاں نہیں ہے

کھرا جسے تم سمجھ رہے ہو، وہ اب زبر کرم عیار ہو گا
تمہاری تہذیب اپنے پنجے سے آپہنچے خوشی کے کی

جو شاخ نازک پہ اشیانہ بنے گا، ناپائدار ہو گا
سفینہ برکِ گل بنائے گا قافلہ سوزِ ناتواں کا

ہزار موجوں کی چوٹیاں گس گس مگر یہ دریا سے پار ہو گا
چمن میں لالہ دکھاتا پھرتا ہے داغ اپنا کلی کلی کو

یہ جانتا ہے کہ اس دکھاوے سے دل جلوں میں شمار ہو گا

جو ایک تھالے نگاہ ٹونے ہزار کر کے ہمیں دکھایا
 یہی کیفیت تیرے تیری تو پھر کے اعتبار ہوگا
 کہا جو قمری سے میں نے ان دن یہاں کے ازاد پائیل ہیں
 تو غنچے کھنکھنے لگے ہمارے چمن کا یہ راز وار ہوگا
 خدا کے عاشق تو ہیں ہزاروں نبوں میں پھرتے ہیں مارے مارے
 میں اُس کا بند نبوں کا جس کو خدا کے بندوں سے پیار ہوگا
 یہ رسم بزمِ فنا ہے لے دل ابلت ہے جنبشِ نظر بھی
 رہے لی کیا آبرو ہماری جو تو یہاں بے قرار ہوگا
 میں ظلمتِ شب میں لے کے نکلوں گا اپنے در ماندہ کاروں کو
 شرفشاں ہوگی آہِ تیری، نفسِ مہاشعلہ بار ہوگا
 نہیں ہے غم سے راز نمود کچھ بھی جو مدعا تیری زندگی کا
 تو ان نفس میں جہاں سے مٹنا تجھے مثالِ شرار ہوگا
 نہ پوچھ قبیل کا ٹھکانا ابھی وہی کیفیت ہے اُس کی
 کہیں سہرا گزار بھیج ستم کشِ منتظر ہوگا

حصہ سوم

(۱۹۰۸ء سے)



۱۶۹
پانچویں حصہ
۱۵۳

معدود
معدود

(۲) سرزمین دنی را بخورند هم رسیده است - درین در شمع پودر معطر شده هزاران گوی
 پاک در او زلف کشانند و بر یکدیگر نرم - خالصت و صفا بر او در آن بر
 رویش در آن کرم خورده است بخور - تلخ و صاف و بر کس مکتوب پرده او
 در آن در آن بر او در آن مکتوب پرده او
 مدینه مدینه که در آن مکتوب پرده او

(۳) جز باریت نامم گویند آن هم در (در آن کرات) هر مقدار برین بنیاد می
 برین مکتوب پرده او در آن مکتوب پرده او - در آن مکتوب پرده او
 مکتوب پرده او در آن مکتوب پرده او - مکتوب پرده او در آن مکتوب پرده او
 مکتوب پرده او در آن مکتوب پرده او
 مکتوب پرده او در آن مکتوب پرده او

(۴) سرزمین دنی را بخورند هم رسیده است - درین در شمع پودر معطر شده هزاران گوی
 پاک در او زلف کشانند و بر یکدیگر نرم - خالصت و صفا بر او در آن بر
 رویش در آن کرم خورده است بخور - تلخ و صاف و بر کس مکتوب پرده او
 در آن در آن بر او در آن مکتوب پرده او
 مدینه مدینه که در آن مکتوب پرده او



بانگ
۱۵۲

بلا و اسلامیہ

سز میں آئی کی سجو و دل عنم ویدہ ہے
 ڈرتے وقتے میں لہو اسلاف کا خوابیدہ ہے
 پاک اس اُجڑے گھڑے گھڑاں کی نہ ہو لہو لکڑیاں
 خانقاہ عفتِ اسلام ہے یہ سز میں
 سوتے ہیں اس خال میں یہ لہو لکڑیاں
 نظم عالم کارہا جن کی حکومت پر مدار

دل کو ٹڑپاتی ہے اب تک گھڑی گھڑی کی
 حل چکا حاصل مگر محفوظ ہے حاصل کی

یہ زیارت گاہِ سلم کہ جہاں آبا بھی
 اس کرامت کا لہو حق و اے بے بند ابھی
 یہ چمن وہ ہے کہ تھا جس کے لیے سامانِ ناز
 لالہ صحراب جسے کہتے ہیں تہذیبِ باز
 حال اس سب کی ہو لہو لکڑیاں نہ ہمدوش ارم
 جس نے دیکھے جاشینانِ پیر کے قدم

جس کے غنچے تھے چمنِ سامان وہ گلشن ہے یہی

کانپتا تھا جن سے رو ماناں کا مدفن ہے یہی

ہے زمینِ قرطبہ بھی دیدہ مسلم کا نور
 نخلتِ مغرب میں جو روشن تھی مثلِ شمعِ طور
 بچھ کے بزمِ ملتِ بصریہ پریشاں کرتی
 اور دیا تہذیبِ حاضر کا سنہ زراں کرتی

قبرِ اس تہذیب کی یہ زمینِ پاک ہے
 جس سے نالِ گلشنِ یورپ کی گل نم ناک ہے

خطۂ قسطنطنیہ یعنی قصیر کا دیا
 مہدی اُمت کی سطوت کا نشان پائدا
 صوتِ حالِ مسلم یہ سرزمین بھی مال ہے
 استانِ سندر کے شہِ لولاک ہے
 نہتِ گل کی طرح پاکیزہ ہے اس کی ہوا
 تربتِ ایوب انصاری سے آتی ہے صدا

اے سمانِ ملتِ اسلام کا دل ہے شہر
 سیکڑوں صدیوں کی گشتِ خون کا حاصل ہے شہر

وہ زمیں ہے تو مرا ہے اب گہِ مصطفیٰ
 خاتمِ ہستی میں تو تاباں ہے مانندِ نجیب
 جس کے دل میں ماںِ قوامِ عالم کو ملی
 تجھ میں اُحتِ اس شہنشاہِ معظّم کو ملی
 دید ہے کعبے کو تیری حجِ اکبر سوا
 نامِ لیوا جس کے شاہِ منشاہِ عالم کے سوتے
 اپنی عظمت کی مِلاوت گاہ تھی تیری زمیں
 جانشینِ قصیر کے وارثِ مسندِ جم کے سوتے
 ہند ہی بنیاد ہے اس کی نہ فارس ہے نہ شام
 ہے الرقوبیتِ اسلام پابندِ مقام

۱۷۲
 بانگِ ودا
 ۵۶

اے شریکِ دینِ مسلم کا تو ماوا ہے تو نقطہ جاؤب تاثر کی شعاعوں کا ہے تو

جب تک باقی ہے تو دنیا میں باقی ہم بھی ہیں

صبح ہے تو اس چمن میں گو شبنم بھی ہیں

ستارہ

قمر کا خوف کہ ہے خطرہ سحر تجھ کو
مبارع نور کے لٹ جانے کا ہے ڈر تجھ کو
میں سے نور یا آسماں نے کھر تجھ کو
مساں ماہ اڑھائی قبائے زر تجھ کو
مالِ حسن کی کیا بل لسی خبر تجھ کو؟
ہے کیا ہر اس فن صورتِ شمر تجھ کو؟
مساں ماہ اڑھائی قبائے زر تجھ کو

غضب سے پھر تری تھی سی جان ڈرتی ہے!

تمام رات تری کانپتے کزرتی ہے

چمکنے والے مسانہ عجیب یہ تھی ہے
اصل ہے لاکھوں ستاروں کی اک و لاوتِ مہر
وواعِ غنچہ میں ہے از آفرینش گل
سکوں محال ہے قدرت کے کا خانے میں
جو اوج ایک کانے دوسرے کی پستی ہے
فنائی یہ سندھے زندگی کی کستی ہے
عدمِ عدم ہے کہ آئینہ و ہرستی ہے
ثبات ایک تغیر کو ہے زمانے میں

دوستارے

اے جو قرآن میں دوستارے کہنے لگا ایک دوست سے

یہ وہ سالِ مدام ہو تو کیا خوب انجامِ حسدِ مدام ہو تو کیا خوب

تھوڑا سا جو سببِ فلک ہو

ہم دونوں کی ایک ہی چمک ہو

لیکن یہ وہ سال کی تمنا پیغامِ شوق تھی سراپا

گردش تاروں کا ہے مستدر ہر ایک کی راہ ہے مقصد

ہے خوابِ ثباتِ اشنائی

آئینِ جہاں کا ہے بدائی

گورستانِ شاہی

آسمانِ بادل کا پنہ ختمِ دیرینہ ہے کچھ عطرِ سببِ حسین ماہ کا آئینہ ہے

چاندنی پھسلی ہے اس نظرِ خاموش میں صبحِ صباؤق سوہی ہے رات کی اغوش میں

۱۴۲

بانگِ درا

۱۵۸

کس قدر اشجار کی حیرت فزا ہے خاشی بربطِ قدت کی دھیمی سی نول ہے خاشی

باطن پر زور عالم سراپا درو ہے

اور حنا موٹی لبتی پہاڑ ہے

آہِ اجولان کا عالمِ کفر یعنی وہ حصار روشن پر اپنے اٹھائے سیٹروں صدیوں کا بابا
زندگی سے تھا کبھی سوا بستان ہے یہ خموشی اس کے ہنگاموں کا گورستان ہے

اپنے سگان کٹن کی حال کا دلدادہ ہے

کوہ کے سر پر پالیاں ساو ہے

ابر کے رزون سے ہالائے بامِ آسماں ناطقِ عالم ہے نجمِ بزمِ بامِ آسماں
خالِ بازمی وسعتِ دنیا کا ہے منظر اسے وہ ستارے کا مری انساں کی ہے ازبر اسے
پے ازل سے یہ فرسوتے منزلِ جا رہا آسماں سے نفتِ لابون کا تماشہ کھینتا
گو سکون ممکن نہیں عالم میں خست کے لیے فاتحِ خوانی کو ٹھہرا ہے دم مہر کے لیے

زندگِ آپ ندلی سے گلِ بدامن ہے زمیں

سیٹروں خوں شستہ تہذیبوں کا دفن ہے زمیں

خواب گے شاہوں کی ہے یہ منزلِ حسرت فزا دیدہ عبرتِ اخراجِ اشکِ کللوں کراوا

ہے تو کورستان مگر یہ حال لڑوں پایہ سے
اے اہل برکتہ قسمت قوم کا سٹریہ سے
مقبروں کی شان حیرت آفریں ہے اس قدر
جنشیں مژگان سے ہے چشم تماشا کو حد

کیفیت ایسی ہے ناکامی کی اس تصویر میں
جو اثر سکتی نہیں آتی تہ تحت میں

سوئے ہیں خاموشی آباویں کے گنگاموں کے دور
مضطرب لکھتی تھی جن کو آرزوئے نامہ سبور
قبر کی عظمت میں ہے ان فہت ابوں کی چمک
جن کے درازوں پہ رہتا تھا جب میں تتر فلک
کیا یہی ہے ان شہنشاہوں کی عظمت کا مال
جن کی تدبیر جہاں مانی سے ڈرتا تھا زوال
عرب فغفویٰ میں دنیا میں کہ شان قصیری
مل نہیں سکتی غنیم موت کی پوشش کبھی

بادشاہوں کی بھی نشتِ عمر کا حاصل ہے لو
جادہ عظمت کی لو یا آخری منزل ہے لو

شورشِ بزمِ بربک کیا عموولی تقیر کیا
درومندان جہاں کا مالہ شبگیر کیا
عصر پہ پیکار میں ہنکار شمشیر کیا
خون لو کر مانے والے نے تیر کیا

اب کوئی آواز سوسوں کو جگا سکتی نہیں
سینہ سویراں میں جانِ فہت آسکتی نہیں

۱۲۶
بانگے ورا
۱۶۰

روح ہشت خال میں حمت کش سداوے
کو چمرونے ہو جس دم نفس سداوے
زندگی انساں کی ہے نانت مرغ خوشنوا
شاخ پڑھیا کوئی دم چھپایا اڑ گیا
اہ! لیا آئے ریاض و ہر میں ہم لیا لے تا
زندگی کی شاخ سے ٹھوڑے لکھنے، و جھالے

موت ہر شاہ و لدا کے خواب کی تعبیر ہے

اس تم لکر کا ستم انصاف کی تصویر ہے

سلسلہ ہستی کا ہے انکس نر پیدا کنار
اور اس درمیانے بے پامی کی جو بس میں نہا
اے ہوسن خون کو کہ ہے یہ زندگی بے اعتبار
یہ شرکے کا ستم خیر آتش سوا
چاند جو صورت گریستی کا ال اعجاز ہے
پہنے سیما بی قب مجھ نہ ام ناز ہے
چرخ بے نجم کی ہشت نال و سعت میں مگر
بیکسی اس کی کوئی دیکھے فرا وقت سحر

اگر فرسا ابر کا ٹکڑا ہے جو ہست تاب تھا

اختری انسو ٹپک جانے میں جو جس کی فنا

زندگی اقوام کی بھی ہے یونہی بے عتبا
زندگی اقوام کی بھی ہے یونہی بے عتبا
اس زماں خانے میں کوئی ملت گروں و قاف
رہ نہیں سکتی ابد تک بار ووشن روزگار
اس قدر قوموں کی بربادی سے ہے خولر جہاں
دیکھتا بے عتسائی سے ہے منظر حبال

۱۴۴
دانق سے در
۱۶۱

ایک صورت پر نہیں رہتا کسی شے کو قرا
ذوقِ جدت سے ہے ترکیبِ پنج روزگار

ہے ملکینِ ہیر کی زینت ہمیشہ نامِ نو

ماورِ کستی رہی استنِ اقوامِ نو

ہے ہزاروں قافلوں سے آشنا یہ لہز
چشمِ کوہِ نور نے دیکھے ہیں کتنے تاجو

مصرِ بابل بٹکتے، باقی نشان تک بھی یہ
دفترِ ہستی میں ان کی داستان تک بھی نہیں

ادبایا ہر ایراں کو جہل کی شام نے
عظمتِ یونان و روم لوٹ لی ایام نے

اے مسلم بھی زمانے سے یونہی رخصت ہوا

اسماں سے آبرِ آذاری اٹھا برس گیا

ہے گلِ صبح کے اشکوں سے موتی کی لڑی
کوئی سوج کی لہر نہ چشم میں سے اُلجھی ہوئی

سینہ سوراٹنا عوں کے لیے لہوار ہے
کس قدر پیارا لبِ جوہر کا لطف ہے

مجزو زینت سے صنوبر جو بہار آئینہ ہے
غنچہ گل کے لیے باو بہار آئینہ ہے

نعرہ زن رہی کہ کوئل باغ کے کاشانے میں
چشمِ انساں سے نہاں تپوں کے عزت خانے میں

اور جہلِ مطبِ برنگیں نوائے گلستاں
جس کے دم سے زندہ ہے گویا ہوائے گلستاں

عشق کے ہنگاموں کی اڑتی ہوئی تصویر ہے
خاصہ قدرت کی کیسی شوخ تیر ہے

باغ میں خاموش جلسے طرستانِ لادوں کے ہیں
 واوی لہسار میں نعیرے شبانِ لادوں کے ہیں
 زندگی سے یہ پُرانا حالِ اداں مسور ہے
 موت میں بھی زندگانی کی تڑپ ستور ہے
 چپٹیاں بھولوں کی لڑتی ہیں ان میں اس طرح
 دستِ طفلِ خفت سے زنجیریں کھلونے جس طرح

اس نشاطِ آباد میں جو عیش بے انداز ہے

ایک عیش یعنی نعمت ہمیشہ تازہ ہے

دل ہمارے باوجود فرت سے خالی نہیں
 اپنے شاہوں کو یہ امت بھولنے والی نہیں
 اشکِ باری کے بہانے ہیں یہ اجڑے بامِ در
 گریہ پیسہ سے بیابانِ ہمارے چشمِ در
 دہر کو دیتے ہیں موتی ویدہ لریاں کے ہم
 آخری بادل ہیں ال لڑے سوتے طوفان کے ہم
 ہیں ابھی صند ہانہ اسن کی آغوش میں
 برق ابھی باقی ہے اس کھیندہ خاموش میں
 واوی گلِ خالص کو بنا سکتا ہے
 خواب سے تیرے ہفتاں کو جگا سکتا ہے

ہو چکا کہ قوم کی شانِ جدالی کا ظہور

ہے مگر باقی ابھی شانِ جدالی کا ظہور



صباح نمود

ہو رہی ہے نیرِ امانِ اُشوق سے آشکا
 پانچکا فرصت درودِ فصلِ نخبم سے سپر
 آسماں نے آمدِ خورشید کی پاؤں خبر
 شعلہ خورشید کو یا حاصل اس کھیتی کا
 ہے وہاں نخبم سحر جیسے عبادت خانے سے
 کیا سماں ہے جس طرح آہستہ آہستہ کوئی
 مطلع خورشید میں مضربے ہر یوں مضمونِ صبح
 ہے تیرہ امانِ باوجودِ سلاطینِ صبح
 صبح یعنی خستہ روشیرہ لیل و نہا
 کشتِ خاور میں ہو ہے آفتاب تیسرہ کا
 محلِ پروازِ شب باندہ حاسرہ و شہرِ عباد
 بوترے تھے سہانہ گونے جو تاروں کے شرار
 سے سچھے جانے کوئی عابدِ شب زندہ
 کھینچتا ہو میان کی ظلمت سے تیغِ آوار
 جیسے خلوت گاہِ دنیا میں شرابِ خم شگوار
 شورشِ ناقوسِ آوازِ ازاں سے ہمکنار

جلے کوئل کی ازاں کے کھارے نغمہ سنج

ہے تو تم ریزت انون سحر کا تار



۱۸۰
 بانگِ درا
 ۱۹۲

تضمین بر شمر انجمنی شاملو

ہمیشہ صورتِ باو سحر آوارہ رہتا ہوں
 دل بیتاب جا پہنچا دیارِ پیہرِ بھر میں
 محبت میں سچ منزل سے بھی خوشتر جاوہ پیمانے
 میسر ہے جہاں وہاں دروہنا شکیبائی
 ابھی نا اشنائے لب تھا صرف آرزو میرا
 یہ مقدس صدا آئی جسم کے پہنے والوں کو
 ترا کے یس کیونکر ہو گیا سو زوروں ٹھنڈا
 کہ لیلیٰ میں تو میرا بت تک وہی انداز لیلیائی
 نہ تخمِ لالہ تیری زمین شور سے چھوٹا
 زمانے بھر میں سوا ہے تیری فطرت کی نازائی
 تجھے معلوم ہے غافل کہ تیری ندی کیسے
 گنشتی سازِ معسوم نو اہلے کلیسانی
 دل شوید ہے لیکن سنم خانے کا سوانائی
 پہونی ہے تربیتِ آغوش بیت اللہ میں تیری

”وفا دوستی ازما بکار و گیراں خموی“

ربوومی کوہرے ازما نثار و گیراں خموی“



فلسفہ غم

(میاں فضل حسین صاحب پیرسٹریٹ لارڈ لاکھ کے نام)

گوسرا یا کیفِ عشرت سے شرابِ زندگی
اشک بھی رکھتے ہیں میں سحابِ زندگی

موجِ غم پر رقص کرتا ہے جبابِ زندگی
پے الم کا سُورہ بھی جُز و کتابِ زندگی

ایک بھی تپی الرکم ہو تو وہ گل ہی نہیں

جو خزانِ ناویدہ ہو بیل وہ بیل ہی نہیں

ارتک کے خون سے رنگیں ہوں کی دستا
نعمتِ انسانیت کامل نہیں یہ اترنغاں

ویدہ بنیا میں داغِ غم چراغِ سینے سے
روح کو سامانِ زینتِ آہ کا آئینے سے

عاداتِ غم سے ہے انسان کی فطرتِ کمال
خازن ہے آئینہ دل کے لیے لرو ملا

غمِ جوانی کو جگا دیتا ہے لطفِ خواب سے
سازی بیدار ہوتا ہے اسی مضراب سے

طاہر دل کے لیے غمِ شہرِ پرواز ہے
راز ہے انسان کا دل غمِ آشافِ راز ہے

غم نہیں غم، روح کا اک نعمتِ خاموش ہے

جو سُرورِ بربطِ ہستی سے ہم غمِ خوش ہے

۱۸۲
بانگِ درا
۱۶۶

شام جس کی آشنائے نالہ یارب نہیں
 جلوہ پیراجس کی شب میں اشکے کو لب نہیں
 جس کا جام دل شکستیم سے نہ آشنا
 جو دست شربت شیش عشرت ہی ما
 ہاتھ جس گلچیں کا ہے محفوظ نول خار سے
 عشق جس کا ہے خیر سے سحر آزار سے
 کلفتیم اگرچہ اس روز شب سے دوسرے
 زندگی کا راز انس کی آنکھ سے سو رہے

اے کہ نظنم سر کا اورا کے حاصل تجھے

کیونچہ آسان ہو غم اندوہ کی منزل تجھے

چاہدے کسے دورینہ کی تہیہ عشق
 عقل انسانی ہے فانی زندہ جاوید عشق
 عشق کے خورشید شام اہل شربت سے
 عشق ہو زندگی ہے تا ابد پائند ہے
 رخصت محسبہ کا مقصد ہوتا اگر
 جوش اُفت بھی اے عاشق سے کر جاتا سفر
 عشق کو چھوڑنے سے مر جاتا نہیں
 روح میں غم بن کے ہتائے مگر جاتا نہیں

چہ بقاء عشق سے پیدا بقا محبوب کی

زندگانی ہے صدمہ آشنا محسبہ کی

آتی ہے تہیہ حسین کو سے گاتی ہوئی
 آسمان کے طاروں کو نغمہ سکھلاتی ہوئی
 آتہ روشن اس کا صوت رخسار جو
 گرے ادوی کی چٹانوں پر چو جاتا ہے چو

نہر جو تھی اس کو پھر پیسے پیا گئے
 یعنی اس اُفتاد سے پانی کے تارے بن گئے
 جوئے سیماں پھٹ کر پشیمان ہو گئی
 مضطرب بوندوں کی اک دنیا نمایاں ہو گئی
 بجز ان قطروں کو بسین و سل کی تعلیم سے
 دو قدم بچھڑی جو ہوشیار تارے سے
 ایک صہیت میں ہے سوان زندگی
 لڑکے رفت سے سچوم نوع انساں بن گئی

پستی عالم میں رہنے کو جدا سوتے ہیں ہم
 عارضی فرقت کو دائم جان کر روتے ہیں ہم

مرزوالے مرتے ہیں لیکن فنا سوتے نہیں
 یہ حقیقت میں کبھی ہم سے جدا سوتے نہیں
 عقل جس دم دہر کی آفات میں محصور ہو
 یا جوانی کی اندھیری رات میں ستور ہو
 دہن دل بن گیا ہوزم کاہ خیر و شر
 راہ کی ظلمت سے ہو شکل سو منہ سنل سفر
 خضر ہمت ہو گیا ہوا رزق سے گوشگیر
 فخر عجب خیر ہو اور خاموش اور ضمیر
 واوی ہستی میں کوئی ہم نہ ترک بھی ہو
 جاوہ کھلانے کو جلتے کاشر تک بھی ہو

مرزوالوں کی جبیں روشن ہے اس ظلمات میں
 جس طرح تارے چمکتے ہیں اندھیری رات میں



پھول کا تحفہ عطا ہونے پر

وہ مست ناز گلشن میں جا سکتی ہے کھلی کھلی زبان سے دعا نکلتی ہے

”الہی پھولوں میں وہ انتخاب مجھ کو کرے

کھلی سے رشک گل آفتاب مجھ کو کرے“

تجھے وہ شاخ سے توڑیں ازبے نصیب تھے تڑپتے رہ گئے گلزار میں رقیب تھے

اٹھکے صدر زلفت وصال تک پہنچا تری حیات کا جو ہر کمال تک پہنچا

مرا کنول کہ تصدق میں حسن و اہل نظر مے شباب کے گلشن کو ناز ہے حسن بچ

کبھی یہ پھول ہم آغوش شوق عانہ ہوا کسی کے دامن رنگیں سے آشنا نہ ہوا

شگفتہ لڑنے سے لے لی کبھی ہر سے

فسرہ رکھتے گلچیں کا منتظر سے



ترانہ ملی

چین و عرب ہمارا ہندوستان ہمارا
 توحید کی انستینوں میں ہے ہمارے
 دنیا کے بت لڑوں میں پہلا وہ کھرخدا کا
 تیغوں کے سکتے میں ہم مل کر جواں ہوتے ہیں
 مغرب کی ادویوں میں گونجی اذان ہماری
 باطل سے دہنے والے اے آسمان نہیں ہم
 اے گلستانِ اندلس! وہ دن ہیں تجھ کو
 اے موجِ جبلت! تو بھی پہچانتی ہے ہم کو
 اے ارضِ پاک! تیری حرمت پہ کٹ کے ہم
 سالارِ کارواں ہے میرے حجاز اپنا
 مسلم ہیں ہم، وطن ہے سارا جہان ہمارا
 آسماں نہیں سٹانا نام و نشان ہمارا
 ہم اس کے پاسباں ہیں وہ پاسباں ہمارا
 خنجرِ ملال کا ہے قومی نشان ہمارا
 تھمتانہ تھا کسی سے سیلِ رواں ہمارا
 سو بار کر چکا ہے تو آتھساں ہمارا
 تھا تیری ڈالیوں پر جب اشیاں ہمارا
 اب تک ہے تیرا دریا افسانہ خواں ہمارا
 ہے خونِ تری گلوں میں اب تک واں ہمارا
 اس نام سے ہے باقی آراجم ہمارا

اقبال کا ترانہ بانگِ درا ہے گویا

ہوتا ہے جسادہ پیمائے کلرواں ہمارا

۱۸۶
بانگِ درا
۱۶۰

وطنیت

(یعنی وطن بحیثیت ایک سیاسی تصویقے)

اس دور میں اور بچے عالم اور بچے جسم اور
ساقی نے بنالی روشن لطف و ستم اور
مسلم نے بھی تعمیر کیا اپنا جسم اور
تہذیب کے آزر نے ترشوائے جسم اور

ان بازو ہند آؤں میں اس کے وطن ہے

جو پیر میں اس کا بچے ہند مذہب کا کفن ہے

یہ بت کہ ترشید تہذیب نفی ہے غارت گر کاشا نہ دین نبوی ہے
بازو ترا تو حید کی قوت سے قوی ہے اسلام ترا ویسے تو مصطفوی ہے

نظارہ دیرینہ زمانے کو دکھانے

اصطفا فوی خال میں اس بت کو بلا دیا

ہو قید امت می تو نتیجہ ہے تباہی رہ جسم میں آزاد و وطن صورت تباہی
ہے ترک وطن سنت محبوب تباہی دے تو بھی نبوت کی صداقت سے پوواہ

گنہگار سیاست میں وطن اور پی کچھے

ارشاد نبوت میں وطن اور پی کچھے

اقوام جہاں میں ہے قابت تو اسی کے

تسخیر ہے مقصود تجارت تو اسی کے

خالی ہے صداقت کے سیاست تو اسی کے

کنزور کا لہر ہوتا ہے غارت تو اسی کے

اقوام میں مخلوق خدا بنتی ہے اس کے

قومیت اسلام کی صبر لٹتی ہے اس کے

ایسا جی مدینے کے راستے میں

قافلہ لوٹا لیا صحرا میں اور منزل ہے دور

ہم سفر میرے شکار و شہنشاہ رہزن ہوتے

اس نجانے جو اس نے کس خوشی سے جان دی

خجر رہزن اُسے گویا بلال عید تھا

خوف کہتا ہے کہ شرب کی طرف تہمانہ چل

بے یارت سوئے بیت اللہ پھر جاؤں گا لیا

اس بیاباں یعنی بجز خشک کا ساحل ہے دور

بچ گئے جو ہوئے بے دل سوئے بیت اللہ پھر

موت کے زہر اب میں پاتی ہے اس کے زندگی

ہاتے شرب دل میں لب پر نعرہ توحید تھا

شوق کہتا ہے کہ تو مسلم ہے بے باکانہ چل

عاشقوں کو روزِ محشر منہ نہ دکھلاؤں گا لیا

خوفِ جان لکھتا نہیں کچھ دشتِ پیائے حجاز
 ہجرتِ مدفونِ شریب میں یہی مخفی ہے از
 گو سلاستِ محلِ شامی کی ہمراہی میں ہے
 عشق کی لذتِ مگر خطروں کی جان کا ہی ہے

سہ عمتِ زبیاں انہیں کیا چالا ہے

اور تاثر آدمی کا کس قدر بے باک ہے

قطعہ

کل ایک شوریدہ خواب گاہِ نبیؐ پر رو رو کے کہہ رہا تھا
 کہ مصر و ہندوستان کے مسلم بنائے تے ملتِ ہمارے ہیں
 یہ زائرانِ حرمِ مغرب ہزار ہا برس نہیں ہمارے
 ہمیں بھلا ان سے اسطے کیا جو تجھ سے بنا اشارے ہیں
 غضب ہیں یہ مُرشدانِ خود ہیں خداتری قوم کو بچائے
 بگاڑ کر تیسے مسلمانوں کو یہ اپنی عزت بنا رہے ہیں
 نئے کا قبائل کون ان کو یہ نجس ہی بدل گئی ہے
 نئے زمانے میں آپ ہم کو پرانی باتیں سنار ہے ہیں

شکوہ

کیوں کیاں کاربنوں سود فراموش رہوں فکر نہ کرانہ کروں مجو غم و دوش رہوں

نالے بیل کے سنوں اور پتہ تن گوشن رہوں ہم نوائیں بھی کوئی گل ہوں کہ خاموش رہوں

جرات آموز میری تاپ سخن ہے مجھ کو

شکوہ اللہ سے خاتم بدہن ہے مجھ کو

ہے سبب شکوہ تسلیم میں شہور ہیں ہم قصہ درد سناتے ہیں کہ مجبور ہیں ہم

ساز خاموش ہیں فریاد سے سہور ہیں ہم نالہ آتا ہے کرب پہ تو معذور ہیں ہم

اے خدا! شکوہ ارباب و فابھی سن لے

خوارم سے تھوڑا سا کھلا بھی سن لے

تھی تو موجود ازل سے ہی تیری اسے قدیم

بے گن گھنٹی کی طرح جو ہوتی نہ نسیم

شرط انصاف ہے اے صاحبِ الطافِ عمیم

ہم کو جمعیتِ خاطر یہ پریشانی تھی
ورنہ امت سے محبت کی دیوانی تھی؟

ہم سے پہلے تھا عجیبے سر جہاں کا منظر
کہیں مسجود تھے پتھر کہیں مسجود شجر
خول پر یہ محسوس تھی انساں کی نظر
مانتا پھر کوئی ان دیکھے حند لولہ نو نگر

تجھ کو معلوم ہے لیتا تھا کوئی نام ترا؟
قوتِ بازوئے سلم نے کیا کام ترا

بس ہے تھے یہیں سلجوق بھی تو رانی بھی
اہلِ چینِ چین میں ایران میں ساسانی بھی
اسی سوئے میں آباد تھے یونانی بھی
اسی دنیا میں یہودی بھی تھے نصرانی بھی

پر ترے نام پہ تلوار اٹھائی کس نے
بات جو بگڑی ہوئی تھی وہ بنائی کس نے

تھے ہیں ایکے سے کراؤں میں
خشکیوں میں کبھی لڑتے کبھی دریاؤں میں
دیں اذانیں کبھی یورپ کے کلیساؤں میں
کبھی افستہ کے پتے پتے صحراؤں میں

شانِ انکسوں میں نہ جیتی تھی جہاں داروں کی
کلہ پڑھتے تھے ہم چھاؤں میں تلواروں کی

ہم جو جیتے تھے تو جنگوں کی مصیبت کے لیے
اور مرنے تھے ترے نام کی عظمت کے لیے
تھی کچھ تیغ زنی اپنی حکومت کے لیے
سرخ پھرتے تھے کیا وہ ہیں دولت کے لیے؟

قوم اپنی جو زر و مال جہاں پر مرتی
بت فروشی کے عوض بت شکنی کیوں کرتی

تل نہ سکتے تھے الرجنک میں اڑ جاتے تھے
پاؤں شیروں کے بھی میدان سے اٹھ جاتے تھے
تجھ سے سرکش ہو کوئی تو بگڑ جاتے تھے
تیغ کیا حزن ہے ہم تو پے سے لڑ جاتے تھے

نقش توحید کا ہر دل پہ بٹھایا ہم نے

زیرِ خب بھی یہ پیام سنایا ہم نے

توہی کہوے کہ اٹھاڑا اور خیر کس نے
شہرِ قصیر کا جو تھا اس کو کیا سر کس نے
توٹے مخلوق خداوندوں کے پیر کس نے
کاٹ کر رکھ دیے نقارے لشکر کس نے

کس نے ٹھنڈا کیا استسکدۃ ایران کو؟

کس نے پھر زندہ کیا تذکرۃ یزداں کو؟

کون سی قوم فقط تیری طلب گار ہوئی
اور تیرے لیے زحمت کشں بیکار ہوئی
کس کی شمشیر جہاں لیر جہاں دار ہوئی
کس کی تکبیر سے دنیا تری بیدار ہوئی

کس کی سیت صنم سے ہوئے رہتے تھے
منہ کے بل لڑکے ہو اللہ احد کہتے تھے

آگیا عین لڑائی میں اگر وقت نسا ز
قبلہ ہو گئے نہیں بوس تھی تو قوم حجاز
ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود ایاز
نہ کوئی بندہ رہا اور نہ کوئی بندہ نواز

بندہ و صاحب محتاج و غنی ایک ہوئے

تیری سرکار میں پہنچے تو سبھی ایک ہوئے

مفضل کون و مکاں میں سحر شام بھری
مے توجید لوگے کہ صفت جام پھر
کوہ میں دشت میں لے کر ترا پیغام بھری
اور سلوم ہے تجھ کو کبھی ناکام پھر!

دشت تو دشت ہیں دریا بھی نہ چھوٹے ہم نے

بحرِ طلمات میں ڈرا دیے لھوٹے ہم نے

صفحہ و پیر سے باطل کو مٹایا ہم نے
نوع انسان کو غلامی سے چھڑایا ہم نے
تیرے کعبے کو جبینوں سے بسایا ہم نے
تیرے قرآن کو سینوں سے لگایا ہم نے

پھر بھی ہم سے یہ ظلم ہے کہ وفادار نہیں

ہم وفادار نہیں تو بھی تو بولدار نہیں!

امتیں اور بھی ہیں ان میں گناہ بھی ہیں
عجز والے بھی ہیں مست مے پندار بھی ہیں
ان میں قابل بھی ہیں غافل بھی ہیں شیار بھی ہیں
سیکڑوں ہیں کہ تم سے نام سے بیزار بھی ہیں

رحمتیں ہیں تم ہی اغیار کے کاشانوں پر

برق لرتی ہے تو بیچارے مسلمانوں پر

بت صہنم خانوں میں کہتے ہیں مسلمان گئے
ہے خوشی ان لوگوں کے گنہگار گئے
منزل دہرے اونٹوں کے حدی خوان گئے
اپنی بعلوں میں دباے سوئے آن گئے

خندہ زن کفر ہے احساس تجھے ہے کہ نہیں

اپنی توحید کا کچھ پاس تجھے ہے کہ نہیں

یہ شکیات نہیں ہیں ان کے خزانے مسمور
نہیں محسنل میں جنس بات بھی کرنے کا شو
قہر تو یہ ہے کہ گناہ کو بلیں جو رقصو
اور بیچارے مسلمان کو فقط وعدہ حو

اب وہ الطاف نہیں ہم پر عنایات نہیں

بات یہ کی ہے کہ پہلی سہی رات نہیں

کیوں مسلمانوں میں ہے دولت دنیا یا با
تیری قدرت تو ہے جس کی نہ حد ہے حساب
تو جو چاہے تو اٹھے سینہ صحرا سے حساب
رہو دوست ہو سیلی زوہ موج سرب

طعن انھیار ہے رسوائی ہے ناوارمی ہے

کیا تے نام پر مرنے کا عوض خوارمی ہے؟

بنی غبار کی اب چاہنے والی دنیا رہ گئی اپنے لیے ایک خیالی دنیا
ہم تو رخصت ہوئے اوروں نے سنبھالی دنیا پھر نہ کہنا ہوئی توحید حسالی دنیا

ہم تو جیتے ہیں کہ دنیا میں انام سے

کس میں ممکن ہے کہ ساقی نہ ہے جام سے!

تیری محفل بھی گئی چاہنے والے بھی گئے شب کی اب ہیں بھی تین صبح کے نالے بھی گئے
دل تجھے دے بھی گئے اپنا صلا بھی گئے آگے بیٹھے بھی نہ تھے اور نکالے بھی گئے

سہرہ وقت گئے وعدہ منہ لے کر

اب انھیں ٹھونڈ چرائی رخ زیبائے کر

دروسیلی بھی وہی ہے جس کا پہلو بھی وہی نجد کے دشت و جبل میں ہم آہو بھی وہی
عشق کا دل بھی وہی ہے جس کا جادو بھی وہی امت احمد مرسل بھی وہی، تو بھی وہی

پھر یہ از روئی غیب کیا معنی

اپنے شیداؤں پر یہ چشم غضب کیا معنی

تجھ کو چھوڑا کہ رسولِ عربی کو چھوڑا؟
بت گری پیشہ کیا، بت شکنی کو چھوڑا؟
عشق کو، عشق کی آشتی سے سری کو چھوڑا؟
سیم سلمان و اویس قرنی کو چھوڑا؟

اگل تجیر کی سینوں میں بی کھتے ہیں
زندگی مثل بلال حبشی رکھتے ہیں

عشق کی خیر وہ پسلی سی اور ابھی نہ سی
جاوہ پیا کی تسلیم و رضا ابھی نہ سی
مضطرب دل صفتِ قبلہ نہ ابھی نہ سی
اور پابندی آئین نہ ابھی نہ سی

کبھی ہم نے کبھی غیروں سے شناسائی ہے
بات کہنے کی نہیں تو بھی تو ہر جاتی ہے

سرسراں یہ کیا دین کو کمال تو نے
اک لشکے میں سزاؤں کے لیے دل تو نے
آتش اندوز کیا عشق کا حاصل تو نے
چھونک دی گری خسار سے حاصل تو نے

آج کیوں سینے پہلے شہر آباد نہیں
ہم وہی سوختہ سماں ہیں تجھے یاد نہیں؟

واہی نجد میں وہ شورِ سلاسل نہ رہا
قیس دیوانہ نظارہ محفل نہ رہا
حوصلے وہ نہ رہے ہم نہ رہے دل نہ رہا
گھر یہ چھوڑا ہے کہ توروں محفل نہ رہا

۱۹۶

بانٹے را

۱۸۰

اے خوش آن روزگاری بصب نماز آئی

بے حجابانہ سوتے محفلِ بازار آئی

بادہ شش عمر پہن گشن میں لبِ جُھٹھے سنتے ہیں حجابِ کفِ نعتِ کد کو کو جُھٹھے

دور ہنگامہ گلزار سے یکسو جُھٹھے تیرے دیوانے بھی ہیں منتظرِ جُھٹھے

اپنے پروانوں کو پھر ذوقِ خودِ افروزی دے

برقِ دیرینہ کو فرمانِ جگر سوزی دے

قومِ آوارہ عمارت سے پھر سوتے حجاز لے اڑا بسیل بے پر کو مذاقِ پرواز

مضطرب مانع کے سرِ غنچے میں ہوتے نیا ٹوڑا چھیر تو تے تشنہ مضراب سے ساز

نغمے بیتاب ہیں تاروں سے نکلنے کے لیے

طوڑ مضطرب ہے اسی آل میں جلنے کے لیے

مشکلین امت سے مرعوم کی آساں کرے موبے باریہ کو ہمدوشیں سلیمان کرے

جنسِ نایابِ محبت کو پھر ازراں کرے ہند کے دیر شینوں کو مسلمان کرے

جوتے خوں می چکد از حسرتِ دیرینہ ما

می تپد مالہ بہ شترکہ سینه ما

۱۹۴
بانگِ درا
۱۸۱

نوتے گل لے گئی بزمِ حسنِ از حسنِ کیا قیامت کے کہ خود مچھول ہیں غمازِ حسن!

عبدالستار ختم ہوا ٹوٹ گیا سازِ حسنِ اڑ گئے ڈالوں سے زمزمہ پر از حسن

ایک سبیل ہے کہ ہے مجھ پر تم تک

اس کے سینے میں ہے نغموں کا قلاطم تک

قمریاں شاخِ صنوبر سے گریزاں بھی نہیں پتیاں مچھول کی جھڑ جھڑ کے پریشاں بھی نہیں

وہ پرانی روشیں مانع کی ویراں بھی ہوئیں ڈالیاں سپرین برگ کے عریاں بھی نہیں

قید موسم سے طبیعت ہی آزاد اس کی

کاش گلشن میں سمجھت کوئی فریاد اس کی!

نطفِ مرنے میں سے برباقی نہ مزا بیٹھے میں کچھ مزا ہے تو یہی خونِ جگر پیٹنے میں

کتنے بے تاب ہیں جو ہر مرے آئینے میں کس قدر جلوے تڑپتے ہیں مرے سینے میں

اس گلستاں میں مگر دیکھنے والے ہی نہیں

داغ جو سینے میں رکھتے ہوں وہ لائے ہی نہیں

چاک اسن بیل تنہا کی نوا سے دل ہوں جاگنے والے اسی بانگِ درائے دل ہوں

یعنی پھر زندہ نئے عہدِ وفا سے دل ہوں پھر اسی باوہِ دیرینہ کے پیسے دل ہوں

عجمی سے تو کیا ہے تو حجازی ہے مری
نغمہ ہندی ہے تو کیا ہے تو حجازی ہے مری

چاند

اے چاند جس نے تیرا فطرت کی آبرو ہے
یہ داغ سا تجو کی گیسے میں سے نمایاں
طوفِ حرمِ خالی تیرے قدمِ خیمِ خو ہے
عاشق ہے تو کسی کا یہ داغ آرزو ہے؟
میں مضطرب زمین پر، بیتاب تو فلک پر
تجھ کو بھی جستجو ہے مجھ کو بھی جستجو ہے

انساں ہے شمع جس کی مفضل وہی ہے تیری؟

جس طرف رہا ان ہوں منزل وہی ہے تیری؟

تو ڈھونڈتا ہے جس کو تاروں کی خاشی میں
استادہ سوز میں ہے سوز میں سوز ہے
پوشیدہ ہے وہ شاید غوغائے زندگی میں
بعلیل میں نغمہ زین ہے خاشوش ہے کھلی میں
آب میں تجھے دکھاؤں سُخارِ روشن اس کا
نہروں کے آئنے میں شبنم کی آرسی میں

صحرا و دشتِ درمیں کُھسار میں وہی ہے

انساں کے دل میں تیرے سُخار میں وہی ہے

رات اور شاعر

(۱)

رات

کیوں مہری چاندنی میں بھرتا ہے تو پریشاں
تاروں کے موتیوں کا شایبہ جو مہری تو
یا تو مہری جس میں کا تارا لرا ہوا ہے
خاموش ہو گیا ہے تار رہا بستی
دریا کی تہ میں چشم لڑا سب گلتی ہے
بستی زمیں کی کیسی سنگ مار فریں ہے
خاموش صورت گل ماند تو پریشاں
پھل ہے کوئی میرے دے ریتے نور کی تو
رفت کو چھوڑ کر جو بستی میں جا گیا ہے
ہے میرے آئنے میں تصویر خواہ بستی
حال سے کاس کے موج بیتا سب گلتی ہے
یوں گلتی ہے جیسے آبا و ہوی نہیں ہے

شعر کا دل ہے لیکن نا آشنا سوں سے

ازاد رہ گیا تو کیونکر مے فسوں سے؟

(۲)

شاعر

میں ترے چاند کی گھسی میں سب بوتا ہوں
چھپ کے انسانوں سے ماند سہ روتا ہوں

دن کی شورش میں نکلتے ہوئے گھبراتے ہیں
 مجھ میں فریاد جو پہاں ہے سناؤں کس کو
 عزتِ شب میں مرے اشک ٹپک جاتے ہیں
 تپشِ شوق کا نظارہ دکھاؤں کس کو
 برقِ امین کے سینے پہ ٹہری روتی ہے
 دیکھنے والی ہے جو آنکھ لہساں روتی ہے
 صفتِ شمع لحدِ مُردہ ہے محسنِ میری
 آہ لے اتا بڑھی فورے منزلِ میری
 عہدِ حاضر کی ہوا اس نہیں ہے اس کو
 اپنے نقصان کا احساس نہیں ہے اس کو

ضبطِ پیغامِ محبت سے گھبرانا ہوں
 تیرے تائبندہ ستاروں کو سنا جاتا ہوں

نخ

سُوج نے جاتے جاتے شامِ قیام کو
 پہنا دیا شفق نے سونے کا سارا زیور
 طشتِ اُفت سے لے کر لائے کے پھول مارے
 قدرت نے اپنے کہنے چاندی کے سب اُتارے
 چمکے عروسِ شب کے موتی وہ پیارے پیارے
 محل میں حسّاشی کے لیلے ظلمتِ آبی
 کہتا ہے جن فونساں اپنی زباں میں تارے
 وہ دُور سننے والے ہنگامہ جہاں سے

مخوفانہ موزمی تھی اس بن فلک کی
عرشیں ہیں سے انی او ازال ملک کی

اے شب کے پاسانوں اے آسماں کے تارو!
چھیڑو سرور ایسا خال اٹھیں سونے والے
تانبہ قوم ساری گڑوں شیں تمھاری
رہبرے قافلوں کی تاجبیں تمھاری
ایتنے قسمتوں کے تم کو یہ جانتے ہیں
شاید صدائیں اہل زمین تمھاری

رخصت ہوئی خموشی تاروں بھری فضا سے
وسعت تھی آسماں کی مہر اس نواسے

حسن ازل سے پیدا تاروں کی دلبری میں
امین نو سے ڈرنا طسرتو کہن پہ اڑنا
جس طرح عکس گل ہو شبنم کی آرسی میں
منزل یہی کٹھن ہے قوموں کی زندگی میں
یہ کاروان ہستی ہے تیرے گام ایسا
انکھوں سے ہیں ساری غائب ہزاروں خیم
قومیں لچل لتی ہیں جس کی واوی میں
داخل ہیں وہ بھی لیکن اپنی برادری میں
اک عسر میں نہ سمجھے اس کو زمین والے
جو بات پالتے ہم تھوڑی سی زندگی میں

ہیں جذب باہمی سے قائم لطف نام سارے
پوشیدہ ہے یہ نکتہ تاروں کی زندگی میں

سیرِ فلک

تھا تخیل جو ہم سہ میرا اسماں پر چو گزر میرا
اڑتا جاتا تھا اور نہ تھا کوئی جاننے والا چرخ پر میرا
تاریخ حیرت دیکھتے تھے مجھے رازِ سربتہ تھا سفر میرا

حلقہٴ صبح و شام سے نکلا

اس پرانے نظام سے نکلا

کیا سناؤں تمہیں ارم کیا ہے خاتم آرزو تے دیدہ و گوش
شاخِ طوبیٰ نے پندرہ ریزِ طوبیٰ بے حجابانہ حور جلوہ فروش
ساقیانِ جمیل جامِ بدست پیئے والوں میں شورِ نوشا نوش
دورِ جنت سے آنکھ نے دیکھا ایک تاریک خانہ ہر دو جنسوں
طالعِ قیس کیسے کیسے لیلیٰ اُس کی تاریکیوں کے پیشِ بدوش
خُنگ ایسا کہ جس کا شکر کردہ زہر سیر پر پوز و پوش
میں نے پوچھی جو کیفیت اُس کی حیرت انگیز تھا جوابِ سر ووش

یہ تمام خاکِ بستم ہے مارے نور سے تھی آغوش
شعلے ہوتے ہیں ستعار اس کے جن سے لڑاں میں مرزِ عبرتِ کوش

اہل دنیا یہاں جو آتے ہیں

اپنے انکار ساتھ لاتے ہیں

نصیحت

میں نے اقبال سے ازراہ نصیحت یہ کہا
تو بھی ہے شیوہ اربابِ بیا میں کامل
جھوٹ بھی مصلحت ایسے نر ترا ہوتا ہے
ختم تیر تری مدحت سے کار یہ ہے
در حکام بھی ہے تجھ کو امت مہم
اور لوگوں کی طرح تو بھی چھپا سکتا ہے
نظر اجالتے مسجد میں بھی تو عید کے دن
دست پر درے ملک کے اخبار بھی ہیں

حامل روزہ ہے تو اور نہ پاسد نماز
دل میں لندن کی ہوئے لب پہ ترے لڑجھا
تیر انداز تعلق بھی سراپا اعبا
فکر روشن ہے ترا موجبِ آئینِ نیا
پالسی بھی تری چپیدہ از زلفِ آیا
پردہ خدمت میں ہو جس جاہ کا را
اثر و عطر سے ہوتی ہے طبیعت بھی لدا
چھٹیر نافرض ہے جن پر تری تشہیر کا سا

۲۰۲

بانگِ درا

۱۸۸

اس پر طرہ ہے کہ تو شعر بھی کہہ سکتا ہے
 تیری عینائے سخن میں ہے شرابِ شیراز
 جتنے اوصاف ہیں لٹکے وہ ہیں تجھ میں سبھی
 تجھ کو لازم ہے کہ سو اٹھکے شرکت تک و تان
 غمِ سیاہ نہیں اور پر بال بھی ہیں
 پھر سب کیا ہے نہیں تجھ کو دماغ پر اُ

”عاقبت منزل ما وادی خاموشان است
 حالیا غلغله در کلبہ انکال اندا“

رام

لبریز ہے شرابِ حقیقت سے جاگ رہند
 سنبل سنی ہیں خطہ مغرب کے رام رہند
 یہ ہند یوں کے فلکِ فلک رس کا ہے اثر
 رفعت میں سماں سے بھی اونچا ہے رام رہند
 اس دس میں ہوتے ہیں نزاروں ملک شرت
 مشہور جن کے نام سے ہے دنیا میں نام رہند
 ہے ام کے جو وہ ہندوستان کو نماز
 اہل نطنر سمجھتے ہیں اس کو امام رہند
 اعجاز انس چراغِ ہدایت کا ہے یہی
 روشن تر از سحر ہے زمانے میں شام رہند

تلوار کا وحشی تھا شجاعت میں فرو تھا
 پاکیزگی میں جو شس محبت میں فرو تھا

موٹر

کیسی پتے کی بات جھگڑنے کی کل کہی
 ہنگامہ آفس میں نہیں اس کا خرام نہ
 میں نے کہا نہیں ہے یہ موٹر یہ منحصر
 ہے پاشکے تیشو فریڈ سے جس
 مینا دام شورش قلمش سے پائگل
 شاعر کے فکر کو پر پڑا حتمش
 موٹر ہے ذوالفقار علی خاں کا کیا خموش
 مانند برق تیز ہشال ہوا خموش
 ہے جاوہ حیات میں ہر تیز پا خموش
 نکمت کا کارواں ہے ہشال صبا خموش
 لیکن مزاج جہاں حرام آشنا خموش
 سطر یہ وار لرمی آواز حتمش

انسان

منظر چمنستان کے زیبا ہوں کہ زیبا
 رفتار کی لذت کا احساس نہیں اس کو
 تسلیم کی خاک ہے جو چیز ہے دنیا میں
 اس وقتے کو رہتی ہے ہمت کی ہونٹوں میں
 محروم عمل زکس مجبور تماشا ہے
 فطرت ہی صنوبر کی محروم تماشا ہے
 انسان کی ہر قوت سرگرم تقاضا ہے
 یہ ذرہ نہیں شاید سمٹا ہوا حرا ہے

چاہے تو بدل ڈالے سمیت چمنستان کی

یہ ہستی و انانے ہیں نامے تو انامے

خطابے جوانانِ اسلام

کبھی نے جوانِ مسلم تدریجی کیا تو نے
 تجھے اس قوم نے پالا ہے انوش محبت میں
 تمدنِ سرینِ حلاقِ امینِ واری
 سماں شترِ فخری کا رہا شانِ امارت میں
 گدائی میں بھی اللہ والے تھے غور اتنے
 غرض میں کیا ہوں تجھے کہ صحرانہیں کھاتے
 اگر چاہوں تو نقشہ بیچ کر الفاظ میں لکھ دو
 تجھے آبا سے اپنے کوئی نسبت ہو نہیں سکتی
 گنوا دہی پس جو اسلاف کیرت پائی تھی
 حکومت کا تو کیا زمانہ الٰہِ عارضی تھی
 مگر وہ علم کے موتی کتے ہیں ابالی
 ”غنی بوزیہ پیریاں اتاشاکن
 وہ کیا کروں تھا تو جس کا ہے ال ٹوٹا ہوا تارا
 کچل ڈالا تھا جس کا پوں میں تاجِ سردارا
 وہ صحرانے عرب یعنی شترمانوں کا گھورا
 ”بات نہکِ حالِ خطہ چاہتے زیارا“
 کہ منعم لو لدا کے ڈرنے شش کا نہ تھا یارا
 جہاں جہاں جہاں بن جہاں آرا
 مگر تیرے تخیل نے فرسے وہ نظارا
 کہ تو کلفتِ روہ لڑا تو ثابت وہ سیارا
 تریکے زمین بچ آسماں نے ہم کو دے مارا
 نہیں دنیا کے آئینِ سلم سے کوئی چا
 جو پھیس ان یوں ہیں تو دل ہوتا ہے سیا
 کہ نورِ یدِ اشوشن کند چشم زینجارا“

غزوة شوال

یا

ملا ل عید

غزوة شوال اے نورنگاہ روزہ دار
تیری پیشانی پہ تحریر پیام عید ہے
سرگزشت ملت بیضا کا تو آئینہ ہے
جس علم کے رسالے میں تیغ آزمایا ہے
تیری قسمت میں ہم غموشی اسی آیت کی ہے
اشنا پر ہے قوم اپنی وفا آئیں ترا
اگر تھے تیرے لیے مسلم سر اپا انتظار
شام تیری کیا ہے صبح عیش کی تہد ہے
اے مہ نوا ہم کو تجھ سے اُلفت دیرینہ ہے
دشمنوں کے خون سے نکھیں قبا ہوتے تھے ہم
حُسن روزانہوں سے تیرے آبر و ملت کی ہے
ہے محبت خیز یہ پیرا ہن سیمیں ترا

اوج لکڑوں سے فرادنی کی بستی دیکھ لے
اپنی رفعت سے ہمارے گھر کی بستی دیکھ لے

۲۰۸

بانگِ رسا

۱۹۲

قافلے دیکھ اور ان کی برق رفتاری بھی دیکھ
 دیکھ کر تجھ کو افق پر ہم لٹاتے تھے لہر
 فرقہ آرائی کی زنجیروں میں ہیں مسلم اسیر
 دیکھ مسجد میں شکستِ رشید تیسری شیخ
 کافروں کی مسلم آئینہ کا بھی لٹا رہ کر
 بارشِ سناج اوش کا تاشا کی بھی ہو
 ہاں تملق پیشی دیکھ ابرو والوں کی تو
 جس کو ہم نے آشنا لطف تکلم سے کیا
 ساڑھن عشرت کی صدمہ مغرب کے یوانوں میں
 چاک لڑی ترک ناداں نے خلافت کی قبا

رہے در ماندہ کی منزل سے سیزاری بھی دیکھ
 اے تھی ساغر ہمارے آج ناداری بھی دیکھ
 اپنی ازادی بھی دیکھ ان کی گرفتاری بھی دیکھ
 بست کدے میں رہن کی پختہ نزاری بھی دیکھ
 اور اپنے مسلمانوں کی مسلم ازاری بھی دیکھ
 امتِ مرحوم کی آئینہ یواری بھی دیکھ
 اور جو بے آبرو تھے ان کی خوداری بھی دیکھ
 اُس حریف بے زباں کی گرم نزاری بھی دیکھ
 اور ایران میں فرات کی تیزی بھی دیکھ
 ساوا کی مسلم کی دیکھ اوروں کی عتاری بھی دیکھ

صورتِ آئینہ سب کچھ دیکھ اور خاموش رہ
 شورشِ امروز میں مجھ سوز و دوش رہ



۲۰۹
 بانگِ درا
 ۱۹۳

شمع اور شاعر

(فروری ۱۹۱۲ء)

شاعر

دوشس می نفتم بہ شمع منزل ویران خویش
گیوے تو از پر پروانہ واروشانہ ا
درجہاں مثل چراغ لالہ صحرایم
ز نصیب محفلے ز قیمت کاشانہ ا
تے ناند تو من ہم نفس می سوستم
در طواف شعلہ ام بالے نہ زو پروانہ ا
می تپد صد جلوہ در جان امل و شو من
بر نمی خیزد ازین محفل دل دیوانہ ا

۲۱۰

بانگِ ورا

۱۹۱۲

از کجبا این آتش عالم منورز اندوختی
کہ کما بے مایہ را سوز کلیم اہوستی

شع

مجھ کو جو موجِ نفَس دیتی ہے پیغامِ اجل
لبِ اسی موجِ نفَس سے ہے نوا پیرا ترا
میں تو جلتی ہوں کہ ہے مضمحل مری فطرت میں سوز
تو منورزاں ہے کہ پروانوں کو چوسد و اترا
گر یہ سماں میں کہیسے دل میں ہے طوفانِ اشک
شبِ نیمِ فشاں تو کہ بزمِ گل میں ہو چہ چا ترا
گل بہ دامن ہے مری شب کے لہو سے میری صبح
ہے ترے امروز سے نا آشنا منورزا ترا
یوں تو روشن ہے مگر سوزِ دروں کھلتا نہیں
شعلہ ہے پیشِ چرخِ لالہ صحرا ترا

سوچ تو دل میں، لقب ساقی کا ہے زیبا تجھے؟
 انجمن پیاسی ہے اور پیمانہ بے صہب اترا!
 اور ہے تیرا شمار آئینِ نلت اور ہے
 زشتِ رُوتی سے ترمی اتنی نہ ہے رسوا ترا
 کعبہ پہلو میں ہے اور سو اتنی بت خانہ ہے
 کس قدر شوریدہ سر ہے شوق بے پروا ترا
 قیس پیدا ہوں ترمی محفل میں! یہ ممکن نہیں
 تنگ ہے صحرا ترا، محل ہے بے لیدا ترا
 اے دریا بند، اے پروردہ انعمشس موج!
 لذتِ طوفاں سے ہے نا آشنا دریا ترا
 اب نو اپیرا ہے کیا، گلشنِ ہوا برہم ترا
 بے محفل تیرا ترمم، نغمہ بے موسم ترا
 تھا جنھیں ذوقِ تماشا، وہ تو رخصت ہو گئے
 لے کے اب شوعدہ دیدارِ عام آیا تو کیا

۲۱۲

بانگِ درا

۱۹۶

انجمن سے وہ پُرانے شعدِ اشام اٹھ گئے
 ساقیاءِ محفل میں تو آتشِ بجا م آیا تو کیا
 آہ، جب گلشن کی جمعیت پریشاں ہو چلی
 پھول کو بادِ باری کا پیام آیا تو کیا
 آخر شبِ دید کے قابل تھی سہل کی تڑپ
 صبح دم کوئی اگر بلائے بام آیا تو کیا
 تجھ کیسا وہ شعد جو مقصودِ ہر پرواز تھا
 اب کوئی سوداگی سوزِ تمام آیا تو کیا
 پھول بے پروا ہیں، تو گرم نوا ہو یا نہ ہو
 کارواں بے جس سے آوازِ درا ہو یا نہ ہو
 شمعِ محفل ہو کے توجہ سوز سے خالی رہا
 تیرے پروانے بھی اس لذت سے سگانے رہے
 رشتہٴ الفت میں جب ان کو پر سکتا تھا تو
 پھر پریشاں کیوں تری تیسرے کے دانے رہے

شوقِ بے پروا گیا، فکرِ فلکِ پیما گیا
 تیری محفل میں نہ دیوانے نہ نرانی رہے
 وہ جگر سوزی نہیں، وہ شعلہ شامی نہیں
 فائدہ پھر کیا جو گردشِ شعریٰ رہے
 خیرِ ثوقِ ساقی سہی لیکن پلائے گا کسے
 اب نہ وہ کسے شے ہے باقی نہ مہمانی ہے
 رو رہی ہے آج اک ٹوٹی ہوئی مہمانی سے
 گل تک گردش میں جس ساقی کے پیمانے رہے
 آج ہیں خاموشی و ہشتِ جنوں پوچھنا
 رقص میں سیلی رہی، سیلی کے دیوانے رہے
 وائے ناکامی! مستراحِ کارواں جاتا رہا
 کارواں کے دل سے احساسِ زیاں جاتا رہا
 جن کے ہنگاموں سے تھے آباد ویرانے لہجی
 شہر ان کے مٹ گئے آبادیاں بن پوتھیں

سطوتِ توحید قائم جن سازوں سے ہوتی
 وہ سازیں ہند میں نذر برہمن ہو گئیں
 دہر میں عیش و دام آئیں کی پابندی سے
 موج کو آزادیاں سامانِ شیون کہتیں
 خود تجبلی کو مستاجن کے نظاروں کی تھی
 وہ نگاہیں نا اُمید نورِ امین کہتیں
 اڑتی پھرتی تھیں ہزاروں بلبلیں گلزار میں
 دل میں کیا آئی کہ پابندِ نشین کہتیں
 وسعتِ کردوں میں تھی ان کی تڑپِ نظارہ سوز
 بجلیاں آسودہ دامنِ جنس من کہتیں
 دیدہٴ خوباں ہومت کش گلزار کیوں
 اشکِ پیہم سے نگاہیں گل بہ دامن کہتیں
 شامِ غم لیکن خبر دیتی ہے صبحِ عید کی
 ظلمتِ شب میں نظر آئی کرنِ اُمید کی

۲۱۵

بانگِ درا

۱۹۹

مژدہ لے پیانہ بردارِ خمستانِ حجاز
 بعد مدت کے ترے ندوں کو پھر آیا ہے ہوش
 نعتِ خود داری بہلے باوۃ غیب تھی
 پھر دکاں تیری ہے لبریز صدائے ناؤ نوش
 ٹوٹنے کو ہے طلسمِ ماہِ سیما میں
 پھر سلیمی کی لفظ سردی سے پیغامِ خسروش
 پھر یہ غوغا ہے کہ لاساقی شہرا خاندان ساز
 دل کے سنگام سے مغرب کے کر ڈالے خموش
 نغمہ پیرا ہو کہ یہ سنگامِ حنا موٹی نہیں
 ہے بحر کا آسمانِ خورشید سے مینا بدوش
 و عنیم و کیر بسوز و طیراں را ہم بسوز
 گنہگارِ روشن حدیثے کرتوانی وار گوش
 کہہ گئے ہیں شاعریِ جزویست از پیغمبری
 ہاں سناؤ محفلِ ملت کو پیغامِ سروش

۲۱۶

باقی ہے در

۲۰۰

آنکھ کو بیدار کروئے وعدہ دیدار سے
زندہ کروئے دل کو سوزِ جوہرِ گفتار سے

رہزنِ ہمت ہوا ذوقِ تن آسانی ترا
بحرِ مہمت صحرا میں تو، گلشن میں مثلِ جوہر ہوا

اپنی اصلیت یہ قائم تھا تو جمعیت بھی تھی
چھوڑ کر گل کو پریشاں کاروانِ بو ہوا

زندگی قطرے کی سکھلاتی ہے اسرارِ حیات
یہ کبھی گوہرِ کبھی شبنم، کبھی آس و ہوا

پھر کہیں سے اس کو پیدا کر، بڑی دولت ہے یہ
زندگی کیسی جو دل بڑی گمانہ پہلو ہوا

ابرو باقی ترمی ملت کی جمعیت سے تھی
جب یہ جمعیت گئی، دنیا میں رسوا ہو ہوا

فرد قائم ربطِ ملت سے ہے تنہا کچھ نہیں
موج ہے دریا میں اور سیرِ دریا کچھ نہیں

۲۱۶
ماہِ اکتوبر
۲۰۱۱

پروہ دل میں محبت کو ابھی ستور رکھ
 یعنی اپنی مے کو رسوا صورتِ بیانا نہ کر
 خمیہ زن ہو واوی سینا میں مانسہ کلیم
 شعلہ تھتیق کو غارت گر کا شانہ کر
 شمع کو بھی ہو ذرا معلوم انجامِ ستم
 صرف تعمیرِ حیرتِ خاکستر پروانہ کر
 تو اگر خود وار ہے منت کش ساقی نہ ہو
 عین دریا میں جناب آسانگلوں پہیانہ کر
 کیفیت باقی پرانے کوہ و صحرا میں نہیں
 ہے جنوں تیرا نیا پیدا نیا ویرانہ کر
 خال میں تجھ کو مُعتد نے بلایا ہے اگر
 تو عصا افتاد سے پیدا مثالِ اندر
 ہاں، اسی شلخ لہن پر پھر بنائے آشیاں
 اہل کشن کو شہیدِ نغمہ ستانہ کر

اس چمن میں سپر و بلسل ہو یا تمسکِ نزل
 یا سراپا نالہ بن جا یا نوا پیدا نہ کر
 کیوں چمن میں بے صدا مثلِ رَمِ شبنم سے تو
 لب کُشا ہو جا، سرو و بریطِ عالم سے تو
 آشنا اپنی حقیقت سے ہولے دہتاں ذرا
 دانہ تو، لھتی بھی تو، باراں بھی تو، حاصل بھی تو
 اہ، کس کی جستجو آوارہ رکھتی ہے تجھے
 راہ تو، رہرو بھی تو، رہبر بھی تو، منزل بھی تو
 کانپتا ہے دل ترا اندیشہ طوفان سے کیا
 ناند اتو، بھر تو، ہستی بھی تو، سال بھی تو
 دلچھ اگر کوچہ چاکِ گریباں میں کبھی
 قیس تو، بسلی بھی تو، صحرا بھی تو، محفل بھی تو
 وائے نادانی کہ تو مستحج ساقی ہو گیا
 مے بھی تو، مینا بھی تو، ساقی بھی تو، محفل بھی تو

شعلہ بن کر ٹھونکے خاشاکِ غیر اللہ کو
 خوفِ باطل لیا کہ ہے عارتِ کربا بل بھی تو
 نے خبر! تو جوہرِ آئینہ ایام سے
 تو زمانے میں خدا کا آخری پیغام ہے
 اپنی اصلیت سے ہوا گاہ اے غافل کہ تو
 قطرہ ہے، لیکن مثالِ بحر بے پایاں بھی ہے
 کیوں گرفتِ طلسمِ ہیچ مت داری ہے تو
 دیکھ تو پوشیدہ تجھ میں شوکتِ طوفاں بھی ہے
 سینہ تیرا ہیں اس کے پیام ناز کا
 جو نظامِ دہر میں پیدا بھی ہے نہاں بھی ہے
 ہفت کشور جس سے ہو تسخیر بے تیغ و تفتک
 تو اگر سمجھے تو تیرے پاس وہ ساماں بھی ہے
 اب تک شاہ ہے جس پر کوہِ فاراں کا سکوت
 اے تعافل پیشہ! تجھ کو یاد وہ پمیاں بھی ہے؟

۲۲۰

بانگِ درا

۲۰۲

تو ہی ناداں چند کلیوں پر قناعت کر لیا
 ورنہ کاشن میں علاج تنگی و اماں بھی ہے
 دل کی کیفیت ہے پیدا پر وہ تفتیر میں
 کسوت بینا میں سے مستور بھی، عریاں بھی ہے
 ٹھونک ڈالا ہے مری آتش نواتی نے مجھے
 اور میری زندگانی کا یہی سماں بھی ہے
 راز اس آتش نواتی کا مرے سینے میں دیکھ
 جلوہ برتتے میرے دل کے آئینے میں دیکھ!
 آسماں ہو گا سحر کے نور سے آئینہ پوش
 اور ظلمت رات کی سیما پا ہو جائے گی
 اس قدر ہو گی ترنم آئیں باو بہار
 نکمت خوابیدہ نغنے کی نوا ہو جائے گی
 آملیں گے سینہ چاکاں چین سے سینہ چاک
 بزم گل کی ہم نفس باو صبا ہو جائے گی

شبِ نیمِ افشانی مری پیدا کرے گی سوز و سنا
 اس چمن کی ہر کلی درو آشنا ہو جائے گی
 دیکھ لو گے سطوتِ رفتارِ دریا کا مال
 موجِ مضطرب ہی اسے زنجیر پہنچا دے گی
 پھر دلوں کو یاد آجائے گا سینا م سجود
 پھر بس خالِ حرم سے آشنا ہو جائے گی
 نازِ صیاد سے ہوں گے نوا سا ماں سیور
 خونِ چمن سے کلی رنگیں قبا ہو جائے گی
 آنکھ جو کچھ دیکھتی ہے لب پہ اسکتا نہیں
 جو حیرت ہوں کہ دنیا کیسے کیا ہو جائے گی
 شبِ کربزاں ہو لی آخر جلوۂ خورشید سے
 یہ چمن معسور ہو گا نغمہ توحید سے



۲۲۲

بانگِ درا

۲۰۶

مسلم

(جون ۱۹۱۲ء)

ہر نفس اقبال تیرا آہ میں ستو ہے
 سینہ سوزاں ترا منیرا سے معمور ہے
 نغمہ تہمت تیری بربطِ دل میں نہیں
 ہم سمجھتے ہیں یہ لیلیٰ تیری محل میں نہیں
 گوش آواز سر و ذرت کا جو یا ترا
 اور دل ہنگامہ حاضر سے بے پروا ترا
 قصہ گل ہم نو ایانِ حسن سنتے نہیں
 اہل محفل تیرا سینہ ہم کہن سنتے نہیں
 اے درائے کاروانِ خفتہ پا با خاموشیہ
 ہے بہت یاسِ آفریں تیری صدا خاموشیہ

زندہ پھر وہ محفل برینہ ہو سکتی نہیں
 شمع سے روشن شبِ شینہ ہو سکتی نہیں

ہم نشینِ مسلم میں توحید کا حال ہوں میں
 اس صداقت پر زل سے پڑا دل ہوں میں
 نبضِ جوات میں پہا حرات اس کے ہے
 اور سلم کے تختیل میں جہارت اس کے ہے
 حق نے عالم اس صداقت کے لیے پیدا کیا
 اور مجھے اس کی حفاظت کے لیے پیدا کیا
 دہریہ غارت کر باطل پرستی میں ہوا
 حق تو یہ ہے عافیتِ ناموس پرستی میں ہوا

میری ہستی پر غنچِ یاقوتی عالم کی ہے
 قسمتِ عالم کا سلم کو لبِ تابندہ ہے
 اشکارا ہیں ہی آنکھوں پر اسرارِ حیات
 کتبِ اسکتا ہے غنم کا عارضی منظر مجھے
 یاس کے غنصر سے ہے آزاد یہ سار روزگار
 ہاں یہ سچ ہے چشمِ بر عہدِ کُن ہستایوں میں
 یادِ عہدِ فرستہ میری خال کو اسیر ہے
 میرے ہر جانے سے سوائی بنی آدم کی ہے
 جس کی تابانی سے افسونِ سحرِ شرمندہ ہے
 کہ نہیں سکتے مجھے نومید پر کارِ حیات
 ہے بھر سا اپنی قلت کے مقدر پر مجھے
 فتحِ کامل کی خبر دیتا ہے جوشِ کارزار
 اہلِ محفل سے پرائی استاں کہتا ہوں میں
 میرا ماضی میرے استقبال کی تفسیر ہے

سائے لکھتا ہوں اس دورِ نشاطِ افزا کو میں
 دیکھتا ہوں دوش کے آئینے میں فردا کو میں

حضورِ رسالت ﷺ میں

گراں جو مجھ پر پہنکا مہِ زمانہ ہوا
 قیوہِ شام و سحر میں بستو کی بسین
 جہاں سے بازو کے رختِ سفر روانہ ہوا
 لفظِ کام کہتے عالم سے آشنا نہ ہوا

۲۲۲
 بانگِ درا
 ۲۰۸

فرشتے بزمِ رسالت میں لے گئے مجھ کو

حضورِ آیتہ حجت میں لے گئے مجھ کو

کہا حضورؐ نے اے علیؑ یہ باغِ حجاز! کھلی کھلی ہے تری کرمی نوا سے لدا از

ہمیشہ سرخوش رہا ہم ولایتِ تیرا

اڑا جو پستی دنیا سے تو سوتے لڑوں

نکل کے باغِ جہاں سے گنہگار آیا

ہمارے واسطے کیا تحفہ لے کے تو آیا؟

حضورِ ابد پر میں آسودگی نہیں ملتی تلاش جس کی ہے وہ زندگی نہیں ملتی

ہزاروں لالہ گل ہیں یاغریہ ہستی میں وفا کی بس میں جو ہو وہ کھلی نہیں ملتی

مگر میں نذر کواں آجیسنہ لایا ہوں جو چیز اس میں ہے جنت میں بھی نہیں ملتی

جھکتی ہے تیری امت کی آبرو اس میں

طرا بس کے شہیدوں کا ہے لہو اس میں



شفا خانہ حجاز

اک میواتے قوم نے قہسبال کے کہا
 کھلنے کو جدہ میں ہے شفا خانہ حجاز
 ہوتا ہے سرخی خاک کا پڑنے وقت
 سنتا ہے ٹولسی سے جو فسانہ حجاز
 دست جنوں کو اپنے بڑھا جب کی طرف
 شہور تو جہاں میں ہے یوانہ حجاز

دار الشفا حوالی الطحا میں چلیے

نبضِ مریضِ خبہ عیسیٰ میں چلیے

میں نے کہا کہ موت کے پورے میں ہے حیات
 پوشیدہ جس طرح ہے حقیقت مجاز میں
 تلخا بہ اسل میں جو عاشق کو بل گیا
 پایا نہ خضنے کے عسر راز میں
 اوروں کو دین حضور با یہ پیغام زندگی
 میں موت ٹھونڈتا ہوں میں حجاز میں

آئے ہیں آپ کے کشف کا پیام کیا
 رکھتے ہیں اہلِ روسیاسے کام کیا



۲۲۶
 بانگِ درا
 ۲۱۰

جواب شکوہ

دل سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے پر نہیں طاقت پرواز رکھتی ہے
قدسی الاصل ہے رفعت نہ نظر رکھتی ہے حال سے اٹھتی ہے لڑوون چکر رکھتی ہے

عشق تھا فتنہ کرو بوسرشن چالال مرا

آسماں چیریا مارا بے بال مرا

پیر لڑوون نے کہا سُن کے کہیں ہے کوئی بولے سیکڑے سرِ عرشن میں ہے کوئی
چاند کستا تھا نہیں اہل زمیں ہے کوئی لکشاں کہتی تھی پوشیدہ میں ہے کوئی

کچھ جو سمجھا مرے شکوے کو تو رضواں سمجھا

مجھے جنت سے نکالا ہوا اس سمجھا

تھی شتروں کو بھی یہ تیر کہ یہ وار ہے کیا عشر والوں پہ کھنڈتا نہیں یہ وار ہے کیا
تاس عشر بھی انساں کی تک و تاز ہے کیا اسکی حال کی خوشگلی کو بھی یہ وار ہے کیا

عافل آداب کے سنگان زمیں کیسے ہیں
شوخ و ستاخ یہ چپٹی گلیں کیسے ہیں!

اس قدر شوخ کہ اُتارے بھی برسے
عالمِ لہیفے دانے نہ ہو کلم ہے

تھا جو سحر و ملائکہ یہ وہی آدم ہے!

ہاں مگر عجب کئے اسرارے نامحسوس ہے

نہے طقت گفتار یہ اپنی فوں کو
بائے کرنے کا سلیقہ نہیں ناوانوں کو

اس آواز عن انجم کے زافسانہ ترا
اسماں یہ ہونوع فرستانہ ترا

اشکائے تاب سے لب بے پیمانہ ترا

کس قدر شوخ زباں ہے دل دیوانہ ترا

شکر شکر گوئی سخن اول سے تونے
ہم سخن کر دیا بندوں کو خاک تونے

ہم تو مال بہ کرم ہیں کوئی سائل ہی نہیں
تربیت عام تو ہے جو ہر سائل ہی نہیں

راہ دکھلا میں کئے رہ منزل ہی نہیں

جس سے تعمیر ہوا دم کی یہ نگل ہی نہیں

کوئی قابل ہو تو ہم شان کئی دیتے ہیں

ڈھونڈنے والوں کو دنیا بھی نسی دیتے ہیں

۲۲۸
بانگِ درا
۲۱۲

ہاتھ نے زور ہیں لکڑے دل خاک کریں
اُمّتی باعث رسوائی پیسہ نہیں
بُت شکن اٹھ گئے باقی جو ہے بُت کریں
تھا برسیم بدراور پسر آزر ہیں

بادہ اشکام تے بادہ نیاجہم بھی تے

حرم کعبہ نیابت بھی تے تم بھی تے

وہ بھی دن تھے کہ یہی مایہ عرس آئی تھا
ناز میں موسم گل لالہ صحرا آئی تھا
جو سلمان تھا اللہ کا سوا آئی تھا
کبھی محبوب تمہارا یہی حرب آئی تھا

کسی تجھ جانی سے اب عہدِ غلامی کر لو

ملت احمد مرسل کوست امی کر لو

کس قدر تم یہ کراں کس کی بیداری ہے
ہم سے کب پیسے ہاں نیند تمہیں ساری ہے
طبع آزاد قییدِ رمضان بھاری ہے
تمھی کہہ دو یہی آئینِ وفا داری ہے

قوم مذہب کے لئے مذہب جو نہیں تم بھی نہیں

جذبِ باہم نہیں محفلِ باہم بھی نہیں

جن کو اتنا نہیں دنیا میں کوئی فن تم ہو
نہیں بس قوم کو پروانے شین تم ہو
بجلیاں بس میں جوں آئو وہ ضرمن تم ہو
بیچ لھاتے ہیں جو سلاخ کے مدفن تم ہو

ہونکو نام جو بٹوں کی تجارت کے
 کیا نہ جو پگے جو مل جائیں صہنم شہ کے
 صفحہ پہرے طرہ اس کو مٹایا کس نے؟
 نوع انسان کو عنکبوتی چھڑا کس نے؟
 میرے کو بے چینوں بسایا کس نے؟
 میرے شکر کو زمینوں لٹایا کس نے؟
 تھے تو ابا وہ تھکے ہی ملزم لیا ہوا

ہاتھ پر ہاتھ دھرتے منتظر فرما ہوا
 کیا کہا بہرے کہاں ہے فقط وعدہ
 شکوے بے جا بھی کرے کوئی تو لازم ہے شعور
 عدل ہے فاطمہ سہری کا ازل سے دستور
 مسلم آج ہیں جو اکافٹ توتے حور و قصور

تم میں خوروں کا کوئی چہنسا والا نہیں
 جلوہ طور تو موجود ہے موسیٰ ہی نہیں
 منفعت ایک ہے اس قوم کی نقصان بھی ایک
 ایک ہی سگانبی دین بھی ایمان بھی ایک
 حرم مال بھی اللہ بھی شکران بھی ایک
 کچھ بڑی بات تھی ہوتے جو مسلمان بھی ایک

فرقہ بندی ہے کہیں اور کس میں نہیں
 کیا زمانے میں پہننے کی یہی باتیں ہیں

۲۳۰

بانگے در

۲۱۲

کون ہے تارکِ آئینِ رسولِ مختار؟ مصلحتِ وقت کی ہے کس کے عمل کا معیار؟
کس کی آنکھوں میں سمائی ہے سحرِ اِغیاء؟ ہولتی کس کی زلزلہ زسلف سے بیزار؟

قلب میں سو زہنیں رُوح میں احساس نہیں

کچھ بھی پیامِ محمدؐ کا تمہیں باس نہیں

جائے جوتے ہیں مساجد میں صفتِ آرا تو غریب زحمتِ وزہ جو کرتے ہیں گوارا تو غریب
نامِ یہ تلبے الر کونی ہمارا، تو غریب پردہ کھلتے ہے الر کونی تمہارا، تو غریب

اُمراۃِ دولت میں ہیں غافل ہم سے

زندہ ہے ملتِ بیضاً عربا کے دم سے

واعظِ قوم کی وہ مچنتہ خیالی نہ رہی برقِ طبعی نہ رہی شعلہِ مستالی نہ رہی
رہ گئی رسمِ اذانِ رُوحِ بلالی نہ رہی فلسفہ رہ گیا، تلختینِ غزالی نہ رہی

مسجدیں مریخیوں میں کعبہ نمازی نہ رہے

یعنی وہ صاحبِ اوصافِ حجازی نہ رہے

شوہرے ہو گئے دنیا سے سلمانِ نابود ہم یہ کہتے ہیں کہ تھے بھی ہمیں سلم موجود
وضع میں تم ہو نصاریٰ تو تمدن میں ہنود یہ مسلمان ہیں اجنبیوں دیکھ کے شرماتیں ہنود

یوں تو سید بھی ہو، مرزا بھی ہو، افغان بھی ہو

تم سبھی کچھ ہو سناؤ تو مسلمان بھی ہو!

تعمیر تھی سلم کی صداقت بے باک
عدل اس کا تھا قومی لوٹ مراعات کے پاک

شجرِ فطرتِ مسلم تھا حیات سے نیک
تھا شجاعت میں وہ اک سستی فوق الادراک

خود لدا زمی تم لہفتیتِ صہبائش ہو

خالی از خویشش جن صوتِ مینائش ہو

ہر مسلمانِ گلِ طبل کے لیے نشتر تھا
اس کے آئینہ سستی میں عملِ جہر تھا

جب ورسا تھا اسے قوتِ بازو پر تھا
تھے تمہیں موت کا ڈر اس کو خدا کا ڈر تھا

باپ کا علم نہ بیٹے کو الرا از بر ہو

پھر پر قابل میراثِ پدر کیونکر ہو!

ہر کوئی مستی کے ذوقِ تن آسانی ہے
تم مسلمان ہو اب یہ اندازِ مسلمانی ہے!

حیدری فقتے پر نے دولتِ عثمانی ہے
تم کو اسلاف کے کیا نسبتِ حافی ہے؟

وہ زمانے میں ستر تھے مسلمان ہو کر

اور تم خوار ہوئے تارکِ شرک ہو کر

۲۳۲

بانگِ درا

۲۱۶

تم ہو آپس میں غضب ناک وہ آپس میں کریم
تم خطا کار و خطا بین وہ خطا پوش و کریم
چلتے سب میں کہ ہوں اور شریا یہ مستم
پہلے ویسا کوئی پیدا تو کرتے قلب سلیم

تختِ فغفور بھی ان کا تھا، سریر کے بھی

یونہی باتیں ہیں کہ تم میں وہ حقیقت ہے بھی؟

خود کشی شیعہ تمہارا، وہ غیو و خود ا
تم اخوت کے گریزان وہ اخوت پہ نثار
تم پر کفایت اسراپا، وہ سراپا کردار
تم ترستے ہو ہلکی لو، وہ ہستیاں بہ کنا

اب تک یاد ہے قوموں کو حکایت ان کی

نقش ہے صفحہ ہستی یہ وقت ان کی

مثلِ نخبِ اُفقِ قوم پہ پوشن بھی ہوئے
بت ہندی کی محبت میں بزمین بھی ہوئے
شوق پرواز میں مہجر شہین بھی ہوئے
بے عمل تھے ہی ان دین کے بطن بھی ہوئے

ان کو تہذیب نے پریشک آزاد کیا

لا کے کعبے صحنہ خانے میں آباد کیا

قین رحمت کش تنہا کی صحرا نہ رہے
شہر کی کھالے ہو آباد یہ پیمانہ رہے

وہ تو دیوانہ ہے بستی میں ہے بیانہ رہا
یہ ضروری ہے حجابِ بُخ لیلانہ رہا

گلہ جو رہ نہ ہو، شکوہ پیدا نہ ہو

عشق آزاد ہے کیوں حسن بھی آزاد نہ ہو

عہدِ نوبرق ہے آتشِ زینِ پرخور سے
امین اس کوئی صحرا نہ کوئی گاشن ہے

اس نئی آگ کا تو ام نہیں لینا
مقتِ جنتم رسلِ شعلہ پیر ہے

آج بھی ہو جو براہِ شیم کا ایماں پیدا

آگ لڑ سکتی ہے اندازِ گلستاں پیدا

دیکھ کر زنا چہ چونہ پریشاں مالی
کو کٹھن چہ شے شاخیں ہیں چمکنے والی

خس و خاشاک سے ہوتا ہے گلستاں جالی
گل بر انداز ہے نوحہ شنیدالی لالی

زندگ دونوں کا ذرا دیکھ تو نعمتِ بلی ہے

یہ نکتے ہوتے سوج کی عشقِ تالی ہے

امتیں گلشنِ ہستی میں چریدہ بھی ہیں
اور مسرّم مگر بھی ہیں خزاں دیدہ بھی ہیں

سیکڑوں نخل ہیں چریدہ بھی بالیدہ بھی ہیں
سیکڑوں لطنِ چین میں ابھی پوشیدہ بھی ہیں

نخلِ اسلام نونہ ہے برو سندی کا

پھل ہے یہ سیکڑوں صدیوں کی چین سندی کا

۲۳۲
بادشاہی دربار
۲۱۸

پاکے کرو وطن سے سزا ماں تیرا تو وہ بوسے کے کہہ مصر سے کنعان تیرا
قافلہ ہونہ کے کا کبھی ویراں تیرا غیر یک بانگِ درالچہ نہیں ساماں تیرا

نخلِ شمع استی و شعلہ و ودریشہ تو

عاقبت سو زبوسایہ اندیشہ تو

تو نہ مٹ جائے گا ایران کے مٹ جانے سے نشہ مے کو تعلق نہیں سمانے سے
مے عیاں پوششِ تار کے افسانے سے پاسباں مل گئے کعبے کو صنم خانے سے

کشتی حق کا زمانے میں سہارا تو ہے

عصرِ نورات ہے دُھندلا سا ستارا تو ہے

مے جو سنگام بہ پیا پوششِ بلعاری کا غافلوں کے لیے پیغام ہے بیداری کا
تو سمجھتا ہے یہ ساماں ہے دل آزاری کا امتحاں ہے ترے ایشاکا، خو و داری کا

کیوں ہر اسماں ہے ضمہیلِ فرسِ اعدا سے

نورِ حق بچھرنہ کے کا نفسِ اعدا سے

چشمِ اقوام سے مخفی ہے حقیقت تیری ہے ابھی مسلسل سستی کو ضرورت تیری
زندہ رکھتی ہے زمانے کو حرارت تیری گو کہ قسمتِ امکاں ہے خلافت تیری

وقتِ فرصت ہے کہاں کا ہم بھی باقی ہے
نورِ وحید کا نام بھی باقی ہے

مثلِ بوقتِ غنچے میں پریشان ہو جا
رختِ بردوشن ہوئے چمنستان ہو جا
ہے تنکائیہ تو درے سے بیابان ہو جا
نغمہ موج سے ہنکارِ طوفان ہو جا

وقتِ عشق سے ہر پست کو بالا کروے
دہر میں اہم مستند سے اُجالا کروے

ہو نہ یہ ٹھپول تو بے سبب کا ترنم بھی نہ ہو
چمن دہر میں گلیوں کا ترنم بھی نہ ہو
یہ نہ ساقی ہو تو پھرے بھی نہ ہو ختم بھی نہ ہو
بزمِ توحید بھی دنیا میں نہ ہو، تم بھی نہ ہو

خمیہ افلاک کا استادہ اسی نام سے ہے
نبضِ ہستی تیش آما وہ اسی نام سے ہے

دشت میں امن کھسار میں میدان میں ہے
بھر میں موج کی آنکھوں میں طوفان میں ہے
چین کے شہزادے قشکے بیابان میں ہے
اور پوشیدہ مسلمان کے ایمان میں ہے

چشمِ اقوامِ نبط تارہ ابد تک دیکھے
رفعتِ شانِ رفعتِ کاکِ فزول دیکھے

۲۲۶
باقی ہے در
۲۲۰

مردم چشم زمیں یعنی وہ کالی دنیا وہ تھکے شہسپا اپنے لئے والی دنیا
گرمی مہر کی پروردہ ہلالی دنیا عشق والے جسے کہتے ہیں ہلالی دنیا

تیش اندوز سے اس نام سے پارے کی طرح
غوطہ زن نور میں سے آنکھ کے تارے کی طرح

عقل ہے تیری ہر عشق ہے شمشیر تری مے درویش اُخافتے جہاں گیت تری
ماہوی اللہ کے لیے آگ ہے کجیر تری تو مسلمان ہو توقت یہ ہے تدبیر تری

کی محمد سے فنا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

ساتی

نشہ پلا کے لڑانا تو سب کو آتا ہے مزا تو جب ہے کہ لڑتوں کو تمہارے ساتی
جو باوہ کش تھے پرائے وہ اٹھتے جاتے ہیں کہیں سے کب بھائے دوام لے ساتی!

کٹی ہے ات تو ہنگامہ شہسپا میں تری
سحر قریب ہے اللہ کا نام لے ساتی!

تعلیم اور اس کے نتائج

(تضمین بر شعرا عشری)

خوش تو ہیں ہم بھی جن انوں کی ترقی سے مگر لبِ خداں سے نکل جاتی ہے فریاد بھی ساتھ
ہم سمجھتے تھے کہ لائے گی فراغت تعلیم کیا خبر تھی کہ چلا آئے گا الحاد بھی ساتھ
گھر میں پڑنے کے شیریں تو ہوتی جلد وہ نما لے کے آتی ہے مگر تیشہ فریاد بھی ساتھ

”تختم دگر بکلف آریم و بکاریم ز نو
کانکشتہ تیر ز خجالت نتوانم دورو“

قرب سلطان

تمیزِ حاکم و محکوم ہٹ نہیں سکتی مجال کیا لگا لگا کر چو شاہ کا چہ دوش
جہاں میں خواجہ پرستی سے بندلی کا لالہ رضائے خواجہ طلب کن قبائے رنگین پوش
مگر غرض جو حصولِ رضائے حاکم ہو خطاب ملتا ہے منصبِ پست و قوم فروش
پرانے طرزِ عمل میں ہزار شکل ہے نئے اصول سے خالی ہے فکر کی آغوش

۲۳۸

بانگِ درا

۲۲۲

مزا تو یہ ہے کہ یوں زیرِ آسماں ریچھے
 یہی اصول ہے سرمایہ سلوٹن حیات
 گھر خوش پائل ہے تو تو بسم اللہ
 شراب بزمِ آسیر وزیرِ سلطان ہو
 پیام مرشدِ شیراز بھی مگر سن لے
 کہ ہے یہ ستر نہاں خانہ ضمیرِ سرِوش

”محل نور تجلی ستارے انور شاہ
 چو کب اطلسی درے نیت کوش“

شاعر

جوئے سرورِ آفریں اتنی ہے کوہِ سائے
 مستی و مہرِ خرام کا سن تو دراپس نام تو
 پھرتی ہے آویوں میں کیا دخترِ خوش خرام
 پی کے شرابِ لالہ لوں کے کدہ بہار سے
 زندہ وہی ہے کام کچھ جس کو نہیں قرار سے
 کرتی ہے عشقِ بازیاں سبزہ مرغزار سے

جامِ شرابِ فہ کے خم کے سے اڑاتی ہے
 پست بلند لڑکے طے لھتوں جا پلاتی ہے

شاعرِ دل نواز بھی با ست اگر کہ لکھری
 ہوتی ہے اُس کے فیض سے زرعِ زندگی ہری
 شانِ خلیل ہوتی ہے اُس کے کلام سے عیا
 کرتی ہے اُس کی قوم جیسا پناہ شعار آوری
 اہلِ زمین کو نعتِ زندگی دوام ہے
 خونِ جگر سے تربیت پاتی ہے جو سخنوری

گلشنِ دہر میں اگر جوتے سے سخن نہ ہو
 پھول نہ ہو گل نہ ہو سبز نہ ہو چمن نہ ہو

نویدِ صبح

۱۹۱۲ء

آتی ہے مشرق سے جہنگار و دروہن سحر
 منزلِ ہستی سے کرجاتی ہے خاموشی سفر
 محفلِ قدرت کا آخر ٹوٹ جاتا ہے سکوت
 دیتی ہے ہر چیز اپنی زندگانی کا ثبوت
 چھپاتے ہیں رپے پائے پیغامِ حیات
 باندھتے ہیں پھول بھی گلشن میں احرامِ حیات

مسلم خوابیدہ اٹھ کر ہنسنا مارا تو بھی ہو

وہ چمک اٹھا افق، گرم تقاضا تو بھی ہو

وسعتِ عالم میں رہ پیمانہ سببِ آفتاب
 دامنِ کڑوں سے پائیداروں یہ مرغِ سحاب

۲۲۰

بانگِ درا

۲۲۲

کھینچ کر خنجر کون کا پھر سو سرگرم ستیز
پھر کھاتا ریلی باطل کو او اب گمیز

تو سراپا نور ہے خوشتر ہے عریانی تجھے
اور عریاں ہو کے لازم ہے خود افشانی تجھے

ہاں نمایاں ہو کے برق دیدہ خفاش ہے

اے دل کون و مکاں کے از مضمیر فاش ہے

دعا

یارب اولِ مسلم کو وہ زندہ متناک
پھر ادویِ فاراں کے ہر ذرے کو چمکے

محروم تماشا کو پھر دیدہ پسناک
بھٹکے سوتے انہو کو پھر سوتے حرم لے چل

پیدا اولِ بریاں میں پھر شورشِ محشر کر
اس دور کی ظلمت میں ہر قلبِ پریشاں کو

رفت میں عقاصد کو ہمہدوشِ شریا کر
بے لوث محبت ہو بے باک صداقت ہو

جو قلب کو لڑنا دے جو روح کو تڑپا دے
پھر شوقِ تماشا دے پھر فراقِ تقاضا دے

دیگھلے جو کچھ میں اور میں کو بھی گھلا دے
اس شہر کے خول کو پھر وسعتِ صحرا دے

اس محسوسِ خالی کو پھر شاپہ لیا دے
وہ دماغِ محبت دے جو چاند کو شہرا دے

خود داریِ ساحل دے آزادیِ دریا دے
سینوں میں اجالارِ دل صورتِ مینا دے

۲۲۱

بانگِ درا

۲۲۵

احساس عنایت کراہم مصیبت کا
امر زکی شورش میں اندیشہ فردا سے

میں نہیں نالائچوں اک اُٹھے گلستاں کا
تاثیر کا سال ہوں محتاج کو دانا کے

عید پر شعر لکھنے کی فرمائش کے جواب میں

یہ شالامار میں اک برک زرو کھتا تھا
کیا وہ موسم گل جس کا راز وارہوں میں
نہ پتا سال کریں مجھ کو زائر ابنِ چین
انھی کی شاخ نشمین کی یادگارہوں میں
ذرا سے پتے نے بیتاب کرو یاد دل کو
چمن میں آگے سر اُغسٹیم بہا رہوں میں
خزاں میں مجھ کو رلاتی ہے یادِ فصلِ بہا
خوشی ہو عید کی لہو نلکر لہو لو ارہوں میں
اجار ہو گئے عمدہ کھن کے میخانے
گزشتہ بادہ پرستوں کی یادگارہوں میں

پیامِ شین و سترت ہمیں سناتا ہے
ہلالِ عید ہماری سنسی اڑاتا ہے



۲۲۲
یادگارہوں
۲۲۶

فاطمہ بنت عبد اللہ

عرب لڑکی جو طرابلس کی جنگ میں غازیوں کی پانی پلائی ہوئی شہید ہوئی

۱۹۱۲ء

فاطمہ! تو ابرو کے اُمتِ مرحوم ہے
 یہ سعادت جو صحرائی تری قسمت میں تھی
 ذرہ ذرہ تیری مُشتِ خال کا معصوم ہے
 غازیانِ دین کی سقائی تری قسمت میں تھی
 یہ جہاد اللہ کے رستے میں بتیغ و سپر
 یہ کھلی بھی اس گُستانِ خزاں منظر میں تھی
 ایسی چنگاری بھی ماریب اپنی خالستر میں تھی!

اپنے صحرا میں بہت اُٹھو بھی پوشیدہ ہیں

بجلیاں برسے ہوئے بادل میں بھی ابیدہ ہیں!

فاطمہ! گو شبنم افشاں آنکھ تیرے غم میں ہے
 قص تیری خال کا لکنا شاد انگیز ہے
 نغمہ عشرت بھی اپنے مالہ نام میں ہے
 ذرہ ذرہ زندگی کے سوز سے لبریز ہے
 ہے کوئی ہنگامہ تیری مُشتِ خاموش میں
 بے خبر ہوں چپن کی وسعتِ مقصد کے میں
 پل پر ہے ایک قوم تازہ اس انجوش میں
 افریقہ میں دیکھتا ہوں ان کی اس مرقعے میں

۲۲۳
 بانگِ درا
 ۲۲۴

تازہ آبِ کافضائے آسمان میں کلمہ
دیدہ انسان کا محکمہ جو جن کی موجِ نور
جو ابھی ابھی سے ظلمتِ خانہِ آیام سے
جن کی ضوونا آشنا ہے قیدِ صبحِ شام سے

جن کی تابانی میں اندازِ کائنات بھی تو بھی ہے
اور یہ کہ کون کون سے کون کون سے

شبنم اور ستارے

اک ات یہ کہنے لگے شبنم سے ستارے
صبح سے تیرے تجھ کو میسر ہیں نظارے
کیا جانے تو کتنے جہاں دیکھ چکی ہے
جو بن کے مٹنے ان کے نشان دیکھ چکی ہے
زہرے نئی ہے یہ خبر ایک ملک سے
انسانوں کی بستی ہے بہت دور فلک سے

کہ ہم سے بھی اس کشورِ لکشمی کا فناء
گاتا ہے شہر جس کی محبت کا ترانہ

اے تارو نہ پوچھو چمنستانِ جہاں کی
گلشن نہیں ال بستی ہے وہ آہ و فغاں کی
اتنی چہ جہاں سچکٹ جانے کی خاطر
بے چاری کھلی کھلتی ہے مڑھانے کی خاطر
کیا تم سے کہوں کیا چمنستانِ سوزِ زحلی ہے
تھسا کوئی شہر بے سوزِ زحلی ہے

گل نالہ بے بس کی صدا سن نہیں سکتا
 ہیں مرغِ نوار زیرِ گرفتِ غصب ہے
 رہتی ہے سدا زکریا کی تیرا نگہ
 دل سوختہ گرمیِ شریعہ ششاد
 تائے شہر آہ ہیں انساں کی زباں میں
 نادانی ہے یہ گردِ زمیں طوفِ قمر کا
 وہن سے مئے موتوں کو چن نہیں سکتا
 اکتے ہیں تیرے سایہ گل خارِ غصب ہے
 دل طالبِ نعت رہنے محروم نظرِ آنکھ
 زندانی ہے اور نام کو آزاد ہے ششاد
 میں کر یہ لڑوں جوں گلستاں کی زباں میں
 سمجھا ہے کہ دریاں ہے وہاں داغِ جلر کا

بنیاد ہے کاشانہ عالم کی ہوا پر
 فریاد کی تصویر ہے قرطاسِ فضا پر

مجاز اور نہ

یورپ میں جس گھڑی حق و باطل کی چھڑکتی
 گردِ صلیب لڑو تیرے حلقہ زن ہوتی
 مسلم سپاہیوں کے ذخیرے ہوتے تمام
 آخر ایسے عسکرِ ترکی کے حکم سے
 حقِ پنجسہ آزمائی پہ مجبور ہو گیا
 شکر میں حصہ دارِ ورنہ میں محصور ہو گیا
 روتے امیدِ آنکھ سے ستور ہو گیا
 آئینِ جنگِ شہر کا دستور ہو گیا

ہر شے ہوتی خوشیہ لاشکر میں منتقل
 لیکن فقیر شہر نے جس دم سنی یہ بات
 زوتی کا مال شکر سلم پہ ہے حرم
 چھوٹی نہ تھی یہود و نصاریٰ کا مال فوج
 شاہیں گدا سے دانہ عصفور ہو گیا
 کرنا کے مثل صاعقتہ طور ہو گیا
 فتویٰ تمام شہر میں مشہور ہو گیا
 مسلم خدا کے حکم سے مجبور ہو گیا

علامہ قادر رحمہ اللہ

یہیہ کس قدر عالم جفا جو، کینہ پرور تھا
 دیا اہل حرم کو رقص کا فرماں ستم کرنے
 بھلائی اس فرمانِ غیرت کُش کی ممکن تھی
 بنایا آہ اسامانِ طرب بید نے ان کو
 رزتے تھے دل نازک قدم مجبورِ جنینش تھے
 یونہی کچھ دیر تک مجھ نظر آنکھیں ہیں اس کی
 کمرے اٹھ کے تیغ جاں آستان آستان لھولی
 نکالیں شاہ تیموری کی آنکھیں نول خنجر سے
 یہ انداز ستم کچھ کم نہ تھا آتما شہر سے
 شہنشاہی حرم کی ناز میانِ سمن سے
 نہاں تھا حسن جن کا چشم مہر ماہ اختر سے
 رواں دریائے خون شہزادیوں کے دیکھتے تھے
 کیا کھبرا کے پھر آزاوسر کو باز ہنسنے سے
 سبق آموز تابانی ہوں انجم جس کے جہر سے

۲۲۶
 بانگِ درا
 ۲۳۰

رکھا خنجر کو آگے اور پس کچھ سوچ کر لیٹا
 تقاضا کر رہی تھی عنید کو یا چشمِ احمر سے
 بجائے خواب کے پانی نے غلڑا اس کی آنکھوں کے
 نظر شرارتی ظالم کی درو آئیہ منظر سے
 پھر اٹھا اور تیموری حرم سے یوں لگا کھنہ
 شکایت چاہیے تم کو نہ کچھ اپنے مقدر سے
 مرا مندر پہ سو جانا بناوٹ تھی تکلف تھا
 کہ غفلت دور ہے شانِ صفا ایماں لشکر سے
 یہ مقصد تھا مرا اس سے کوئی تیمور کی بیٹی
 مجھے غافل سمجھ کر مار ڈالے میرے خنجر سے

بگریہ از آخر کھل گیا سارے زمانے پر
 حجت نام ہے جس کا گنتی تیمور کے گھر سے

ایک مقالہ

اک مرغ سرانے یہ کہا مرغ ہوا سے
 پرواز کر تو ہے تو کیا میں نہیں پرواز!
 گرتو ہے ہوا کیسے توڑ ہوں میں بھی ہوا کی
 از او الرتو ہے میں نہیں میں بھی گرفت
 پرواز، خصوصیت پر صاحب پر ہے
 کیوں رستے ہیں مرغِ عنان ہوا مال بنداز؟
 مجرں حمیت جو ہوتی مرغ ہوا کی
 یوں کھنہ لگا سن کے یہ لفتار دل آزا
 کچھ شک نہیں پرواز میں آزا ہے تو بھی
 حد ہے تری پرواز کی لیکن سر پرواز

واقف نہیں تو بہت مُرغان ہوا سے تو خال شہین انھیں غمغوس سے سڑکار

تو مرغ سرائی خوش از خاک بگھائی

ماور صد و دانہ بہ آسم زوہ منقار

میں اور تو

مذاق دیدے نا آشنا نظر ہے مری تری نگاہ ہے فطرت کی رازواں پھر کیا

رہیں شکوہ ایام ہے زبان مری تری مراد پہ ہے دور آسمان پھر کیا

رکھا مجھے چین آوارہ مثل موج نسیم عطا فلک نے کیا تجھ کو آسماں پھر کیا

فزون ہے سو سے سمرانیہ حیات ترا مرے نصیب میں ہے کاوش زبان پھر کیا

ہوا میں تیرے پھرتے ہیں تیرے طیار مرا جہاز ہے محرم بادبان پھر کیا

قوی شدیم چشما تو ان شدیم چشما

چنیں شدیم چشما چناں شدیم چشما

بہیج کو نہ دریں ہستیاں قرار سے

تو گر بہار شدی ماخراں شدیم چشما

۲۲۸
بانگ سے در
۲۳۲

تضمین بر شمر ابو طالب کلیم

خوبے تجھ کو شعار صاحب شربت کا پاس
 کہہ رہی ہے زندگی تیری کہ تو مسلم نہیں
 جس سے تیرے حلقہٴ رخا تم میں گروں تھا اسیر
 اے سلیمان! تیری عظمت نے گنوا یا وہ نکمیں
 وہ نشانِ سجدہ جو روشن تھا کولب کی طرح
 ہو گئی ہے اُس سے اب ناشنا تیری جہیں
 دیکھ تو اپنا عمل، تجھ کو نظر آتی ہے کیا
 وہ صداقت جس کی بے باکی تھی حیرت آفرین
 تیرے آبا کی نیک بھلی تھی جس کے واسطے
 ہے وہی باطل ترے کاشانہٴ دل میں مکھیں
 غافل اپنے ایشیاں کے پھر ابا و کر
 نغمہٴ زن ہے طورِ حسنی پر کلیم نکلتے ہیں

”سرکشی باہر کہ کر وہی ام او بایہ شدن
 شعلہ ساں از ہر کجا بر خاستی آنجا نشین“



۲۲۹
 مانگے رہا
 ۲۳۳

شبلی حَسَنی

مسلم سے ایک وزیرِ قہبال نے کہا
 تیرے سر و ذریت کے نفعِ علوم تو
 پتھر ہے اس کے واسطے موجِ نسیم بھی
 مردانِ کار و ٹھونڈ کے اسبابِ حادثات
 پوچھ ان سے جو چین کے ہیں دیرینہ ازواج
 مسلم کے کلام سے بے تاب ہو گیا
 کہنے لگا کہ دیکھ تو کیفیتِ خنزاں
 خاموش ہو گئے چمنستان کے ازواج
 شبلی کو روئے ہے تھے ابھی اہلِ گلستان
 دیوانِ جزو و گل میں ہے تیرا وجود فرد
 تہذیبِ تیرے تافلہ طائے کُنن کی لرو
 نازل بہت ہے آئینہ آرزو سے مرو
 کرتے ہیں چارہ شتم چرخِ لا جو رو
 کیونکر ہوئی خنزاں تیرے گلشنِ بہم نبرد
 غماز ہو گئی عنہم پنہاں کی اہ سرد
 اوراق ہو گئے شجرِ زندگی کے زرد
 سرایت لدا از تھی جن کی نوائے درد
 حالی بھی ہو گیا سوتے فردوسِ نور و

”الکون کراد ملغ کہ نرسد ز باغباں
 نعل چلفت و گل چشنید و صبا چ کرد“

۲۵۰
 بانگِ درا
 ۲۳۲

ارتقا

ستیزہ کاررہا ہے ازل سے تا امروز
 حیات شعلہ مزاج و غیور و شور این
 سکوتِ شام سے تا غمِ سحرگاہی
 کشاکشِ نرم و کرماتپ و تراش و خراش
 چراغِ مصطفوی سے شرارِ بولہبی
 سہرت اس کی ہے مشکل کشی، جفا طلبی
 ہزار حرد ہاتے فغانِ نیم شبی
 کشاکشِ نرم و کرماتپ و تراش و خراش
 زخاں تری زوروں تا بہ شیشہِ حلبی
 میانِ قطرِ نمیان و آتشِ عنبی
 مقامِ بست و شکست و فشار و سوز و کشید
 یہی ہے ارتقا و تابِ ملتِ عربی
 اسی کشاکشِ سہم سے زندہ ہیں اقوام

”معاں کہ دانتہ انجور آب می سازند

ستارہ می شکنند آفتاب می سازند“



صدیق

اک دن رسول پاکؐ نے اصحاب کے کہا
 ارشاد سن کے فرطِ طرب سے عمر اٹھے
 دل میں یہ کہہ رہے تھے کہ صدیقؑ غرض
 لائے عرض کندہ مال رسول امین کے پاس
 پوچھا حضورؐ فرما عالم نے اے عمر!
 رکھتا ہے کچھ عیال کی خاطر بھی تو نے کیا؟
 دس مال راہِ حق میں جمع ہوں تم میں مال دار
 اُس روز ان کے پاس تھے درہم کتنی ہزار
 بڑھ کر لکھے کا آج وقت دم میرا راہوار
 ایسا کی ہے دست نگر ابتدا سے کار
 اے وہ کہ جو جس حق سے تے دل کو ہے قرار
 مسلم ہے اپنے خویش و اقارب کا حق لڑا

کی عرض نصف مال ہے فرزندِ زن کا حق

باقی جو ہے وہ ملت بیضا پہ ہے نثار

اتنے میں وہ منسوق نبوت بھی کیا
 لے آیا اپنے ساتھ وہ مردِ وفائے شریعت
 ملکِ مدین درہم و دینار و خست و جنس
 بولے حضورؐ چاہیے منکر عیال بھی
 جس سے بنائے عشق و محبت ہے استواء
 ہر چیز جس سے چشمِ جہاں میں ہو اعتبار
 اسپے قمر سم و شتر و تاطر و حمار
 کہنے لگا وہ عشق و محبت کا راز دار

۲۵۲
 بانگِ دل
 ۲۳۶

اے تجھ سے دیدہ مرد و نحس فرغ گیر! اے تیری فست باعث تکوین روزگار!

پرانے کو چراغ ہے بلبل کو پھول بس

صدق کے لیے ہے خدا کا رسول بس

تہذیبِ حاضر

تضمین بر شمعِ فرضی

بھڑک اٹھا بھوکا بن کے مسلم کا ترخانا
کوئی دیکھے تو شوخی آفتاب جلوہ فرما کی

یہ رعنائی، یہ بیداری، یہ آزادی، یہ بے باکی
ہنس سی سمجھی لٹی طش میں غنچوں کی جگر چالی

مناظرہ لکٹا دکھلائی ساحر کی چالاکی
رقابت، خود فراموشی، ناشکیبائی، سونالی

مگر کہتی ہے پرانوں سے میری کہنہ اور کی
چومن آتش خود سوا کر سوئے داری

صراحت ہے بلا کی باوہ تہذیبِ حاضر میں
کیا کرتے کو جگنو کے کتابِ مستعار اس نے

نئے انداز پائے نوجوانوں کی طبیعت نے
تغیر آگیا ایسا تدریسِ تخت میں

کیا کلم تازہ پروازوں نے اپنا آسماں لکین
حیاتِ تازہ اپنے ساتھ لائی لذتیں کیا کیا

فرغِ شمعِ نو سے بزمِ مسلم جگمگا اٹھی
”تو اے پرانہ! ایں گھر میں شمعِ محفلِ داری“

والد مرحومہ کی یاد میں

ڈٹہ ڈٹہ دھڑکا کا زندانی تقدیر ہے
پر وہ مجبور سی و بے چارگی تدبیر ہے
اسماں مجبور ہے، شمس و ستارے مجبور ہیں
انجم سیلابِ پافتار پر مجبور ہیں
چے شکست انجام غنچے کا سب گھزار میں
سبزہ و گل بھی ہیں مجبور نہ گھزار میں
نغمہ بلبلی ہو یا آواز خاموشی ضمیر
ہے اسی زنجیر عالم گیر میں ہر شے اسیر
آنکھ پر ہوتا ہے جب یہ ستر مجبور سی عیاں
خسک ہو جاتا ہے دل میں اشک کا سیل رواں

۲۵۲
بانگِ درا
۲۳۸

قلبِ انسانی میں رقصِ عیش و نعم رہتا نہیں
 نغمہ رہ جاتا ہے، لطفِ زیر و بم رہتا نہیں
 علم و حکمت رہیزنِ سامانِ اشک و آہ ہے
 یعنی اک الماس کا ٹکڑا دل آگاہ ہے
 گرچہ میرے باغ میں شبنم کی شادابی نہیں
 آنکھِ میری مایہ دارِ اشکِ عنبالی نہیں
 جانستاپوں آہ، میں آلامِ انسانی کا راز
 ہے نوائے شکوہ سے خالی مری فطرت کا ساز
 میرے لب پر قصہٴ نسیبِ نگی و وراں نہیں
 دلِ مراجیراں نہیں، خنداں نہیں، گریاں نہیں
 پر تری تصویرِ قاصدِ گریہِ چہیم کی ہے
 آہ! یہ تردیدِ میری حکمتِ محکم کی ہے
 گریہِ سرشار سے بنیادِ جاں پائندہ ہے
 درد کے عرفاں سے عقلِ سنگدلِ شرمندہ ہے

۲۵۵

باقی رہا

۲۳۹

موج دود آہ سے آئینہ ہے روشن مرا
 گنج آب اور دے مے سور ہے دامن مرا
 حیرتی ہوں میں تری تصویر کے اعجاز کا
 رُخ بدل ڈالا ہے جس نے وقت کی پرواز کا
 رفتہ و حاضر کو لویا پاپا اس نے کیا
 عہد طفلی سے مجھے پھر آشنا اس نے کیا
 جب ترے دامن میں پکتی تھی وہ جان ناتواں
 بات سے اچھی طرح محرم نہ تھی جس کی زباں
 اور اب چرچے ہیں جس کی شوخی گفتار کے
 بے بہا موتی ہیں جس کی چشم کو ہر بار کے
 علم کی سنجیدہ گفتاری، بڑھاپے کا شعور
 دنیوی اعزاز کی شوکت، جوانی کا غرور
 زندگی کی اوج گاہوں سے اتر آتے ہیں ہم
 صحبتِ مادر میں طفیلِ سادہ رہ جاتے ہیں ہم

۲۵۶
 بانگِ درا
 ۲۲۰

بے تکلف خندہ زن ہیں، فکر سے آزاد ہیں
 پھر اسی کھوتے ہوئے فردوس میں آباد ہیں
 کس کو اب چوکا وطن میں آہ! میرا انتظار
 کون میرا خط نہ آنے سے رہے گا بے قرار
 خاکِ مرقد پر تری لے کر یہ مندر یاد آؤں گا
 اب وعائے نیم شب میں کس کو میں یاد آؤں گا
 تربیت سے تیری میں انجسم کا ہم قسمت ہوا
 گھر میرے اجداد کا سرمایہ عزت ہوا
 دفتر ہستی میں تھی زرتیں ورق تیری حیات
 تھی سراپا دین و دنیا کا سبق تیری حیات
 عمر بھر تیری محبت میری خدمت کر رہی
 میں تری خدمت کے قابل جب ہوا تو چل بسی
 وہ جواں، قامت میں ہے جو صورتِ سرو بلند
 تیری خدمت سے ہوا جو مجھ سے بڑھ کر بہر مند

کاروبارِ زندگانی میں وہ ہم سب کو مرا
 وہ محبت میں تری تصویر، وہ بازو مرا
 تجھ کو مثلِ طفلِ بے دست و پا روتا ہے وہ
 صبر سے نا آشنا صبح و ساروتا ہے وہ
 تنگم جس کا تو ہماری کشتِ جاں میں بولتی
 شکرِ نعم سے وہ اُلفت اور محکم ہو گئی

آہ! یہ دنیا، یہ ماتم حنائے برنا و پیر
 آدمی ہے کس طلسمِ دوشس و فردا میں اسیر
 کتنی مشکل زندگی ہے، کس قدر آساں ہے موت
 گلشنِ ہستی میں مانند نسیمِ ارزاں ہے موت
 زلزلے ہیں، بجلیاں ہیں، قحط ہیں، الام ہیں
 کیسی کیسی دُختِ رانِ مادرِ ایام ہیں!
 کلبۂ افلاس میں دولت کے کاشانے میں موت
 دشت و در میں، شہر میں، گلشن میں ویرانے میں موت

۲۵۸

بانگِ درا

۲۲۲

موت ہے ہنگامہ آرا شکریم خاموش میں

ڈوب جاتے ہیں سفینے موج کی اغوش میں

نئے مجالِ شکوہ ہے، نئے طاقتِ کفست ہے

زندگانی کیا ہے، اک طوقِ گلو افشار ہے!

قافلے میں غیرِ فریادِ کچھ بھی نہیں

اک مستراحِ دیدہ تر کے سوا کچھ بھی نہیں

ختم ہو جائے گا لیکن امتحاں کا دور بھی

ہیں پس نہ پردہ کر دوں ابھی دور اور بھی

سینہ چاک اس گلستاں میں لالہ گل ہیں تو کیا

نالہ و فریاد پر مجبورِ مسلسل ہیں تو کیا

جھاڑیاں جن کے قفس میں قید ہے آہ خزاں

سبز کروے کی انھیں بادِ بہار جاوے

خفتہ خاکِ پے سپر میں ہے شرار اپنا تو کیا

عارضی محصل ہے یہ مِشتِ غبار اپنا تو کیا

زندگی کی آگ کا انجم خاکستر نہیں
ٹوٹنا جس کا مست تدر ہو یہ وہ کوہِ نہیں

زندگی محبوب ایسی دیدہ شدت میں ہے

ذوقِ حقیقہ زندگی ہر چیز کی فطرت میں ہے

موت کے ہاتھوں سے مٹ سکتا اگر نقشِ حیات

عام یوں اس کو نہ کر دیتا لطفِ نامِ کائنات

سے اگر ارزاں تو یہ سمجھو اجل کچھ بھی نہیں

جس طرح سونے سے جینے میں خلل کچھ بھی نہیں

آہِ غافل! موت کا رازِ نہاں کچھ اور ہے

نقش کی ناپائنداری سے عیاں کچھ اور ہے

جنتِ نظارہ ہے نقشِ ہوا بالائے آب

موجِ مضطر توڑ کر تعبیر کرتی ہے جناب

موج کے دامن میں پھر اس کو چھپا دیتی ہے یہ

کتنی بیدروی سے نقش اپنا مٹا دیتی ہے یہ

۲۶۰

بانگِ راز

۲۲۲

پھر نہ کر سکتی جناب اپنا ارپیدا ہوا
 توڑنے میں اُس کے یوں ہوتی نہ بے پروا ہوا
 اس روش کا کیا اثر ہے ہیئتِ تعمیر پر
 یہ توجہ ہے ہوا کی قوتِ تعمیر پر
 فطرتِ مستی شہیدِ ارزو رہتی نہ ہو
 خوب تر پیکر کی اس کو جستجو رہتی نہ ہو
 اہ سیاب پریشاں، انجسمِ لردوں فرود
 شوخ یہ چنگاریاں، ممنونِ شب ہے جن کا سوز
 عقل جس سے سر بہ زانو ہے وہ مدتِ ان کی ہے
 سرگزشتِ نوعِ انساں ایک ساعتِ ان کی ہے
 پھر یہ انساں اُس سوتے فداک ہے جس کی نظر
 قدسیوں سے بھی ستا صد میں ہے جو پاکیزہ تر
 جو مثالِ شمعِ روشن محضِ قدرتِ میں ہے
 انساں اُل نقطہ جس کی وسعتِ فطرت میں ہے

۲۶۱

بانگِ گریہ ورا

۲۲۵

جس کی نادانی صداقت کے لیے بیٹا ہے
 جس کا ناخن ساز ہستی کے لیے مضر اب ہے
 شعلہ یہ کمرے لہروں کے شراروں سے بھی کیا
 کم بہا سے آفتاب اپنا ستاروں سے بھی کیا
 شخم گل کی آنکھ زیر خاک بھی بے خوا ہے
 کس قدر نشوونما کے واسطے بے تاب ہے
 زندگی کا شعلہ اس دانے میں جو ستور ہے
 خود سائی، خود نشانی کے لیے مجبور ہے
 سردیِ مرتد سے بھی افسردہ ہو سکتا نہیں
 خال میں دب کر بھی اپنا سوز کھوسکتا نہیں
 پھول بن کر اپنی تربت سے نکل آتا ہے یہ
 موت سے گویا قبائے زندگی پاتا ہے یہ
 ہے لحد اُس قوتِ اشفتہ کی شیرازہ بند
 ڈالتی ہے لہروں لہروں میں جو اپنی کسند

موت، تجسید مذاق زندگی کا نام ہے
 خواب کے پرے میں بیداری کا ال پیغام ہے
 خاکِ پرواز کو پرواز میں ڈر کچھ نہیں
 موت اس گلشن میں جز سنجیدن پر کچھ نہیں
 کہتے ہیں اہل جہاں درو اسبل ہے لاووا
 زخمِ فرقت وقت کے مرہم سے پاتا ہے شفا
 دل سحر، غم مرنے والوں کا جہاں اباسے
 علقہ زنجیر صبح و شام سے آزاد ہے
 وقت کے افسوں سے تھمتا نالہ ماتم نہیں
 وقت زخمِ تیغِ فرقت کا کوئی مرہم نہیں
 سر پہ آجاتی ہے جب کوئی مصیبت ناہماں
 اشکِ پیہم دیدۂ انساں سے جوتے ہیں رواں
 ربط ہو جاتا ہے دل کو نالہ و سنراو سے
 خونِ دل بہتا ہے آنکھوں کی سرشاہِ باد سے

آدمی تابِ شکیبائی سے گو محروم ہے
 اس کی فطرت میں یہ آلِ احساس نامعلوم ہے
 جو ہر انسانِ عدم سے آشنا ہوتا نہیں
 آنکھ سے غائب تو ہوتا ہے فنا ہوتا نہیں
 رخت ہستی خاک، عینم کی شعلہ افشانی سے ہے
 سر و یہ آلِ اس لطیف احساس کے پانی کے ہے
 آہ، یہ ضبطِ فغانِ غفلت کی حنا موشی نہیں
 آگہی ہے یہ دلِ آسانی، فنا موشی نہیں
 پر وہ مشرق سے جس دم جلوہ گر ہوتی ہے صبح
 داغِ شب کا دامنِ آفاق سے دھوتی ہے صبح
 لالہ افسردہ کو آتشِ قبک کرتی ہے یہ
 بے زباں طائر کو سرمستِ نوا کرتی ہے یہ
 سینہ بے بیل کے زنداں سے سرودِ آزاد ہے
 سیکڑوں نغموں سے باوجود ہم آباد ہے

۲۶۲
 بانگِ درا
 ۲۲۸

خُفْتِ تَكْوَانَ لَالِ زَارِ وَ كَوْهَسَارِ وَ رُود بَارِ

ہوتے ہیں آخر عروسِ زندگی سے ہملنا

یہ المرآتین ہستی ہے کہ ہو ہر شام صبح

مرقدِ انساں کی شب کا کیوں نہ ہو پنج صبح

وامِ سیمینِ تخیل سے مرا آفتاب کیر

کر لیا ہے جس سے تیری یاد کو میں نے اسیر

یاد سے تیری دلِ درد آشنا مہمور ہے

جیسے کعبے میں دعاؤں سے فضا مہمور ہے

وہ فراتض کا تسلسل نام ہے جس کا حیات

جلوہ کا ہیں اُس کی ہیں لاکھوں جہانِ بے ثبات

مختلف ہر نزلِ ہستی کی رسم و راہ ہے

آخرت بھی زندگی کی ایک جولان گاہ ہے

ہے وہاں بے حاصلِ رشتِ اجل کے واسطے

سازگارِ آب و ہوا تخنیمِ عمل کے واسطے

۲۶۵

بانگِ صبح

۲۶۶

نورِ فطرتِ ظلمتِ پیکر کا زندانی نہیں
 تنگ ایسا حلفتِ افکارِ انسانی نہیں
 زندگانی تھی تری مہتاب سے تابندہ تر
 خوب تر تھا صبح کے تارے سے بھی تیرا سفر
 مثلِ ایوانِ سحرِ مرقدِ شروازاں جو ترا
 نور سے مسوریہ خالی شبستاں جو ترا
 آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کے
 بسزۂ نور ستہ اس گھر کی نہیبانی کے

شعاعِ آفتاب

صبح جب میری نگہ سودائی نظر تھی
 میں نے پوچھا اس کے سر پر اضطراب
 تو کوئی چھوٹی سی جلی تھی جس نے آسماں
 کر رہا ہے خرمین اقوام کی خاطر جواں
 آسماں پر اک شعاعِ آفتاب آوارہ تھی
 تیری جانِ ناشکیبایاں کے کیسا اضطراب

یہ تڑپے یا ازل سے تیری خوشے کیا ہے یہ
 رقص سے آوارگی سے جستجوئے کیا ہے یہ؟

”نفسہ ہنگامے ہیں میری سستی خاموش میں
 مضطرب پروم مری تقدیر کھتی ہے مجھے
 برق آتش جو نہیں فطرت میں جاری ہو میں
 سرسبز لہر چشم انساں میں جاؤں گی یہ
 پرورش پاتی ہے میں نے صبح کی آغوش میں
 جستجو میں لذتِ تنویر رکھتی ہے مجھے
 مہرِ عالم تاب کا پیغام بیداری ہوں میں
 راستے کے جو کچھ چھپا رکھا تھا دکھلاؤں گی یہ

تیرے مستوں میں کوئی حویلی بشاری بھی ہے
 سونے والوں میں کسی کو ذوقِ بیداری بھی ہے؟

عُرفی

محل ایسا کیا تعمیر نے سرفی کے تختلے نے
 فضائے عشق پر تھرری کی اس نے نوا ایسی
 مرے دل کے ال دُن اُس کی تڑپے شکایتی
 مزاج اہلِ عالم میں تغنیہ سے کیا ایسا
 تصدق جس پر یہ خانہ سینا و فارابی
 میسر جس پہ انکھوں کو اب تک اشکِ غنابی
 نہیں ہنگامہ عالم میں اب سامانِ بیستانی
 کہ رخصت ہو گئی و نیلے کیفیتِ ہسیابی

۲۶۷
 بانگِ درا
 ۲۵۱

فغانِ نیم شب شاعر کی بارگوشن ہوتی ہے
 نہ ہو جبت چشم محفل آشنا کے لطف لے جوانی
 کسی کا شعلہ فریاد ہو ظلمتِ بالینو کو
 کراں ہے شب بستوں پر سحر کی آسمان تابی
 صد اترتے آتی "شکوۃ اہل جہاں" کم کو
 نوار تلخ ترمی زین چو فوق نغمہ کم یابی
 حدیٰ انیر ترمی خاں چو محفلِ الراں بینی

ایک خط کے جواب میں

ہوس بھی ہو تو نہیں مجھ میں بہت تک
 حصولِ جاہ ہے ابستہ مذاقِ تلاش
 ہزار شکرِ طبیعت ہے ریزہ کار مری
 ہزار شکر، نہیں ہے دماغِ فتنہ تراش
 مے سخن سے لوں کی ہیں کھیتیاں سبز
 جہاں میں جوں میں مثالِ سحابِ یاپاش
 یہ عقدہ ہے ریاستِ تجھے مبارک ہو
 کہ فیضِ عشق سے ناخن مر ہے سینہ خراش
 ہوتے بزمِ سلاسیں دلیلِ مُردہ ولی
 کیا ہے حافظِ رنگین نوانے رازِ یافاش

"گرت ہو است کہ باخضر ہم نشین باشی
 نہاں ز چشمِ کندر چو آبِ حیاں باشی"



مانا

قوم نے سینا کو تم کی ذرا پڑا نہ کی
 آہ اب قسمت سے آواز حق سے خبر
 اشکار اس نے لیا جو زندگی کا راز تھا
 شمع حق سے جو سوز ہو یہ وہ محفل نہ تھی
 آہ! شور کے لیے ہندوستان غم خانہ ہے
 برہمن سرشک ہے اب تک سے پندار میں
 بت کہ پھر بعدت کے مگر روشن ہوا
 قدر پہچانی نہ اپنے کو ہر ایک دانہ کی
 غافل اپنے بھل کی شیرینی سے ہوتا ہے شجر
 ہند کو لیکن خیالی فلسفے پر ناز تھا
 بارشِ حیرت جوتی لیکن زمین قابل نہ تھی
 دردِ انسانی سے اس بستی کا دل بگناہ ہے
 شمع کو تم جل رہی ہے محفلِ غیب میں
 نورِ ابراہیم سے اندک کھمر روشن ہوا

پھر اٹھی آخر صد اوحید کی پنجاب سے
 ہند کو ال مردِ کامل نے جکایا خواب سے



۲۶۹
 بانگِ درا
 ۲۵۳

گفرو اسلام

تضمین بر شمع رضی دانش

ایک دن اقبال نے پوچھا کلیم طو سے
اتش نہرو ہے اب تک جہاں میں شعلہ ریز
تھا جو اب صاحبِ دنیا کہ سلم ہے کہ
ذوقِ حلقے تو پھر لازم ہے ایمانِ خلیفہ
ہے کہ روئے غائب تو کچھ پروا نہ کر
عارضی ہے شانِ حاضر، سلوٹِ غائب مدام
شعلہ نہرو ہے روشن زمانے میں تو کب
اے کہ تیرے نقشِ پائے اومی سینا چمن
ہو گیا آنکھوں کے پنہاں کیوں ترا سو زکھن
چھو کر غائب کو تو حاضر کا شیدائی نہ بن
ورنہ خاسترے تیری زندگی کا پیہن
منظرہ اومی فنِ سراں میں جو کز خیمہ زن
اصد اوت کو محبت سے ہے بطن جان و تن
”شمع خود رامی کداز و دریاں سخنِ آہن
نورِ ماچوں اتشِ سنگ از نظر پنہاں خوشست“



۲۴۰
بانگِ درا
۲۵۲

بدلاں

لکھا ہے ایک مغربی حق شناس نے
 جولان کہ سکندر رومی تھا ایشیا
 اہل مسلم میں جس کا بہت احترام تھا
 کہوں سے بھی طبعاً ترس کا مقام تھا
 تاریخ لکھ رہی ہے کہ رومی کے سامنے
 دعویٰ کیا جو پورس وارانے جن تھا
 ویک کے اُس شہنشاہ انجم سپاہ کو
 حیرت سے دیکھتا فلک نسیل فام تھا

آج ایشیا میں کس کوئی جانتا نہیں

تاریخ دان بھی اُسے پہچانتا نہیں

لیکن بدلاں، وہ حبشی اودہ چھتیر
 جس کا امین ازل سے ہوا سینہ بدلاں
 فطرت تھی جس کی نوز بہوت سے سُستیر
 محکوم اُس صدا کے ہر شاہنشاہ فقیر
 ہوتا ہے جس سے اسودہ اسر میں اختلاط
 کرتی ہے جو غریب کو ہم پہلوتے ہیر
 صدیوں سے سن رہے جسے خوش چرخ ہیر
 ہے تازہ آج تک وہ نواتے جگر لہاز

اقبال کس کے عشق کا فیض عام ہے

رومی فنا ہوا، حبشی کو دوام ہے

مسلمان اور تسلیم شدہ

تضمین برسر ملک قومی

مُشد کی یہ تسلیم تھی اسے تسلیم شوریہ
بدلی زلمے کی ہوا، ایسا تفتیش کر گیا
وہ شعلہ روشن تر غلٹت کر یزاں جس سے تھی
شیدائی غائب نہ رہا دیوانہ سہو جوڑ
ممكن نہیں اس مانع میں کوشش ہو بار آور سہی
اس دور میں تسلیم ہے امراض ملت کی وا
رہبر کے ایسا سے ہو تعلیم کا سو واجبے
لیکن جانگت سہیں دیکھے زبون بختی مری
لازم ہے ہر پروکے لیے دنیا میں سامان سفر
تھے جو دران قیمت کبھی اب میں ستاع کس مخز
کھٹ کر ہوا مثل شہر تاسے سے بھی کم نور تر
غالب ہے اب اقوام پر وجود حاضر کا اثر
فرسودہ ہے پھندا ترا، زیرک ہے مرغ تیز چہ
ہے خونِ فاس کے لیے تعلیم شہنشاہ
واجب ہے صحیح کردہ پر تعمیل فرمانِ خضر
”رفتم کہ خار از پاشتم، محمل نہاں شد از نظر
یک لحظہ غافل شتم و صد سالہ اسلم فرسودہ“



۲۷۲
بانگِ ورا
۲۵۶

پھولوں کی شہزادی

کھلی سے کہہ رہی تھی ایک دشنم گلستان میں
 رہی ہیں ایک مدت غنچے ہائے باغِ صنواں میں
 تھکے گلستان کی کیفیت سرشار ہے ایسی
 نیکو فردوسِ دامن ہے میری چشم حیران میں
 سننے کوئی شہزادی ہے حاکم گلستان کی
 کہ جس کے نقشِ پایے پھولِ جون بہا بیابان میں
 کبھی ساتھ اپنے اس کے اتنا تک مجھ کو ملے چل
 چھپا کر اپنے دہن میں رنگِ موجِ نوبے چل

کھلی بولی سر ریا ہماری ہے وہ شہزادی
 درخشاں جس کی ٹھوکر سے پرن پتھر بھی نکلیں جن
 مگر فطرت تری اُفتندہ اور سلیم کی شان اونچی
 نہیں ممکن کہ تو پہنچے ہماری ہم شمسِ جن
 پہنچ سکتی ہے تو لیکن ہماری شہزادی تک
 کسی لکھ و درو کے مارے کا اشکِ اشیں جن
 نظر اس کی پیامِ عید سے اہل محترم کو
 بنا دیتی ہے گوہرِ غمِ زووں کے اشکِ سہم کو

تضمین بر شعریات

کہاں اقبال تُو نے بنایا اشیاں اپنا
 نوا اس باغ میں بسبل کو ہے سامانِ سوائی

شرائے ادوی امین کے تو بوتا تو ہے لیکن
 کل زور نفس سے بھی ہاں گل ہو نہیں سکتی
 قیامت ہے کہ فطرت سولتی اہل گلستاں کی
 دل کاہ جب ابید ہو جاتے ہیں سینوں میں
 نہیں ضبط نوا ممکن تو اڑ جا اس گلستاں سے

نہیں ممکن کہ چھوٹے اس زمیں کے تخم سینائی
 جہاں پر شے ہو محروم تھا صلت سے خود افزائی
 نہ ہے بیدار دل پیری نہ ہمت خواہ برنائی
 نوالر کے لیے زہر اب ہوتی ہے شکر خانی
 کہ اس محفل سے خوشتر ہے کسی صحرائی تنہائی

”ہماں بہتر کہ سیلی در بیاباں جلوہ گر باشد
 نذارونگنای شہر تاب حسن صحرائی“

فردوس میں ایک مکالمہ

ہاتف نے کہا مجھ سے کہ فردوس میں اک روز
 اے سب از نور لہر زلف ہم فلک تاب
 کچھ کیفیت مسلم ہندی تو بیاں کر
 مذہب کی حرارت بھی ہے کچھ اس کی لوں میں؟
 باتوں سے پویشیخ کی حالی مست اثر

حالی سے مخاطب ہوئے یوں سعدی شیراز
 دامن بہ چرخ مرہ خست ز وہ امی باز!
 واما نذہ منزل ہے کہ صرف تک و تاز
 تھی جس کی فلک سوز لہی لرمی آواز
 رورو کے لگا کہنے کہ اے صاحب اعجاز

۲۷۲
 بانگِ درا
 ۲۵۸

جب پیر فلک نے ورق ایام کا لٹا
 آیا ہے مگر اس عقیدوں میں تزلزل
 دین ہو تو مستاصد میں بھی پیدا ہو بلندی
 مذہب کے سہم اسنگی اسرا ہے باقی
 بنیاد لرز جاتے جو دیوارِ چمن کی
 پانی نہ ملازم زم زم تلے سے جو اس کو
 یہ ذکر حضورِ شریف میں نہ کرنا
 اتنی یہ صفا، پاؤں کے تعلیم سے اسرا
 دنیا تو ملی ہٹا کر دین لکھیا پرواز
 فطرت سے جانوں کی نہیں کسب، نہ میں تاز
 دین زخم سے جمعیت تلے سے اسرا
 ظاہر ہے کہ انجمنِ فلسفہ کا ہے آغاز
 پیدا ہیں نئی نوو میں الحاد کے انداز
 سمجھیں نہ کہیں ہند کے سلم مجھے آغاز

خبر مانٹواں یافت ازاں خار کشتیم
 دیبا نتواں یافت ازاں پشتم کہ رشتیم
 (سعدی)

مذہب

تضمین بر شرمیرا بیدل

تعلیم پیر فلسفہ مغربی ہے یہ
 پیرا نظر سے نہ ہو آشنا تو کیا
 ناواں ہیں جن کو ہستی عاتب کی ہے تلاش
 ہے شیخ بھی مثال برہمن صنم تراش

محوس پر پناے علوم جدید کی
 اس فور میں ہے شیشہ عقیقہ کا پاش پاش
 مذہب سے جس کا نام وہ ہے اک جنونِ خام
 جسے جس آدمی کے تختہ کیل کو انتہا
 کتا مگرے فلسفہ زندگی لچھ اور
 مجھ پر کیا یہ مرشدِ کامل نے راز فاش

”باہر کمال اند کے اشفتگی خوش است
 ہر چند عقل کل شدہ امی بے جنوں مباحش“

جنابِ ربوب کا ایک واقعہ

صفا بے تہی عرب کے جوان تیغ بند
 تھی منتظ جنالی عروس زمینِ شام
 اک نوجوان صورتِ سیابِ مضطرب
 آکر ہوا ایسے عساکر سے ہم کلام
 اے بوجہ سیدِ رخصت پیکار سے مجھے
 لبریز ہو گیا مرے صبر و سکون کا جام
 بے تاب ہو رہا ہوں فراقِ رسول میں
 اک دم کی زندگی بھی محبت میں ہے حرام
 جاتا ہوں میں حضور رسالتِ پناہ میں
 لے جاؤں گا خوشی سے الرہو کوئی پیام
 یہ ذوق و شوق دیکھ لے پر غم ہوئی وہ آنکھ
 جس کی نگاہ تھی صفتِ تیغ بے نیام
 بولا ایسے فوج کہ ”وہ نوجوان ہے تو
 پیروں یہ تیرے عشق کا واجب ہے احترام

۲۶۶
 بانگِ درا
 ۲۶۰

پوری کرے خدا نے مستد تری مراد کتنا بلند تیری محبت کا ہے مقام
 پہنچے جو بارگاہ رسول امیں میں تو کرنا یہ عرض میری طرف سے پس از سلام

ہم پر کرم کیا ہے خدا نے غور نے
 پوئے پوئے جو وعدے کیے تھے حضور نے

مذہب

اپنی ہمت پر قیاس تو اہم مغرب کے نہ کر خاص ہے ترکیب میں قوم رسول ہاشمی
 ان کی جمعیت کا ہے ملک و نسب پر انحصار قوت مذہب سے حکم ہے جمعیت تری

دامن دیں ہاتھ سے چھوٹا تو جمعیت کہاں
 اور جمعیت ہوئی رخصت تو ہمت بھی لٹی

پوستہ ہر شاخ سے ہمیں دیہا رکھ

ڈالی گئی جو فصل خزاں میں شجر سے ٹوٹ ممکن نہیں مہری ہو سحاب بہا سے
 ہے لازوال عہد خزاں اس کے واسطے کچھ واسطہ نہیں ہے اُسے برک با سے

چتیرے گھڑیاں میں بھی فصل خزاں کا دور
خالی ہے جیب گل زر کا مل عیب سے
جو لغزہ زن تھے خلوت اور اق میں طیور
رخصت ہوتے تھے شجر سایہ دار سے
شاخ زبیدہ سے سبق اندوز ہو کہ تو
نا آشنا ہے فتاعده روزگار سے

رقت کے ساتھ رابطہ استوار رکھ

پیوستہ رہ شجر سے امید بہار کھلنا

شب معراج

اختر شام کی آتی ہے فلک سے آواز
سجدہ کرتی ہے سحر جس کو وہ ہے آج کی رات
رویک گام ہے ہمت کے لیے عرش بریا
کہہ ہی ہے یہ مسلمان سے معراج کی رات

پھول

تجھے کیوں فکر ہے گل دل صد حال طیب کی
تو اپنے پیر سچے چاک تو پہلے رفو کرے
تسا ابروی ہو اگر گلزار ہستی میں
تو کانٹوں میں الجھ کر زندگی کرنے کی خو کرے
صنوبر باغ میں ازاد بھی ہے پایہ گل بھی ہے
انھی پابندیوں میں حاصل ازاد ہی کو تو کرے

۲۶۸
بانگِ درا
۲۶۲

تنگ بخشی کو ہتھنا سے پیغامِ حیات سے
 نہ رہ منت کش شبنم نیکوں جام و سب کو کرے
 نہیں سے شانِ خود ارئی چمن سے توڑ کر تجھ کو
 کوئی ستار میں لکھ کے کوئی زیبِ گل کو کرے
 چمن میں پتہ گل سے یہ کہہ لراڑ لسی شبنم
 مذاق جو چھپین ہو تو سپید رنگ کو کرے
 اگر منظور ہو تجھ کو خزانِ آستانہ ہونا
 جہان رنگ بوئے پہلے قطعِ آرزو کرے

اسی میں دیکھ کر ہے جمالِ زندگی تیرا
 جو تجھ کو زینتِ آسن کوئی آئینہ نہ کرے

شکایتیں

شفیق صبح کو دریا کا خرام آئینہ
 نغمہ شام کو خاموشی شام آئینہ
 برل گل آئینہ عارضِ زیبے بہا
 شاہدے کے لیے جملہ جام آئینہ
 حُسن آئینہ حق اور دل آئینہ حُسن
 دلِ انساں کو ترا حُسنِ کلام آئینہ

ہے ترے فکرِ فلک سے کہاں ہستی

کیا تری فطرتِ روشن تھی مالِ ہستی

تجھ کو جب دیدارِ طلب نے ڈھونڈا
 تابِ خورشید میں خورشید کو پہنا دیکھا

چشمِ عالم سے تو ہستی رہی ستوری
اور عالم کو تری آنکھ نے غریاں دیکھا

حفظِ اسرار کا فطرت کو ہے سوو ایسا

رازواں پھر نہ کرے گی کوئی پیدا ایسا

میں اور تو

میں ہلاکِ جاوتے سامری تو قتلِ شوقِ ازسری

میں حکایتِ غمِ آرزو تو حدیثِ قائمِ لبری

تراولِ حرمِ لہرِ عجبم تراوینِ سیرۃِ کافرہ

غمِ غم نہ کہہ سہم غم نہ لکھا کہ یہی ہے شانِ قلندری

کہ جہاں میں ناںِ شعیر ہے ارقوتِ حمیدی

کہ تیرے پتنگ کو پھر عطا ہو وہی شربتِ سمندی

کسی بیکے میں بیاں کروں تو کہے غم بھی بھری

وہی فطرتِ استِ اللہ ہی وہی حسیٰ ہی عنبری

وہ لگا کہ تو نے عطا کیا ہے جھین مانعِ کندی

یہ سلیقہ مجھ میں ظہیم کا نہ قرینہ تجھ میں خلیل کا

میں نوائے سوختہ درگاہ تو پریدہ زنگِ رمیدہ نو

مرا عیشِ غم مرا شہدِ غم مری بوہم نفسِ عدم

وہم زندگی زہم زندگی غمِ غم زندگی غمِ زندگی

ترخی حال میں ہے اگر سر تو خیالِ فقر و غنا نہ

کوئی ایسی طرزِ طواف تو مجھے اپنے حرمِ حرم بتا

کہ جھانے و فانا کہ حرم کو اہل حرم سے ہے

یہ ستیزہ گاہ جہاں تھی نہ حرفِ بیخ کن تے

کہم اس شہِ عرب و عجم کہ لٹھے ہیں منتظرِ کرم

۲۸۰

بانگِ سے ورا

۲۶۴

اسیری

ہے اسیری اعتبار افزا جو ہر فطرت بند
قطرہ نیساں سے نڈانِ صدف کے ارجمند
مُشکِ اُفرچیز کیا ہے ال لہو کی بوند ہے
مُشکِ بنِ جاتی ہے ہو کر نافہ اہو میں بند
ہر سی کی تربیت کرتی نہیں قدرت مگر
کم ہیں وہ طائر کہ ہیں دامِ قفس کے بہر مند

”شہسپ زراغ و زغن بند قید و صید نیست

اس سعادت قسمت شہساز و شاہین کو ہاند“

دریوزہ خلافت

اگر ملک ہاتھوں سے جاتا ہے جاتے
تو احکامِ حق سے نہ کر بے وفائی
نہیں تجھ کو تاریخ سے اگلی کیا
خلافت کی کرنے لگا تو کدائی
خریدیں نہ جس کو ہم اپنے لہو سے
مسلمان کو ہے ننگ وہ پادشائی

”مرا از شکستن چنان عار ناید

کہ از و میراں خواستن مومیائی“

ہمایوں (مشرقی شاہ دین مرحوم)

اے ہمایوں زندگی تیری سراپا سوز تھی تیری چنگاری چہ راغِ انجمنِ افروز تھی
 گرچہ تھا تیرا تیرا جنس کی نزار و دروہند تھی ستارے کی طرح روشن تیری طبع بلند
 کس قدر بے باک دل اس ناتواں سپیکر میں تھا شعلہ لڑوں نوردانِ مشتِ خالستر میں تھا
 موت کی لکینِ دلِ دانا کو کچھ پروا نہیں شب کی خاموشی میں جز منگارتہ فروا نہیں

موت کو سمجھے ہیں غافل ختمِ تمامِ زندگی
 ہے یہ شامِ زندگی بوجِ دوامِ زندگی



۲۸۲
 بانگِ درا
 ۲۶۶

خضرِ راہ

شاعر

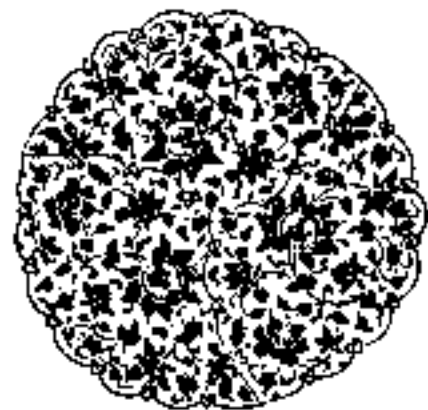
ساحلِ دریا پہ میں اک راست تھا منظر
کوشہٴ دل میں چھپاتے اک جہانِ اضطراب
شبِ سکوتِ انسرا، ہوا آسودہ، دریا نرم سیر
تھی نظیر حیراں کہ یہ دریا ہے یا تصویرِ آب
جیسے لہارے میں سو جاتا ہے طفلِ شیرخوار
موجِ مضطر تھی کہیں لہراتیوں میں مستِ خواب

رات کے افسوں سے طائرِ آشیانوں میں اسیر
 انجم کلمِ ضو گرفتارِ طلسمِ ماہِ شباب
 دیکھتا کیا ہوں کہ وہ پیابِ جہاں میں پناہ خضر
 جس کی پیری میں ہے مانندِ سحرِ زنگِ شباب
 کہہ رہا ہے مجھ سے اے جو جیتے اسرارِ ازل
 چشمِ دل وا ہو تو ہے تفتدیرِ عالمِ بے حجاب
 دل میں یہ سن کر بسا ہے سنگامہ محشر ہوا
 میں شہیدِ جستجو تھا، یوں سخنِ ستر ہوا
 اے ترمی چشمِ جہاں ہیں پر وہ طوفانِ آشکار
 جن کے ہنگامے ابھی دریا میں سوتے ہیں خموش
 کشتیِ مسکین، و 'جانِ پال' و 'دیوارِ تسم'،
 علمِ موسیقی بھی ہے تیرے سامنے حیرتِ فروش
 چھوڑ کر ابادیاں رہتا ہے تو صحیح انور
 زندگی تیری ہے بے روز و شب و فردا و دوش

۲۸۲
 بانگِ درا
 ۲۶۸

زندگی کا راز کیا ہے، سلطنت کیا چیز ہے
 اور یہ سرمایہ و محنت میں ہے کیسا خروش
 ہو رہا ہے ایشیا کا حرقہ ویرینہ چاک
 نوجواں اقوام نو دولت کے ہیں پیرایہ پوش
 گرچہ اسکندر رہا محروم آپ زندگی
 فطرت اسکندری اب تک ہے گرم ناؤ نوش
 بیچتا ہے ہاشمی ناموس ^{مصطفیٰ} دین مصطفیٰ
 خال و خوں میں مل رہا ہے ترکمان سخت کوش

اگل ہے، اولادِ ابراہیم ہے نرود ہے
 کیا کسی کو پھر کسی کا امتحان مقصود ہے



جوابِ خضر

صحرا نوردی

کیوں تعجب ہے مری صحرا نوردی پر تجھے
یہ تگاپوتے و ماوم زندگی کی ہے دلیل
اے رہینِ حسانہ تُو نے وہ سماں دیکھا نہیں
گو نجفی ہے جب فضلتِ دشت میں بانگِ حیل
ریت کے ٹیلے پہ وہ اچھو کا بے پروا حنرم
وہ حضر بے برل و سماں وہ سفر بے سنگ و میل
وہ نمودِ اختِ سیابِ پاپہ سنگامِ صبح
یا سیاں بامِ کردوں سے جسے حسینِ حیرت
وہ سکوتِ شامِ صحرا میں غروبِ آفتاب
جس سے روشن تر ہوئی چشمِ جہاں بینِ حسیل

۲۸۶
بانگِ حیل
۲۶۰

اور وہ پانی کے چشمے پر ستام کا رواں
 اہل ایساں جس طرح جنت میں لکڑیوں کی
 تازہ ویرانے کی سووائے محبت کو تلاش
 اور آبادی میں تو زنجیر کی کشت و نخیل
 پختہ تر ہے گردشِ پیہم سے جاہم زندگی
 ہے یہی اسے بے خبر راز و وارم زندگی

زندگی

برتر از اندیشہ شود و زیاں ہے زندگی
 ہے کبھی جاں اور کبھی تسلیم جاں ہے زندگی
 تو اسے پیمانہ امروز و فردا سے نہ ناپ
 جاوہان پیہم و ان ہر دم جاں ہے زندگی
 اپنی دنیا آپ پیدا کر الرزندوں میں ہے
 سبز اوم ہے، ضمیر کن فکاں ہے زندگی

زندگانی کی حقیقت کو پہن کے دل سے پوچھ
 جوئے شیر تویش و سنک کُماں سے زندگی
 بندگی میں لکھٹ کے رہ جاتی ہے اک جوئے کم اب
 اور آزادی میں بحسب بے کراں ہے زندگی
 اشکارا ہے یہ اپنی قوتِ تسخیر سے
 کرچہ اک مٹی کے پیکر میں نہاں ہے زندگی
 قلزمِ ہستی سے تو ابھرا ہے مانندِ جناب
 اس زیاں خانے میں تیرا امتحاں سے زندگی
 خام سے جب تک تو ہے مٹی کا اک انبار تو
 پختہ ہو جائے تو ہے شمشیر بے زہار تو
 ہو صداقت کے لیے جس دل میں مرنے کی تڑپ
 پہلے اپنے پیکرِ خالی میں جباں پیدا کرے
 ٹھونک ڈالے یہ زمین و آسمانِ مستعار
 اور خاکِ تر سے آپ اپنا جہاں پیدا کرے

۲۸۸
 بانگِ درا
 ۲۷۲

زندگی کی قوت پنہاں کو کروے آشکار
 تا یہ چنگاری فرغ جاوواں پیدا کرے
 خاکِ مشرق پر چمک جاتے مثالِ آفتاب
 تا بدخشاں پھر وہی غسلِ گراں پیدا کرے
 سوتے کروں نالہ شب کیسے رکابھیے سفیر
 رات کے تاروں میں اپنے رازواں پیدا کرے
 یہ کھڑی محشر کی ہے، تو عرصہ محشر میں ہے
 پیش کر عتافل، عمل کوئی اگر دفتر میں ہے!

سلطنت

اہستائوں تجھ کو رمزِ آئیہ ان النونک
 سلطنت اقوام غالب کی ہے ال جاوولری
 خواب سے بیدار ہوتا ہے ذرا محسوم ال
 پھر سلاوتی ہے اس کو حکمراں کی ساحری

جاوے محسوس کی تاثیر سے چشم ایاز
 دیکھتی ہے حلفت کر دین میں ساز و لبری
 خون اسرائیل آجاتا ہے آسنر جوش میں
 توڑ دیتا ہے کوئی موسیٰ طلسم سامری
 سروری زیر با فقط اس فات بے ہمتا کو ہے
 حکمراں ہے ال وہی باقی بستان آزری
 از عنلامی فطرت آزاد را رسوا کن
 تا تراشی خواجہ الے از برہمن کافر تری
 ہے وہی ساز کنن مغرب کا جمہوری نظام
 جس کے پردوں میں نہیں غیب از نوائے قیصری
 دیو استبداد جمہوری قبسا میں پائے کوب
 تو سمجھتا ہے یہ آزادی کی ہے نیلم پری
 مجلس اتین و اسلح و رعایات و حقوق
 طب مغرب میں مزے بیٹھے اثر خواب آوری

۲۹
 بانگِ درا
 ۲۴۲

گرمی گفتار اعضائے مجالس، الاماں!
 یہ بھی اک سرمایہ داروں کی ہے جنبِ زرگرمی
 اس سرابِ رنگ و نو کو کواستان سمجھا ہے تو
 اہلے ناواں! قفس کو اشیاں سمجھا ہے تو

سرمایہ و محنت

بندۂ مزدور کو جا کر مرا پینام دے
 خضر کا پینام کیا ہے یہ پیپام کائنات
 لے کہ تجھ کو کھا لیا سرمایہ دار حیدر
 شاخ آہو پر رہی صدیوں ملک تیری برات
 دستِ دولت آسنسریں کو مزدویوں ملتی رہی
 اہل ثروت جیسے دیتے ہیں غریبوں کو زکات
 ساحر الموط نے تجھ کو دیا برکِ شیش
 اور تُو لے بے خبر سمجھا اسے شاخ نبات

نسل، قومیت، کلیسا، سلطنت، تہذیب، رنگ
 خواجلی نے خوب چُن چُن کے بنائے سبکرات
 لٹ مَرانا داں خیالی دیوتاؤں کے لیے
 سڈر کی لذت میں تُو لٹوا لیا نعتِ حیات
 مگر کی چپالوں سے بازی لے لیا سرمایہ دار
 انتہائے سادگی سے لٹا لیا مزدور مات
 اٹھ کہ اب بزمِ جہاں کا اور ہی انداز ہے
 مشرق و مغرب میں تیرے دور کا آغاز ہے
 ہمتِ عالی تو وریا بھی نہیں کرتی قبول
 غنچہ پساں غافل تھے دامن میں شبنم کب تک
 نغمہ بیداری جمہور سے سامانِ عیش
 قصہ خواب اور اسکندر و جم کب تک
 افتاب تازہ پیدا بطنِ لیتی سے ہوا
 آسماں! ڈوبے ہوتے تاروں کا نام کب تک

۲۹۲

باقی رہا

۲۶۶

توڑ ڈالیں فطرتِ انساں نے زنجیریں تمام
 دُور ہی جنت سے روٹی چشمِ اوم کب تک
 باغبانِ چارہ نرملے سے یہ کہتی ہے بہا
 زخمِ گل کے واسطے تدبیرِ مرہم کب تک
 کر کماں ناواں اطوافِ شمع سے آزاد ہو
 اپنی فطرت کے تجلی زار میں آباد ہو

دُنیا کے اسلام

کیا سناتا ہے مجھے ترک و عرب کی استاں
 مجھ سے کچھ پنہاں نہیں اسلامیوں کا سوز و سنا
 لے لے سٹیت کے فرزند میراثِ خلیل
 خشتِ بنیادِ کلیسا بن لٹی خالِ حجاز
 ہو گئی رسوا زمانے میں کلاہ لالہ زنا
 جو سراپا نازتھے ہیں آج مجسوز نیاز

لے رہا ہے مے فروشانِ فرنگستان سے پارس
 وہ مے کرش حرارت جس کی ہے عینِ کلدان
 حکمتِ مغرب سے ملت کی کیفیت ہوتی
 ٹکڑے ٹکڑے جس طرح سونے کو کر دیتا ہے کان
 ہو گیا مانند آبِ ازاں اسماں کا لہو
 مضطرب ہے تو کہ تیرا دل نہیں دانتے ازان
 گفتِ رومیؒ "ہر سبکے لہنہ کا باداں کسند"
 می ندانی "اول اں بنیاد را ویراں کسند"
 "ملک ہاتھوں کے کیا ملت کی آنکھیں کھل گتیں"
 حق ترا چشمے عطا کر دستِ غافل درنگر
 مویسائی کی کہانی سے تو بہتر ہے شکست
 موربے پر اے حاجتے پیشِ سلیمانے زہر
 ربط و ضبطِ ملتِ مضرب ہے مشرق کی نجات
 ایشیا والے ہیں اس نکتے سے اب تک خبر

۲۹۲

بانگِ درا

۲۷۸

پھر سیاست چھوڑ کر داخلِ صبا رہیں میں جو

ملک و دولت سے فقط حفظِ حرم کا الٹا

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لیے

نیل کے ساحل سے لے کر تاجخاک کا شہر

جو لڑے گا امتیازِ رنگ و خون مٹ جائے گا

شکرِ حشر کا پی ہو یا عسرا بی والا لہر

نسلِ اسلام کی مذہب پر مقدم ہوتی

اڑکیا دنیا سے تو مانسہ خاک رہ گزر

تا حنرافت کی بنا دنیا میں ہو پھر استوار

لاکھوں سے ٹھونڈ کر اسلاف کا قلبِ جگر

اے کہ شناسیِ حنفی را از جلی شہسپار باش

اے گرفتارِ ابو بکرؓ و علیؓ شہسپار باش

عشق کو منسریاؤ لازم تھی سو وہ بھی ہو چکی

اب ذرا دل تھام کر منسریاؤ کی تاثیر دیکھ

تُو نے دیکھا سٹو ت رفتار دریا کا عروج
 موج مضطرب کس طرح بنتی ہے اب زنجیر دیکھ
 عام حضرتیت کا جو دیکھا تھا خواب اسلام نے
 اے سماں آج تو اس خواب کی تعبیر دیکھ
 اپنی حفا کتر سمندر کو ہے سامان وجود
 مر کے پھر ہوتا ہے پیدا یہ جان پیر دیکھ
 کھول کر آنکھیں مے آتینہ لفتار میں
 آنے والے دور کی دھندلی سی ال تصویر دیکھ
 از مودہ فتنہ ہے ال اور بھی لرزوں کے پاس
 سامنے تفتدیر کے رسوائی تدبیر دیکھ
 سلم استی سینہ را از آرزو آباد وار
 ہر زمان پیش نظر لای خلف المیعاد وار



طلوعِ اسلام

دلیلِ صبحِ روشن ہے ستاروں کی تنک تابی
افق سے آفتاب ابھرا، کیا دور کراں خوابی
عسروں مَرودہ مشرق میں خونِ زندگی وِوڑا
سمجھ سکتے نہیں اس از لوسینا و سارابی
سلمان کو سلمان کر دیا طوفانِ مغرب نے
تلاطم ہاتے دریا ہی سے ہے کوہِ سیرابی
عطا مومن کو پھر درگاہِ حق سے ہونے والی ہے
شکوہِ ترکِ سانی، زہینِ ہندی، نطقِ عربی
اثر کچھ خواب کا غنچوں میں باقی ہے تو اے بے طیبی!
”نوارِ تلخِ ترمی زن چو ذوقِ نغمہ لم یابی“
تڑپِ صحنِ چمن میں اشیاں میں شاخساروں میں
جدا پکے سے ہو سکتی نہیں تفتدیرِ سیمابی

وہ چشم پاک ہیں کیوں زینت برستواں دیکھے
نظر آتی ہے جس کو مردِ عنازی کی جگر بانی
ضمیرِ لالہ میں روشن چراغِ ارزو کرے
چمن کے ڈرے ڈرے کو شہیدِ خستجو کرے

سر شاہِ چشمِ مسلم میں سے میاں کا اثر پیدا
خلیل اللہ کے دریا میں ہوں کے پھر لہر پیدا
کتابِ ملتِ بیضا کی پھر شیرازہ ہندی ہے
یہ شاخِ ہاشمی کرنے کو ہے پھر برک و بر پیدا
ربو و اس ترکِ شیرازی دلِ تبریز و کابل را
صبا لرتی ہے بوئے گل سے اپنا سہم پیدا
اکر عثمانیوں پر لوہِ عنم ٹوٹا تو کیا عنم ہے
کہ خونِ صمد ہزار انجم سے ہوتی ہے سحر پیدا
جہاں بانی سے ہے دشوار تر کار جہاں بینی
جگر خوں ہو تو چشمِ دل میں ہوتی ہے نظر پیدا

۲۹۸

بانگِ درا

۲۸۲

ہزاروں سال نرس اپنی بے نورمی پڑتی ہے
 بڑھی شکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ورسیدا
 نوایر اچھے بے بل کہ پویرے ترقم سے
 کہو تر کے تن نازک میں شاہیں کا جگر پیدا
 ترے سینے میں ہے پوشیدہ راز زندگی لہرے
 مسلمان سے حدیث سوز و ساز زندگی لہرے
 خدائے لم یزل کا دست قدرت تو، زبان تو ہے
 یقین پیدا کرے غافل کہ مغلوب کہاں تو ہے
 پرے سے چرخ نیلی فام سے منزل مسلمان کی
 ستارے جس کی لہر راہ ہوں، وہ کارواں تو ہے
 مکان فانی، مکین آئی، ازل تیرا، ابد تیرا
 خدا کا احسن پیغام ہے تو، جاوداں تو ہے
 جانبند عروس لالہ ہے خون جگر تیرا
 ترمی نسبت براہی ہے معما جہاں تو ہے

۲۹۹
 بانگ درا
 ۲۸۲

تری فطرت میں ہے ممکناتِ زندگانی کی
 جہاں کے جوہرِ نضرت کا گویا امتحان تو ہے
 جہاں اب کل سے عالمِ جاوید کی خاطر
 نبوتِ ساتھ جس کو لے لئی وہ امتحان تو ہے
 بیچتے رہ کر نشتِ ملتِ بیضا سے پیدا
 کہ اقوامِ زمین ایشیا کا پاسباں تو ہے
 سبقِ پھر پڑھ صداقت کا، عدالت کا، شجاعت کا
 لیا جاتے گا تجھ سے کامِ دنیا کی امامت کا

یہی مقصودِ فطرت ہے، یہی رمزِ مسلمانی
 انہوت کی جہاں لیری، محبت کی فراوانی
 بتانِ رنگ و نغوں کو توڑ کر ملت میں کلم ہو جا
 نہ تورانی رہے باقی نہ ایرانی نہ افغانی
 میانِ شاخسارانِ صحبتِ مرغِ چین لب تک
 ترے بازو میں ہے پروازِ شاہینِ قہستانی

لمان آباد ہستی میں ہستی میں مرد مسلمان کا
 بیاباں کی شب تاریک میں قندیل بہانی
 بٹایا قصہ سر و کسری کے استبداد کو جس نے
 وہ کیا تھا، زور حیدر، فقر ٹوڑا، صدق سلمان
 ہوئے اصرار ملت جاوہ پیا کس تھیل سے
 تماشا شکی شکاف در سے ہیں صدیوں کے زندانی
 ثبات زندگی ایمان محکم سے ہے دنیا میں
 کہ المانی سے بھی پائندہ تر نکلا ہے توراتی
 جب اس انکارہ خالی میں ہوتا ہے یقین پیدا
 تو کر لیتا ہے یہ بال و پر روح الامیں پیدا
 غلامی میں نہ کام اتی ہیں ششیریں نہ تدبیریں
 جو ہو ذوق ہستی میں پیدا تو لٹ جاتی ہیں زنجیریں
 کوئی اندازہ کر سکتا ہے اس کے زور بازو کا
 نگاہ مرد مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں

ولایت پادشاہی، علم اشیا کی جہاں گیری
 یہ سب کیا ہیں، فقط ال کتہ ایمان کی تفسیریں
 براہی یہی نظر پیدا کر شکل سے ہوتی ہے
 ہوس چھپ چھپ کے سینوں میں بنا لیتی ہے تصویریں
 تیز بندہ و افتا فساد اوستی سے
 حذر اے چیرہ ستان اسخت ہیں فطرت کی تعزیریں
 حقیقت ایک ہے مرثے کی، حنا کی ہولہ نورمی ہو
 لہو خورشید کا شپکے رفتے کا دل چسپیں
 یقین حکم عمل پیہم، محبت فاتح عالم
 جہاں زندگانی میں ہیں یہ مردوں کی شمشیریں
 چہ باید مرد را طبع بلندے، مشرب نابے
 دل کرے، نگاہ پاک پینے، جان بیتابے
 عجبانی شان سے جھپٹے تھے جو بے بال و پر نکلے
 ستارے شام کے خون شفق میں ڈوب کر نکلے

۳۰۲
 بانگے را
 ۲۸۶

ہوتے مدفون دریا زیر دریا تیسرنے والے
 طمانچے موج کے لھاتے تھے جو بن لہر نکلے
 غبارِ رہ لزر ہیں، کیمیا پر ناز تھا جن کو
 چمپین خال پر رکھتے تھے جو، اسیر نکلے
 ہمارا نرم زوفت اصد پیام زندگی لایا
 خبر دیتی تھیں جن کو بجلیاں وہ بے خبر نکلے
 حرم رسوا ہوا پیر حرم کی لم نکا پی سے
 جو ان تار می کسوت در صاحب نظر نکلے
 زمیں سے نوریان آسماں پرواز کہتے تھے
 یہ خالی زندہ تر، پائندہ تر، تابندہ تر نکلے
 جہاں میں اہل ایماں صورتِ خورشید جیتے ہیں
 ادھر ڈوبے ادھر نکلے، ادھر ڈوبے ادھر نکلے
 یقین انرا دکا سارے تعمیرِ ملت ہے
 یہی قوت ہے جو صورتِ گرفتارِ ملت ہے

تو راز کن فکاں ہے اپنی آنکھوں پر عیاں ہو جا
 خودی کا راز واں ہو جا، حسد کا ترجمان ہو جا
 ہوس نے کر دیا ہے ٹکڑے ٹکڑے نوع انسان کو
 اُخت کا بیاں ہو جا، محبت کی زباں ہو جا
 یہ پندی وہ شہ اسانی، یہ افسانی، وہ توریانی
 تو اے شہ مندرہ ساحل! اچھل کر بے لراں ہو جا
 عمار الودہ رنگ و نسب ہیں بال و تریسے
 تو اے مرغِ حرم! اڑنے سے پہلے پریشان ہو جا
 خودی میں ڈوب جا غافل! یہ ستر زندگی ہے
 نکل کر صفتِ شام و سحر سے جاوداں ہو جا
 مصحفِ زندگی میں سیرتِ فولاد پیدا کر
 شبستانِ محبت میں حیرتِ پرینیاں ہو جا
 گزر جا بن کے کیل شند کو کوہِ بویاں کے
 گلستاں راہ میں آئے تو جوئے نغمہ خواں ہو جا

۳۰۴

بانگِ درا

۲۸۸

ترے علم و محبت کی نہیں ہے آہٹا کوئی
نہیں ہے تجھ سے بڑھ کر ساز فطرت میں نوا کوئی

ابھی تک آدمی سید زبون شہر یاری ہے

قیامت ہے کہ انساں نوع انساں کا شکار ہے

نظر کو خیرہ کرتی ہے چمک تہذیب حاضر کی

یہ ستاعی مگر جھوٹے نلوں کی ریزہ کاری ہے

وہ حکمت ناز تھا جس پر خرد مند ان مغرب کو

پوس کے پنجہ خونیں میں تیغ کارزار می ہے

تدبیر کی فنوں کاری سے محکم نہیں سکتا

جہاں میں جس تمدن کی بنا ساریہ دار می ہے

عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی

یہ خالی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ تاری ہے

خروش اس موز بیل ہو، کمرہ غنچے کی والرو کے

کہ تو اس گلستاں کے واسطے باد بہار می ہے

۳۰۵
بانگِ درا
۲۸۹

پھر اٹھی ایشیا کے دل سے چنگاری محبت کی
 زمیں جولاں کہ اسلس قبایاں تار سے
 بیا پیدا خریدارست جان ناتوانے را
 "پس از مدت گذار افتاد بر ما کاروانے را"
 بیا ساقی نولے مرغزار از شاخار آمد
 بہار آمد نگر آمد، نگر آمد و تزار آمد
 کشید ابر بہار نمی خیمہ اندر واد می و صحر
 صدائے ایشاراں از فرزند کوہ ہزار آمد
 سرت کردم تو ہم قانون پیش ساز وہ ساقی
 کہ خیل نعنہ پر و ازاں قطار اندر قطار آمد
 کنار از زاہد ہاں بر بیرون بے باکانہ ساعش
 پس از مدت ازین شاخ لہن باناب ہزار آمد
 ہشتا قان حدیث خجستہ بدر و سنین اور
 تصرف ہے پنہانش بحشم لشکار آمد

۳۰۶
 بانگے دریا
 ۲۹

وگر شاخِ خلیل از خونِ مانم ناک می‌گردد
باز از محبتِ نقدِ ما کامل عیار آمد
سرِ حالِ شهیدِ برلِ لاله می‌باشم
که ز خوش بانس سالِ ملت با ساز آمد

”بیاتاکل بنفشانیم و در ساغر اندازیم
فلاک استقف بشکافنیم و طرح و میر اندازیم“





۳۰۸
 بانگِ درا
 ۲۹۲

آبادی کے لئے جا کر لوگوں کو
 دیکھا ہے وہاں پر

آبادی کے لئے جا کر لوگوں کو
 دیکھا ہے وہاں پر

آبادی کے لئے جا کر لوگوں کو
 دیکھا ہے وہاں پر

آبادی کے لئے جا کر لوگوں کو
 دیکھا ہے وہاں پر

آبادی کے لئے جا کر لوگوں کو
 دیکھا ہے وہاں پر

آبادی کے لئے جا کر لوگوں کو
 دیکھا ہے وہاں پر

آبادی کے لئے جا کر لوگوں کو
 دیکھا ہے وہاں پر

آبادی کے لئے جا کر لوگوں کو
 دیکھا ہے وہاں پر

آبادی کے لئے جا کر لوگوں کو
 دیکھا ہے وہاں پر

آبادی کے لئے جا کر لوگوں کو
 دیکھا ہے وہاں پر

آبادی کے لئے جا کر لوگوں کو
 دیکھا ہے وہاں پر

آبادی کے لئے جا کر لوگوں کو
 دیکھا ہے وہاں پر

عزلیات



اے باوصہ سببا! کہلی وائلے سے جا کہیو پیغام مرا
قبضے سے اُمت بیچاری کے دیں بھی گیا، دنیا بھی گئی

یہ موج پریشاں خاطر کو پیغام لبِ ساحل نے دیا
ہے دور وصال بھرا بھی، تو دریا میں گھس برا بھی گئی!

عزت ہے محبت کی قائم اے قیس! حجابِ محمل سے
محمل جو کیا عزت بھی گئی، غیرت بھی گئی، لیلہ بھی گئی

کی ترک تک دو قطرے نے تو ابروئے گوہر بھی ملی
اور کی فطرت بھی گئی اور کشمکش دریا بھی گئی

نکلی تو لب اقبال سے ہے، کیا جانے کس کی ہے یہ صدا
پیغام سکوں پہنچا بھی لہتی، دل محض کا تڑپا بھی گنتی



یہ سر و قمری بوسیل فریب کوشش ہے
تیرے پیمانوں کا ہے یہ لے لے مغرب اثر
باطن ہنکارہ آباد چمن خاموش ہے
تیرے پیمانوں کا ہے یہ لے لے مغرب اثر
خند زن ساقی ہے ساری انجمن کے پیش ہے
دہر کے غم خانے میں تیرا پتا ملتا نہیں
جرم تھا کیا آفرینش بھی کہ تو روپوش ہے
اے! دنیا دل سمجھتی ہے جسے وہ دل نہیں
پہلوئے انساں میں ال ہنکارہ خاموش ہے
زندگی کی رہ میں حل لکین فراہم بیچ کے حل
یہ سمجھ لے کوئی میسنا خانہ بار دوش ہے

جس کے دم سے دلی لاہور ہم پہلو ہوتے
اے! اقبال! وہ بوسیل بھی خاموش ہے



نالہ ہے بوسیل شوریدہ ترا خام بھی
پختہ ہوتی ہے المصلحت اندیش عقل
اپنے سینے میں اسے اور راتھام بھی
عشق ہو مصلحت اندیش تو ہے خام بھی
بے خطر کو و پڑا آتش نمرود میں عشق
عقل ہے جو تماشائے لب بام بھی

۲۱۰
بانگ درا
۲۹۲

عقل سمجھی ہی نہیں سنی پیغام بھی
 تو ہے تار می بُت خانہ ایام بھی
 ہے ترے دل میں وہی کوشش انجام بھی
 تیری میزوں ہے شمارِ شام بھی
 مرے لہساکے لالے ہیں تہی جام بھی
 مرے سانچے سے جھکتے ہیں مے اشام بھی

عشق فرمودہ قاصد سے سبک کا عمل
 شیوہ عشق ہے آزادی و دہرا شوبی
 غدر پر سیرِ زیست ہے بجز کر ساقی
 سعی سہم ہے تراژوئے کم و کیف حیات
 ابرغیاں یہ تینکِ بخشِ شبنم کب تک
 باوہ لردانِ عجم و عربی میری شراب

خبر اقبال کی لائی ہے گلستاں سے نسیم
 نو گرفتار پھر کت ہے تیرا دام بھی



چشم مہر و مہ و انجم کو تماشا سانی کر
 بے حجابانہ مرے دل سے شناسانی کر
 تیرے سینے میں کر ہے تو مسیحا جانی کر
 اپنی ہستی سے عیاں شعلہ سینائی کر
 دل کو بیگانہ اندازِ کلیسانی کر

پر وہ چہرے سے اٹھا، انجمن آرائی کر
 توجو بجلی ہے تو یہ چشمک پہناں کتک
 نفسِ حرم کی تاثیر ہے عجب از حیات
 کب تک طور پہ در نوزہ لری مثلِ کلیم
 ہو تری خال کے ہر ترے سے تعمیرِ حرم

اس گلستاں میں نہیں حد سے گزرنا اچھا ناز بھی کر تو بہ اندازہ رعنائی کر
پہلے خود دار تو مانند کندہ ہولے پھر جہاں میں ہو بس شوکتِ دارائی کر

مل ہی جائے گی کبھی منزلِ سیلی اقبال
کوئی دن اور ابھی باویہ پیاسی کر

پھر باد بہارا آئی، اقبال غزل خواں ہو
تو خال کی مٹھی ہے اجزائی حرارت سے
تو جنسِ محبت ہے قیمت ہے کراں تیری
کیوں ساز کے پردے میں مستور ہو لے تیری
لے بہر و نیرانہ راستے میں اگر تیرے
غنجیہ ہے اگر گل ہو گل ہے تو گلستاں ہو
برسم ہو پریشان ہو، وسعت میں بیابان ہو
لم مایہ میں سو اکر اس یس میں ازان ہو
تو نغمہ زنجیں سے گہر کوششِ غیبیان ہو
گلشن ہے تو شبنم ہو صحرا ہے تو طوفان ہو

ساماں کی محبت میں مضمحل ہے تن آسانی
مقصد ہے اگر منزلِ عارت گرساماں ہو

کبھی اے حقیقت غنظرِ نظر الباسِ محالیں
کہ ہزاروں سجدے تڑپ رہے ہیں مرہمِ جبینِ یزیدیں

۳۱۲
بادشاہی
۲۹۶

طرب آشنا خروش ہو تو نواب محرم خوش ہو
 تو چاچکے کئے رکھے تے ترا آئندے سے وہ آئندے
 وہم طوف کما شمع نے یہ لہا لہو اثر کس نے
 نہ کہیں جہاں میں اناں ملی جو اناں ملی تو کہاں ملی
 نہ وہ عشق میں رہیں مریاں نہ وہ حسن میں رہیں شویاں
 جو میں سر سجدہ ہوا کبھی تو زمیں سے آنے لگی صدا
 ترا دل تو ہے صنم آشنا تجھے کیا ملے گا نماز میں



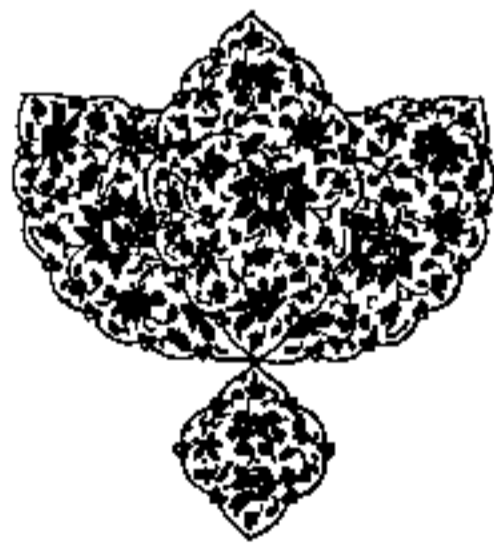
تہ و ام بھی غزل آشنا ہے طراں چہن تو کیا
 ترا جلوہ کچھ بھی سہلی دل نا صبور نہ کر سکا
 نہ خدار ہا نہ صنم رہے نہ قریب میر و حرم رہے
 جو فغان لوں میں تڑپ ہی تھی نوائے زیر لبی ہی
 وہی گریہ سحری ما وہی آنیم شبی ہی
 نہ رہی کہیں اس دل لہی نہ کہیں بولہبی ہی
 مراسم الریحہ ستم رسید زخمہ ما عجب رسم
 وہ شہید فوق و فاعوں میں نوا مرئی بی ہی



۳۱۳
 باغیچہ دریا
 ۲۹۶

گرچہ تو زندانی اسباب ہے قلب کو بس کن ذرا آزاد رکھ
 عقل کو تنقید سے فرصت نہیں عشق پر اعمال کی بنیاد رکھ
 اے سلسلاں! بہر گھڑی پیش نظر آیہ "لَا يُخْلِفُ الْمَعَادُ" رکھ

یہ لسانِ معصوم کفر پر نام ہے
 "إِنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ" یاد رکھ



۳۱۲
 بانگِ درا
 ۲۹۸

ظلمت

مشرق میں اصول دین بن جلتے ہیں مغرب میں مکرشین بن جاتے ہیں
رہتا نہیں ایک بھی ہمارے پتلے واں ایک کے تین تین بن جاتے ہیں



لڑکیاں ٹپھ رہی ہیں انگریزی ڈھونڈ لی قوم نے فلاح کی راہ
روشِ مغربی ہے مدِ نطنہ وضعِ مشرق کو جانتے ہیں گناہ
یہ ڈراما دکھائے گا کیا سین پروہ اٹھنے کی منتظر ہے نگاہ



شیخ صاحب بھی تو پروے کے کوئی حامی ہیں مفت میں کالج کے لڑکے ان سے بدظن ہو گئے
عظیم سنہ رو یا کل آپ نے یہ صاف صاف ”پروہ آخر کس سے ہو جب مروہی زن ہو گئے“

۳۱۵
بانگِ درا
۲۹۹

یہ کوئی دن کی بات ہے مرد ہوش مند! غیرت نہ تجھ میں ہوگی نہ زن اوٹ چاہے گی
 آگ ہے اب وہ دور کہ اولاد کے عوض کونسل کی ممبری کے لیے اوٹ چاہے گی

تعلیم مغربی ہے بہت جرات آسریں پہلا سبق ہے پیٹھ کے کالج میں مار ڈینک
 بستے ہیں ہند میں جو خیر پیرا ہی فقط آغا بھی کے آتے ہیں اپنے وطن سے چینک
 میرا یہ حال، بوٹ کی ٹوچا سٹا ہوں میں ان کا یہ حکم، دیکھ! مرے فرش پر نہ رینک

کہنے لگے کہ اونٹ ہے بھڑا سا جانور
 اچھی ہے گلے رکھتی ہے کیا نول و سٹنگ

کچھ غم نہیں جو حضرت اعظمت ہیں تنگ دست تہذیب کے سامنے سر اپنا حتم کہیں
 رو بہ ساد میں تو بہت کچھ لکھا لیا ترویج حج میں کوئی رسالہ مستم کہیں

تہذیب کے مرض کو لولی سے فائدہ! دفع مرض کے واسطے پل پیش کیجیے

۳۱۶
 بانگ سے در
 ۳۰۰

تھے وہ بھی ان کہ خدمتِ استاذ کے عوض دل چاہتا تھا وہ یہ دل پیش کیجئے

بدلانہ زمانہ ایسا کہ لڑکا پس از سبق

کتاہے ماسٹر سے کہ دل پیش کیجئے!



چھتر مائیں، زو مال، منفلر، پیرچن جاپان سے
اس کے غسال قابل سے لفرن جاپان سے

انتہا بھی اس کی ہے آخر خریدیں کیت تک
اپنی غفلت کی یہی حالت اروت تم پر ہی



وان لٹریٹ بلوری میں ایک پڑانا مشکا ہے
جو قائم اپنی راہ سے اور پکا اپنی نیت کا ہے
گروں کے کتنی بلندی سے قوموں کو دے سکتا ہے

ہم مشرق کے مسکینوں کا دل مغرب میں جا سکا ہے
اس دور میں سب مٹ جائیں ہاں باقی رہ جائے گا
ایسے شیخ و برہمن، سنتے ہو کیا اہل بصیرت کہتے ہیں

یاما ہم سارے کے جلسے تھے دستورِ محبت قائم تھا

یاجت میں اردو ہندی سے یا قرمانی یا حشکلیے



”اھل شہود و شاہد و شہود ایک ہے“ غالب کا قول سچ ہے تو پھر ذکرِ غیر کیا

۳۱۷
بانگِ درا
۳۰۱

کیوں اے جناب شیخ! سنا اپنے بھی کچھ
کہتے تھے کعبے والوں سے کل اپنی دیر کیا
ہم پوچھتے ہیں مسلم عاشق مزاج سے
الفت بتوں سے تو برہمن سے سیر کیا!

ہاتھوں سے اپنے دہن و نیا نکل گیا
قانون وقف کے لیے لڑتے تھے شیخ جی
رخصت ہو اولوں سے خیال معاد بھی
پوچھو تو وقف کے لیے جا تا د بھی!

وہ سن بولی ارادہ خود کشی کا جب کیا میں نے
نہ جرات نہ خیر ہے تو قصہ خود کشی کیا
کہا میں نے کہ اے جان جہاں کچھ نقد و لواؤ
مہذبے تو اے عاشق! قدم باہر دھر سے
یہ مانا درو ناکامی کیا تیرا لڑ جہ سے
کراتے پر منگالوں کا کوئی افغان سر سے

ناواں تھے اس قدر کہ نہ جانی عرب کی قدر
مغرب میں ہے جہاں بیاباں شتر کا نام
حاصل ہوا یہی نہ بچے مار پیٹ سے
شکر کوں نے کام کچھ نہ لیا اس فلیٹ سے

ہندوستان میں خبر حکومت ہیں کونسلیں
آغاز ہے ہمارے سیاسی سال کا

۳۱۸
بانگِ ردا
۳۰۲

ہم تو فقیر تھے ہی، ہمارا تو کام تھا
سیکھیں سلیقہ اس امر اچھی سوال کا

ممبری اسپیرٹل لوئل کی کچھ شکل نہیں
ووٹ تو مل جائیں گے پیسے بھی لو آئیں گے کیا؟
میرا خائب خدا بخشتے، سجا فرمائے
ہم نے یہ مانا کہ ولی میں ہیں کھائیں گے کیا؟

وسیل مہر و وفا اس بڑھ کے کیا ہوگی
نہ چہ حضور سے اُلفت تو یہ تسم نہ ہمیں
مبصرے حلقہ کمپنی میں کچھ کہیں ہم بھی
مگر رضائے ظلمت کو بھانپ لیں تو ہمیں
سند تو لیجئے لڑکوں کے کام آتے گی
وہ مہربان ہیں اب پھر ہیں نہیں نہ رہیں
زمین پر تو نہیں ہندویوں کو جا ملتی
مگر جہاں میں ہیں خالی سمندروں کی تہیں

مشاکشتی بے طمع فرماں ہیں

کہو تو بے تہہ سال ہیں کہو تو ہمیں

فرمائیے تھے شیخ طریق عمل یہ وعظ
کفار ہند کے ہیں تجارت میں سخت کوشش
مشرک ہیں جو کہتے ہیں شرک سے لین دین
لیکن ہماری قوم ہے محروم غسل و ہوش

ناپاک چیز ہوتی ہے کافر کے ہاتھ کی
 سن لے کر ہے گوشِ مسلمان کا حق نبوش
 اک باوہ کش بھی وعظ کی محفل میں تھا شریک
 جس کے لیے نصیحت اعظمتھی بار گوش
 کہنے لگا ستم ہے کہ ایسے قیود کی
 پابند ہو تجارتِ سامان خورد و نوش
 میں نے کہا کہ آپ کو مشکل نہیں کوئی
 ہندوستان میں ہیں علم کو بھی سے فروش

دیکھیے چلتی ہے مشرق کی تجارت کتب
 شیشہ ویں کے عوض جام و سبولیتا ہے
 ہے مداوائے جنوں شہر تعلیم جدید
 میرا سر جن ریل ملت سے لہو لیتا ہے

گائے ال دوز ہوئی اونٹ سے یوں کہ سخن
 نہیں ال حال یہ دنیا میں کسی شے کو قرار
 میں تو بدنام ہوئی توڑ کے رسی اپنی
 سنتی ہوں اپنے بھی توڑ کے رکھ دی ہوا
 ہند میں آپ تو از روئے سیاست میں ہم
 ریل چلنے سے مکر و دشتِ عرب میں سیکھا
 کل ملک آپ کو تھا گائے کی محفل سے حذر
 تھی لٹکتے ہوئے ہونٹوں پہ صدائے زہما
 آج یہ کیا ہے کہ ہم پر ہے عنایت اتنی
 نہ رہا آئندہ دل میں وہ دیرینہ غما

جب تیرے رُسنی اونٹ نے شرب کے کہا
 رشک صد غمزه اشر ہے ترمی ایک کلیل
 ترے ہنگاموں کی تاثیر یہ پھیلی بن میں
 ایک ہی بن میں ہے مدت سے سیر اپنا
 گو سفند و شتر و کا و وینک و خرنک
 باغبان ہوسبق آموز جو بلبل کا
 وئے ہی جام ہمیں بھی کہ مناسب ہے یہی
 ہے ترے چائے والوں میں سہارا بھی شہما
 ہم تو ہیں ایسی کلیوں کے پرانے سیا
 بے بانوں میں بھی پیدا ہے اوق لفتار
 کچھ کچھ پاس نہیں جا رہا بھی کھاتے ہیں اوصا
 ایک ہی رنگ میں نکھیں تو ہے اپنا وقا
 ہمزبان سو کے رہیں کیوں نہ طیور گلزار
 تو بھی شہر ہو تیرے رُفتا بھی شہر

”دلق حافظ بچہ ارزوبہ شیش رنگیں کن
 وانگش مست و خراب از رہ بازار سیا“



رات پھرنے کہہ یا مجھ سے
 مجھ کو دیتے ہیں ایک نونہ لہو
 جبر اپنی ناتسامی کا
 جدہ شب بھر کی تشنہ کامی کا

اور یہ بسوہ دار نے زحمت

پی کیا سب لہو اسامی کا

یہ آئیہ نوجہیل سے نازل ہوئی مجھ پر
لیتا میں ہے قرآن تو قرآن میں کیتا
کیا خوب ہوئی اشقی شیخ و برہمن
اس جنک میں آخر نہ یہ ہارا نہ وہ چیتا

مندر سے تو بیزار تھا پہلے ہی سے بدری
مسجد نے نکلتا نہیں ضدی نے کیتا

جان جائے ہاتھ سے جائے زرت
چے یہی اک بات ہر مذہب کا ت
چختے ایک سہی تھیل کے ہیں
سانو کارمی بسوہ داری، سلطنت

محنت و سزا دینا میں صفا ہو گئے
دیکھے ہوتا ہے کس کس کی تباہوں کا خون
حکمت و تدبیر سے فیتہ اسٹون خیز
نہ نہیں جتا و قد کشتیم یہ شمشیر خون
گھل گئے یا جوج اور با جوج کے شکر تمام
چشم مسلم دیکھ لے تفسیر حرف نیسلون

شام کی سرحد رخصت ہے وہ زندلم بزل
رکھ کے میجانے کے ر قاعد بالائے حق

۳۲۲

بانگے در

۳۰۶

یہ اگر سچ ہے تو ہے کس درجہ عبرت کا مقام
 زنگ ال پل میں لجاتا ہے یہ نیلی واق
 حضرت لڑن کو اب نہ کہتا ہے ضرور
 حکم بڑا ہی کے معنی میں ہے بولا الطاق
 وفد ہندستان کے تھے ہیں سر آغا خان طلب
 کیا یہ چورن ہے پے ہضم فلسطین عراق؟

تکرات تھی مزارع و مالک میں ایک روز
 دونوں یہ کہہ رہے تھے مرا مال ہے زمین
 کہتا تھا وہ کہے جو زراعت اس کی طاہت
 کہتا تھا یہ کہ عقل ٹھکانے تری نہیں
 پوچھا زمین سے کہ ہے کس کا مال تو
 بولی مجھے تو ہے فقط اس بات کا یقین
 مالک ہے یا مزارع شوریدہ حال ہے
 جو زیر آسمان ہے وہ دھرتی کا مال ہے

اٹھا کر پھینکا وہ باہر گلی میں
 نئی تہذیب کے انڈے ہیں نئے
 انکشن مہربری، کنسل، صدارت
 بنائے خوب ازاد ہی نے پھینکے
 میاں بخار بھی پیلے گتے ساتھ
 نہایت تیز ہیں یورپ کے رندے

کارخانے کا ہے مالک مَرُورِ نادرِ کا
عیش کا پتلا ہے محنت سے اسے ساز کا
حکیم حق ہے نہیں لدا نساں الا ماسعی
کھلتے کیوں مزدور کی محنت کا چل سڑیہ

سنا ہے میں نے کل لکھتے تھی کارخانے میں
پرانے جھونپڑوں میں بے ٹھکانا دست کاروں کا
مگر کرنے کیا خوب سہل ان بنوایا
کوئی اس شہر تک نہیں تھا سڑیہ داروں کا

مسجد تونادہی شہر میں سماں کی حرارت اٹھانے
من اپنا پرانا پاپی ہے برسوں میں نمازی بن سکا
کیا خوب انصاف ہے کہ سٹوہی نے پیغام دیا
تو نام اوسے کا حجازی ہے پر دل کا حجازی بن سکا
ترا سچھیں تو جاتی ہیں یہ کیا لذت اس نے میں
جب جن جگر کی امیرش کے شک پیری بن سکا

اقبال بڑا پیشک ہے من باتوں میں موہ لیتا ہے
گفتار کا عین نامی تو بنا کر دار کا عین نامی بن سکا



۳۲۲
بانگِ درا
۳۰۸

بالی جبریل

اقبال

۳۲۵
بالی جبریل

بال جبریل
نفس منیر

و طمأننته کما یمن سفیر تازه کریں
نفس کو خوش و شام و سحر تازه کریں

ابتد

۳۲۶
بال جبریل

۲

اٹھ کہ خورشید کا سامانِ سخن تازہ کریں
نفسِ نوحہ شام و سحر تازہ کریں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

۱

میری نوا کے شوق کے شور و جہیم ذات میں !

مفلحان سے اللہ ماں بستگدہ صفاست میں !

حور و زینتہ میں اسیر مر سے تہذیب میں

میری نگاہ سے غفل تبری بقیامت میں !

گرچہ ہے میری جستجو دیر و جہم کی نقش بند

میری مفاہ کے سنجیدہ کوہ و سونہ میں !

گاہ مری نگاہ تیز چیر گئی دل وجود

گاہ الجھنے راہ گئی سے تو بجاست میں !

تو نہ یہ کیا غضب کیا ! محبو بھی فاکر کردیا

میں ہی تو ایک راز تھا سنیہ مانا میں !

۳۲۸

بال جبریل

۱۲

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

فہرست

غزلیات (حصہ اول)

۳۲۵/۲۱	میری نوائے شوق سے شور حریمِ ذات میں	۱
۳۲۶/۲۲	الرجز رو ہیں اخبم، آسماں تیرا ہے یا میرا؟	۲
۳۲۷/۲۳	گیسوتے تابدار کو اور بھی تابدار کر	۳
۳۲۸/۲۴	اثر کرے نہ کرے، حسن تو لے مری فریاد	۴
۳۲۹/۲۵	کیسا عشق ایک زندگی ستعار کا	۵
۳۵۰/۲۶	پریشاں ہو کے میری خاکِ اخروں نہ بن جائے	۶
۳۵۰/۲۶	دلگوں ہے جہاں تاروں کی کروشس تیز ہے ساقی	۷
۳۵۱/۲۷	لا پھر اک بار وہی باوہ و جام لے ساقی!	۸

- ۳۵۲/۲۸ ۹ مٹا دیا میرے ساتی نے عالم سن تو
- ۳۵۲/۲۸ ۱۰ ستاع بے بسا ہے درد و سوز آرزو مندی
- ۳۵۳/۲۹ ۱۱ تجھے یاد کیا نہیں ہے میرے دل کا وہ زمانہ
- ۳۵۲/۳۰ ۱۲ ضمیمہ لالہ کے غسل سے ہوا لب ریز
- ۳۵۲/۳۰ ۱۳ وہی سیر کی نصیبی، وہی تیری بے نیازی
- ۳۵۵/۳۱ ۱۴ اپنی جولاں گاہ زیر آسماں سمجھا تھا میں
- ۳۵۶/۳۲ ۱۵ اک دانش نوری، اک دانش برہانی
- ۳۵۶/۳۲ ۱۶ یارب! یہ جہاں کزراں خوب ہے لیکن

غزلیات (حصہ دوم)

- ۳۵۹/۳۵ ۱ سا سکتا نہیں پینا تے فطرت میں مرا سودا
- ۳۶۳/۳۹ ۲ یہ کون غزل خواں ہے پر سوز و شاطہ آہیز
- ۳۶۲/۴۰ ۳ وہ حرف راز کہ مجھ کو سکھا لیا ہے جنوں
- ۳۶۵/۴۱ ۴ عالم آب و خال و باد، ستر عیاں ہے تو کہ میں
- ۳۶۵/۴۱ ۵ تو ابھی رہ کزراں میں ہے، قید مستام سے کزرا

۳۶۶/۴۲	۶	امین راز ہے مردانِ حشر کی درویشی
۳۶۷/۴۳	۷	پھر چراغِ لالہ سے روشن ہوئے کوہ و دامن
۳۶۸/۴۴	۸	مسلمان کے لہو میں ہے سیدیقہ دل نوازی کا
۳۶۸/۴۴	۹	عشق سے پیدا ہوا ہے زندگی میں زیرِ بوم
۳۶۹/۴۵	۱۰	دل سوز سے خالی ہے نگہِ پاک نہیں ہے
۳۶۹/۴۵	۱۱	ہزار خوف ہو لیکن زبان ہو دل کی رنسیق
۳۷۰/۴۶	۱۲	نوحہ اس سے کہ مقبول ہے فطرت کی گواہی
۳۷۱/۴۷	۱۳	یہ حوریانِ سنرنگی، دلِ وطن کا حجاب
۳۷۱/۴۷	۱۴	دل بیدار و روقی، دل بیدار کڑی
۳۷۲/۴۸	۱۵	خودی کی شوخی شندی میں کب فرما نہیں
۳۷۳/۴۹	۱۶	میر سپاہِ ناز، لشکریاں شکستہ تصف
۳۷۳/۴۹	۱۷	زیستانی ہوا میں گرچہ تھی شیر کی تیزی
۳۷۴/۵۰	۱۸	یہ دیر کھن کیا ہے؟ انبارِ خس و خاشاک
۳۷۵/۵۱	۱۹	کمال ترک نہیں اسبِ گل سے مجوری

۳۷۵/۵۱	عمتل کو آستان سے دُور نہیں	۲۰
۳۷۶/۵۲	خودی وہ کس ہے جس کا کوئی کنارہ نہیں	۲۱
۳۷۷/۵۳	یہ پیام دے کئی ہے مجھے بادِ صبح کا ہی	۲۲
۳۷۷/۵۳	ترمی نگاہِ سندروما یہ، ہاتھ ہے کوتاہ	۲۳
۳۷۸/۵۴	خرد کے پاس خبر کے سوا کچھ اور نہیں	۲۴
۳۷۹/۵۵	نگاہِ فہم میں شانِ سکندری کیا ہے	۲۵
۳۷۹/۵۵	نہ تو زمین کے لیے ہے نہ آسماں کے لیے	۲۶
۳۸۰/۵۶	تو اے اسیرِ مہاں! لامکاں سے دُور نہیں	۲۷
۳۸۱/۵۷	خرد نے مجھ کو عطا کی نظرِ حکیمانہ	۲۸
۳۸۱/۵۷	انلاک سے آتا ہے نالوں کا جوابِ آخر	۲۹
۳۸۲/۵۸	ہر شے مسافر، ہر چیز راہی	۳۰
۳۸۳/۵۹	ہر چیز ہے مجھِ خودنمائی	۳۱
۳۸۳/۵۹	عجیب ہے کسی کا یا گردشِ زمانہ	۳۲
۳۸۴/۶۰	خرد مندوں سے کیا پوچھوں کہ میری ابتدا کیا ہے	۳۳

۳۸۵/۴۱	جب عشق سلگھاتا ہے آداب خود آکاہی	۳۲
۳۸۶/۴۲	مجھے آہ و فغانِ نیم شب کا پھر پیام آیا	۳۵
۳۸۶/۴۲	نہ جو طغیانِ شتاقی تو میں رہتا نہیں باقی	۳۶
۳۸۷/۴۳	فطرت کو حسد کے زور پر کر	۳۷
۳۸۸/۴۴	یہ پیرانِ کلیسا و حرم ہائے وائے مجبوری	۳۸
۳۸۹/۴۵	تازہ پھر دانش حاضر نے کیا سحرِ قدیم	۳۹
۳۸۹/۴۵	ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں	۴۰
۳۹۰/۴۶	ٹھونڈ رہا ہے فرنگِ عیش جہاں کا دوام	۴۱
۳۹۱/۴۷	خودی جو علم سے محکم تو غیرتِ جبریل	۴۲
۳۹۲/۴۸	مکتبوں میں کہیں رعنائی افکار بھی ہے؟	۴۳
۳۹۲/۴۸	سادتہ وہ جو ابھی پروہ افلاک میں ہے	۴۴
۳۹۳/۴۹	رہا نہ حلفتِ صوفی میں سوزِ شتاقی	۴۵
۳۹۳/۴۹	چوانہ زور سے اس کے کوئی کریباں چاک	۴۶
۳۹۴/۵۰	یوں ہاتھ نہیں آتا وہ کو پھر یاد داز	۴۷

۳۹۵/۷۱	ز تخت و تاج میں نے شکر و سپاہ میں ہے	۴۸
۳۹۵/۷۱	فطرت نے نہ بخشا مجھے اندیشہ چالاک	۴۹
۳۹۶/۷۲	کریں گے اہل نطنز تازہ بستیاں آباد	۵۰
۳۹۶/۷۲	کی حق سے فرشتوں نے اقبال کی عمازی	۵۱
۳۹۷/۷۳	نے مہر باقی نے مہر بازی	۵۲
۳۹۷/۷۳	کرم نماں ہے جس، اٹھ گئی سا قافلہ	۵۳
۳۹۸/۷۴	ہری نوا سے چوکے زندہ عارف و عامی	۵۴
۳۹۹/۷۵	ہر اک معتم سے آگے لڑ گیا نہ نو	۵۵
۳۹۹/۷۵	لکھو نہ جا اس سحر و شام میں اے صاحب پیش	۵۶
۴۰۰/۷۶	تھا جہاں مدرسہ شیریں شاہنشاہی	۵۷
۴۰۱/۷۷	ہے یاد مجھے نکتہ سلمان خوش آہنگ	۵۸
۴۰۱/۷۷	فقر کے ہیں معجزات تاج و سریر و سپاہ	۵۹
۴۰۲/۷۸	کمال جوش جنوں میں رہا میں کرم طواف	۶۰
۴۰۲/۷۸	شعور و ہوش و خرد کا معاملہ ہے عجیب	۶۱

قطعہ (اندازِ بیاں کرچہ بہت شوخ نہیں ہے) ۲۰۳/۷۹

زبایا

- ۱ ترے شیشے میں بے باقی نہیں ہے ۳۳۶/۲۲
- ۲ دلوں کو مرکزِ مہر و وفا کر ۳۳۹/۲۵
- ۳ رہ و رسمِ حرمِ نامحسوس مانہ ۲۰۵/۸۱
- ۴ ظلامِ بحر میں کھو کر کسبِ جلا جا ۲۰۵/۸۱
- ۵ مکانی ہوں کہ آزادِ مسکن ہوں ۲۰۶/۸۲
- ۶ خودی کی حسرتوں میں گم رہا میں ۲۰۶/۸۲
- ۷ پریشاں کاروبارِ آشنائی ۲۰۶/۸۲
- ۸ یقینِ مشعلِ خلیلِ آتشِ شینی ۲۰۶/۸۲
- ۹ عرب کے سوز میں سازِ مجسم ہے ۲۰۶/۸۳
- ۱۰ کوئی دیکھے تو میری نئے نوازی ۲۰۶/۸۳
- ۱۱ ہر اک ڈرے میں ہے شاید مکھیں دل ۲۰۶/۸۳

۲۰۷/۸۳	ترا اندیشہ افلاکی نہیں ہے	۱۲
۲۰۸/۸۴	نہ مومن ہے نہ مومن کی آسیری	۱۳
۲۰۸/۸۴	خودی کی جستجوئوں میں مصطفیٰ نائی	۱۴
۲۰۸/۸۴	نگہ ابھی چوٹی ہے رنک بو میں	۱۵
۲۰۸/۸۴	جمالِ عشق و سستی نئے نوازی	۱۶
۲۰۹/۸۵	وہ سیرا رونقِ محسن کجاں ہے	۱۷
۲۰۹/۸۵	سوارِ نافتہ و محسن نہیں میں	۱۸
۲۰۹/۸۵	ترے سینے میں دم ہے دل نہیں ہے	۱۹
۲۰۹/۸۵	ترا جوہر ہے نورمی، پاک ہے تو	۲۰
۲۱۰/۸۶	محبت کا جسٹنوں باقی نہیں ہے	۲۱
۲۱۰/۸۶	خودی کے زور سے دنیا پہ چھا جا	۲۲
۲۱۰/۸۶	چمن میں رختِ گلِ شبنم سے ہے	۲۳
۲۱۰/۸۶	جنر سے راہرو روشن بصر ہے	۲۴
۲۱۱/۸۷	جانوں کو مری آو سحر دے	۲۵

۲۱۱/۸۷	ترمی ڈنیا جہان مرغ و ماہی	۲۶
۲۱۱/۸۷	کرم تیرا لے بے جو پھر میں	۲۷
۲۱۱/۸۷	وہی اصل مسکان و لامسکان ہے	۲۸
۲۱۲/۸۸	کبھی اوارہ و بے خانماں عشق	۲۹
۲۱۲/۸۸	کبھی تنہائی کوہ و دہن عشق	۳۰
۲۱۲/۸۸	عطا اسلاف کا جذبہ دُروں کو	۳۱
۲۱۲/۸۸	یہ تیرے میں نے سیکھا بواحسن سے	۳۲
۲۱۳/۸۹	خرد واقف نہیں ہے نیا بد سے	۳۳
۲۱۳/۸۹	خدا کی آہٹ نام خشک و تر ہے	۳۴
۲۱۳/۸۹	یہی اوم ہے سلطانِ بحر و بر کا	۳۵
۲۱۳/۸۹	وہم عارفِ نسیمِ صبح دم سے	۳۶
۲۱۴/۹۰	رگوں میں وہ لہو باقی نہیں ہے	۳۷
۲۱۴/۹۰	کھلے جاتے ہیں اسرارِ نہانی	۳۸
۲۱۴/۹۰	زمانے کی یہ گردشِ جاویدانہ	۳۹

۴۱۴/۹۰	۴۰	حکیمی نامہ سلمانی خودی کی
۴۱۵/۹۱	۴۱	ترا تن روح سے نا آشنا ہے
۴۱۵/۹۱	قطعہ	اقبال نے کل اہل خیاباں کو سنایا

منظومات

۴۱۷/۹۳	۱	دعا
۴۱۹/۹۵	۲	مسجد شریطیہ
۴۲۸/۱۰۲	۳	قید خانے میں معتقد کی فریاد
۴۲۹/۱۰۵	۴	عبدالرحمن اول کا بویا ہوا کھجور کا پہلا درخت — سرزمین اندلس میں
۴۳۰/۱۰۶	۵	ہسپانیہ
۴۳۲/۱۰۸	۶	طارق کی دعا
۴۳۳/۱۰۹	۷	لینن (خدا کے حضور میں)
۴۳۶/۱۱۲	۸	فرشتوں کا لیت

۳۳۸
بال جبریل
۱۲

۲۲۸/۱۱۴	۹	ذوق و شوق
۲۲۲/۱۱۸	۱۰	پروانہ اور جنگنو
۲۲۳/۱۱۹	۱۱	جاوید کے نام
۲۲۲/۱۲۰	۱۲	گدائی
۲۲۵/۱۲۱	۱۳	علا اور بہشت
۲۲۵/۱۲۱	۱۴	دین و سیاست
۲۲۶/۱۲۲	۱۵	الارض، اللہ
۲۲۶/۱۲۳	۱۶	ایک نوجوان کے نام
۲۲۸/۱۲۴	۱۷	نصیحت
۲۲۸/۱۲۴	۱۸	لالہ صحرا
۲۵۰/۱۲۶	۱۹	ساقی نامہ
۲۵۸/۱۳۴	۲۰	زمانہ
۲۶۰/۱۳۶	۲۱	فرشتے اور کوجنت سے رخصت کرتے ہیں

۳۳۹
بالِ حبریل
۱۵

۲۶۰/۱۳۶	۲۲	رُوحِ ارضی آدم کا استقبال کرتی ہے
۲۶۲/۱۳۸	۲۳	پیر و مرید
۲۶۳/۱۳۹	۲۴	جبریل و ابیس
۲۶۵/۱۵۱	۲۵	اذان
۲۶۶/۱۵۲	۲۶	محببت
۲۶۶/۱۵۲	۲۷	ستارے کا پیغام
۲۶۷/۱۵۳	۲۸	جاوید کے نام
۲۶۸/۱۵۳	۲۹	فانہ و مذہب
۲۶۹/۱۵۵	۳۰	یورپ کے ایک خط
۲۶۹/۱۵۵	۳۱	نیپولین کے مزار پر
۲۸۰/۱۵۶	۳۲	مسولینی
۲۸۲/۱۵۸	۳۳	سوال
۲۸۲/۱۵۸	۳۴	پنجاب کے دہقان سے
۲۸۳/۱۵۹	۳۵	نادر شاہ افغان

۳۲۰
بالِ جبریل
۱۶

۳۶ خوشحال خان کی وصیت

۲۸۲/۱۴۰

۳۷ تاتاری کا خواب

۲۸۲/۱۴۰

۳۸ سال و محنت

۲۸۶/۱۴۲

۳۹ ابوالعلا معری

۲۸۶/۱۴۲

۴۰ سنیا

۲۸۸/۱۴۲

۴۱ پنجاب کے پیرزادوں سے

۲۸۸/۱۴۲

۴۲ سیاست

۲۸۹/۱۴۵

۴۳ فخر

۲۹۰/۱۴۶

۴۴ خودی

۲۹۰/۱۴۶

۴۵ جبرائی

۲۹۱/۱۴۷

۴۶ خانقاہ

۲۹۱/۱۴۷

۴۷ ابلیس کی عرضداشت

۲۹۲/۱۴۸

۴۸ لہو

۲۹۳/۱۴۹

۴۹ پرواز

۲۹۳/۱۴۹

۳۲۱
بال جبریل
۱۷

۲۹۲/۱۶۰	شیخ مکتب سے	۵۰
۲۹۲/۱۶۰	فلسفی	۵۱
۲۹۵/۱۶۱	شاہین	۵۲
۲۹۶/۱۶۲	بانغی مُرید	۵۳
۲۹۶/۱۶۲	ہارون کی آخری نصیحت	۵۴
۲۹۶/۱۶۲	ماہر نسیات سے	۵۵
۲۹۶/۱۶۲	یورپ	۵۶
۲۹۸/۱۶۲	ازاد می افکار	۵۷
۲۹۸/۱۶۲	شیر اور نچتر	۵۸
۲۹۹/۱۶۵	چیونٹی اور عتاب	۵۹
۵۰۰/۱۶۶	(فطرت مری مانسہ نسیم سحری ہے)	قطعہ
۵۰۰/۱۶۶	(کل اپنے مُریدوں سے کہا پیر مُغان نے)	قطعہ



عزلیات

۳۳۳
بال جبریل
۱۹

پھول کی پتی سے کٹ سکتا ہے میرے کا جگر
مرد ناداں پر کلام نرم و نازک بے اثر

(بھرتی بھری)

۳۳۳۳
بالِ جبریل
۲۰

حصہ اول



میری نوائے شوق سے شوہر پریم ات میں
 خور و فرشتہ ہیں اسیر میرے غمخیزات میں
 گرجھے میری جستجو پر و حرم کی نقش بند
 گاہ مری نگاہ یہ ز چیر گئی دل و جو
 غلغلہ ہائے الاماں بت کدہ صفات میں
 میری نگاہ سے خلل تیری تجلیات میں
 میری فغان سے رستخیز کعبہ سونات میں
 گاہ الجھکے کہ لہتی میرے توہمات میں
 تو نے یہ کیا غضب کیا مجھ کو بھی فاش کر دیا
 میں ہی تو ایک از مہا سینہ کائنات میں!



۳۲۵
 بال جبریل
 ۲۱



اگر کج رو ہیں اسبم آسمان تیرا ہے یا میرا
 اگر ہنگامہ شوق سے ہے لامکان خالی
 مجھے فکر جہان خون ہے جہاں تیرا ہے یا میرا؟
 خطا کس کی ہو گناہ لامکان تیرا ہے یا میرا؟
 مجھے معلوم کیا وہ ازواں تیرا ہے یا میرا؟
 مگر یہ حرف شہسیریں تیرا ہے یا میرا؟
 مستند بھی ترا جبریل بھی قرآن بھی تیرا

اسی کو لب کی تابانی سے تیرا جہاں روشن
 زوالِ اہم حنا کی زیاں تیرا ہے یا میرا؟



ترے شیشے میں سے باقی نہیں ہے
 بتا، کیا تو مرا ساقی نہیں ہے
 سمندر سے ملے پیلے کو شبنم
 بخیلی ہے یہ رزاقی نہیں ہے



۳۲۶
 بابِ جبریل
 ۲۲



کیسوتے تاب دار لو اور بھی تاب دار کر
پوش و خروش کار کا قلب و نظر شکار کر
عشق بھی ہو حجاب میں حسن بھی ہو حجاب میں
یا تو خود اشکار ہو یا مجھے اشکار کر
تو ہے محیط بے کراں میں ہوں ذرا سی آج
یا مجھے ہمکنار کر یا مجھے بے کنار کر
میں ہوں صدف تو تیرے ہاتھ میرے لہری ابرو
میں ہوں خرف تو تو مجھے کوہ پر شاہوار کر
نعمتہ نوبہار ار میرے نصیب میں نہ ہو
اس دنم سوز لو طائر لب بہار کر
باغ بہشت سے مجھے حکم سفر و یا تھا کیوں
کار جہاں دراز ہے اب مرا منتظار کر

روزِ حساب جب مرا پیش ہو دستِ عمل
 آپ بھی شرمسار ہو، مجھ کو بھی شرمسار کر



اثر کرے نہ کرے سن تو لے مری فریا
 نہیں ہے وہ اک طالبِ سببِ آزاد
 یشتِ حال یہ صرصرِ یہ وسعتِ افلاک
 کرم ہے یا کہ ستم تیری لذتِ ایجا
 ٹھہر سکا نہ ہوائے چمنِ خمیں یہ گل
 یہی ہے فصلِ بہارِ مری یہی ہے باہِ مراد
 قصورِ از غریب اللہ یارِ نبوں سبکین
 ترا حنہ فرشتے نہ کر کے آبا
 مری جفا طلبی کو دعائیں دیتا ہے
 وہ دشتِ سادہ وہ تیرا جہانِ بے بنیا
 خطرِ پندِ طبیعت کو سازگار نہیں
 وہ گلستانِ جہاں لکھت میں چوسنا

مقامِ شوق تھے قدسیوں کے بس کا نہیں
 انھی کا کام ہے یہ جن کے وصلے ہیں زیا





کیا عشق ایک زندگی ستارہ کا
وہ عشق جس کی شمع بجھانے اجل کی چھوٹی
کیا عشق پتہ دار سے ناپا تہ دار کا
اُس میں مزا نہیں شپش و منتظن دار کا
میری بساط کیسے تبتاب یک نفس
شعلے سے بے محل ہے الجھنا شرار کا
کہ پہلے مجھ کو زندگی بسا دوں عطا
پھر فوق و شوق و دیدہ دل بے قرار کا

کاشا وہ دے کہ جس کی لٹک لٹک لڑواں ہو
یارب! وہ درو جس کی لٹک لٹک لڑواں ہو!



دلوں کو مرکز مہر و فن کر
حریم کبیریا سے آشنا کر
جسے نامِ جوین بخشش ہے تُو نے
اُسے باڑوئے حیدر بھی عطا کر



پریشان ہو کے میری خال اخروں نہ بن جائے
 نہ لڑیں مجھ کو مجبور نہ افر ووس میں جو ریں
 جو مشکل اب ہے پار بھڑ پڑھی مشکل نہ بن جائے
 کبھی چھوٹی ہوئی منزل بھی یاد آتی ہے اپنی
 مرا سوز و زوروں پھر کر بھی محض نہ بن جائے
 بنایا عشق نے زوریا تے ناپیدا کراں مجھ کو
 یہ میری خود نگہداری مرا حاصل نہ بن جائے
 وہی افسانہ ڈنبا کہ حاصل نہ بن جائے
 کہیں اس عالم بے رنگ و بو میں بھی طلب میری

عروج اوم خالی سے انجم سہمے جاتے ہیں
 کہ یہ ٹوٹا ہوا تارا مہ کامل نہ بن جائے



دل ہر ذرہ میں غوغائے رستا خیز ہے ساقی
 یہ کس کا فرادو کا سنسزہ خوں ریز ہے ساقی
 دل لڑوں سے جہاں تاروں کی لڑش تیز ہے ساقی
 متاع دین و نشوونما لسی اللہ الوں کی
 علاج اس کا وہی آپ نشاط انگیز ہے ساقی
 وہی برین بیماری وہی ناسکمی دل کی

۳۵۰
 بالِ جبریل
 ۲۶

حرم کے دل میں سوز آرزو پیدا نہیں ہوتا
 نہ اٹھا پھر کوئی رومی مجھ کے لالہ زاروں کے
 نہیں کیا امید قبائل اپنی کشت ویراں سے
 کہ پیدائی ترمی اب تک حجاب میرے ساقی
 وہی بگل ایران وہی بسیرے ساقی
 ذرا تم ہو تو یہ مٹی بہت زرخیز ہے ساقی
 فقیر راہ کو بخشے اسرارِ سلطانی
 بہا میری نوالی دولت چھوڑے ساقی



لا پھر اک بار وہی بادہ و جام اے ساقی
 تین سو سال سے ہیں ہند کے میخانے بند
 مری سینے غزل میں تھی فراسی باقی
 شیر مردوں سے ہوا بیشہ تحقیق تھی
 عشق کی تیغ جگر و ار اڑالی کس نے
 سینہ روشن ہو تو ہے سوز سخن عین حیا
 تو مری ات کو ہتا ہے محروم نہ رکھ
 ہاتھ آجاتے مجھے میرا مقام اے ساقی!
 ایسا ہے ترا فیض ہو جام اے ساقی
 شیخ کہتا ہے کہ ہے یہ بھی حرام اے ساقی
 رہ گئے صوفی و ملا کے غلام اے ساقی
 علم کے ہاتھ میں خالی ہے پیام اے ساقی
 ہونہ روشن تو سخن مراد اے ساقی
 ترے پیمانے میں ہے ماہ تمام اے ساقی!



مٹا دیا مرے ساتی نے عالم من تو
 نہ مے نہ شعر نہ ساتی نہ شور چنگ و رباب
 کداتے مے کدہ کی شان بے نیازی کچھ
 مرا سبوجہ غنیمت ہے اس زمانے میں
 میں تو نیاز ہوں مجھ سے حجاب ہی اولیٰ
 اگرچہ بھری موجوں میں ہے مقام اس کا
 جمیل تر ہیں گل و لاله فیض سے اس کے
 پلا کے مجھ کو مے لالہ الہ الہ اھو
 سلوت کوہ و لہجے و لالہ خود روا
 پہنچ کے چشمہ حیواں یہ توڑتا ہے سبوا
 کہ خافتاہ میں خالی ہیں صوفیوں کے کدو
 کہ دل سے بٹھکے ہے میری نگاہ بے قابو
 صفائے پالی طہنت سے ہے کس کا ضمور
 نگاہ شاعر نکسین تو امیں ہے جادو



متاع بے بہا ہے درو سوز ارزو مندی
 ترے آواز بندوں کی نہ یہ دنیا نہ وہ دنیا
 حجاب کسیر ہے آوارہ کوئے محبت کو
 مقام بندگی دے نہ لوں شاخ خداوندی
 یہاں منے کی پابندی ہاں جھنکے کی پابندی
 بری آتش کو بھڑکاتی ہے تیرنی یہ پویندی

۳۵۲
 بالِ جبریل
 ۲۸

کز اوقات کر لیتا ہے یہ وہ بیاہاں میں
 فیضیاں نظر تھا یا لالتب کی امت تھی
 کہ شاہیں کے لیے ذلت ہے کاراشیاں بند
 رکھتے کس نے اسمعیل کو اداب فرزند
 زیارت گاہ اہل عزم و ہمت سے لحد میری
 کہ خاک راہ کو میں نے بست یا راز الوند
 مری مشاطلی کی لیا ضرورت حسین
 کہ فطرت خود بخود کرتی ہے لالے کی جنابندی



تجھے یاد کیا نہیں ہے مے دل کا وہ زمانہ
 یہ بیان عصر حاضر کہ بنے ہیں مے میں
 وہ ادب کہ محبت وہ نیک کا زمانہ
 نہ ادا تے کافرانہ، نہ تر اشیر آزار نہ
 یہ جہاں عجب جہاں ہے نہ نقص نہ اشیانہ
 کہ عجم کے مے کدوں میں رہی مے مفا
 انھیں کیا خبر کہ کیا ہے یہ نوائے عاشقانہ
 جملہ شہید کیا ہے تے تپ تاب جاودانہ
 نہ جگہ ہے دستوں کا نہ شکایت زمانہ
 تھی بند پروری سکرے دن کز رہے ہیں





ضمیر لالہ نے لعل سے ہوا بسیر
 بچھائی ہے جو کہیں عشق نے بساط اپنی
 پرانے ہیں یہ ستارے فلک بھی فرسودہ
 کسے خبر ہے کہ ہنکار نہ نشو ہے کیا
 نہ چھین لذت اسچکری مجھ سے
 دل غمیں کے موافق نہیں ہے موسم گل
 حدیث بے خبراں ہے تو بازمانہ بسا
 اشارہ پاتے ہی صوفی نے توڑ دی پرہیز
 کیسا ہے اس نے فقیروں کو وارث پرویز
 جہاں وہ چلے ہے مجھ کو لہو ابھی نوخیز
 تری نگاہ کی گردش ہے میری رشتا خیز
 نہ لڑکھ سے تغافل کو التفات اسیر
 صدائے مرغِ حسین ہے بہت نشاط ایگزیر
 زمانہ باتوں ساز و تو بازمانہ ستیز



وہی میری کم نصیبی وہی میری بے نیازی
 میں کہاں ہوں تو کہاں ہے یہ کہاں کہ لا مکان ہے
 اسی کشمکش میں لڑیں مری زندگی لی آئیں
 مے کام کچھ نہ آیا کیا سال نے نوازی
 یہ جہاں مرا جہاں ہے کہ تری کوشمہ سازی
 کبھی سوز و ساز رومی کبھی ہیچ و تباہی

وہ فریب خوردہ شاہیں کہ پلاہوں لکڑوں میں
 نہ زبان کوئی غزل کی نہ زبان کے باخبر میں
 اُسے کیا خبر کہ کیا ہے وہ رسم شاہی
 کوئی دلکش صدا ہو، عجب سی ہو یا کہ تازی
 یہ سپہ کی تیغ باز ہی وہ نگہ کی تیغ باز ہی

کوئی کارواں ٹوٹا کوئی بدکماں سرم
 کہ اسے کارواں میں نہیں ٹوٹے دل نوازی



اپنی جولاں گاہ زیر آسماں سمجھا تھا یہ
 بے حجابی سے تری ٹوٹا نکاہوں کا طلم
 اس کو گل کے گلے میں لو اپنا جہاں سمجھا تھا یہ
 اک رواتے نیلوں کو آسماں سمجھا تھا یہ
 مہر ماہ و شتری کو ہم عنان سمجھا تھا یہ
 اس زمین آسماں کے لراں سمجھا تھا یہ
 کہ لیس راہ محبت پڑہ دار پہاے شوق
 تھی فغان وہ بھی جسے ضبط فغان سمجھا تھا یہ

تھی کسی در ماندہ ہر کی صدائے در و مال
 جس کو او از رسیل کارواں سمجھا تھا میں



اک نشن نورانی اک نشن برہانی
 اس پیکر خالی میں اک شے ہے سو وہی
 اب کیا جو فغان سر می پہنچی ہے ستاروں تک
 نقش الکر بطل تکرار سے کیا حاصل
 مجھ کو تو سکھاوی ہے افزائے زندگی
 تقدیر شکن قوت باقی ہے ابھی اس میں
 تیرے چہی صنم خانے میرے چہی صنم خانے
 ہے نشن برہانی حیرت کی سوانی
 یسے لے مشکل ہے اس شے کی گہمانی
 تو نے ہی سکھائی تھی مجھ کو غیر انخوانی
 کیا تجھ کو خوش آتی ہے دم کی لہ زانی؟
 اس دور کے ملا ہیں کیوں نوابِ سلطانی
 نادان جسے کہتے ہیں تہمت دہر زبانی
 دونوں کے صنم خانی دونوں کے صنم فانی



یارب ایہ جہان گزراں جو ہے لیکن
 گو اس کی خدائی میں مہاجرین کا بھی ہے ہاتھ
 تو برک گیا ہے ندی اہل حسد و را
 کیوں خوار ہیں مزان صفا کیش و ہنرمند
 دنیا تو سمجھتی ہے فرنگی کو حسد انڈ
 اور کشت گل و لاله بخت بد بخرے چند

حاضر ہیں کلیسا میں کیا بے مروتوں
 احکام تھے حق میں مگر اپنے منفسر
 فردوس جو تیرے کسی نے نہیں دیکھا
 مدت سے ہے آوارہ اس لال مراد
 فطرت نے مجھے بخشے ہیں جو ہر ملکوتی
 درویش خدا مست نہ شرقی ہے نہ غربی
 کہتا ہوں وہی بات سمجھتا ہوں جسے حق
 اپنے بھی خفا مجھ سے ہیں بسکائے بھی ناخوش
 مشکل ہے کہ ال بندہ حق بین حق آند
 ہوں آتش نمود کے شعلوں میں بھی خاموش
 پرسوز و نطن سرباز و نہ کو بین و کلم ازار
 چہ حال میں یہ اداں بے قید سے حرم

مسجد میں دھرا لیا ہے بجز موعظہ و پسند
 تاویل سے قرآن کو بنا سکتے ہیں ماہرند
 افرنک کا ہر قریہ ہے فرہوس کی مانند
 کرے اسے اب چاند کی غاروں میں نظر بند
 خالی ہوں مگر خاک سے رکھتا نہیں بیوند
 گھر میرا نہ ولی نہ صفا ہاں نہ سمرقند
 نے ابلہ سجد ہوں نہ تہذیب کا فرزند
 میں نہ ہر بلا پل کو کبھی کہہ نہ سکا قند
 خاشاک کے ٹوٹے کو لے کوہ و ماوند
 میں بندہ مومن ہوں نہیں انہ اسپند
 آزاد و گرفتار تو ہی کیسہ خورسند
 کیا چھینے کا غنچے سے کوئی ذوق شکر خند

چپ نہ سکا حضرت یزواں میں بھی اقبال
 کرتا کوئی اس بند گستاخ کا منہ بند

اعلیٰ حضرت سید امیر المومنین اور شاہ خاندانی روضہ مد علیہ السلام کے لفظ و کرم سے نور و شرف حاصل ہوا ہے اور ان کی مزاروں میں
 کفر و فسق کی نذر ہے۔ یہ روضہ بظاہر برکت والا ہے مگر اس کے اندر کفر و فسق کی نذر ہے۔ یہ روضہ بظاہر برکت والا ہے مگر اس کے اندر کفر و فسق کی نذر ہے۔

1. ساسکتا ہر چہ شائے نظرت میں مرا کو کرا
2. خودی سے ہر غلبہ زنگ و لوگو تو روٹے گئے ہیں
3. نہ کہہ سدا ترا فادک تجلی عین فرشتہ ہے
4. رتبات علم و عرفان میں باخلہ بینی ہے ہنر کی

۳۵۸
 بال جبریل
 ۳۲

۱. مگر تعلقید آج ہر تل میرے خیر کی سی کی
 ۲. نظر آئی نہ تکل کوئی شائے نہ ترمی
 ۳. نہ ایرال ایرا ہے باقی نہ تو دایا ہے باقی
 ۴. وہ ندیے تو تھا حکا ہلک تو ہو کر گئے

5. ہر چہ زور درویشی کہ روزگار نہیں ہے
6. زبہ گری اگر غمخوار رکھتی ہے ترستنا
7. بہت دیکھے ہیں نے مشرق و مغرب کے بھانے
8. یہاں سے تو آئے ہر چہ سدا وہاں ہے ذوق ہے جہیبا
9. یہاں سے کاشح حرم ہے جو چرا کر بیچ کھاتا ہے
10. مقرر میں ہر ایرانی نے ہری سنگاٹ کی

کسی خیر کے بلکہ ہندوان کہ حکومتی ہر خدایا

بہ بندہ زنت سے بچا رتنت زردے بر پابا

حصہ دوم



اعلیٰ حضرت شہید امیر المومنین نادر شاہ غازی رحمۃ اللہ علیہ کے لطف و کرم سے نومبر ۱۹۳۳ء
میں مصنف کو حکیم سنائی غزنوی کے مزارِ معتمدین کی زیارت نصیب ہوئی۔ یہ چند افکار پریشاں
جن میں حلیم ہی کے ایک مشہور قصیدے کی پیروی کی گئی ہے، اُس روز سعید کی یادگار میں
سُپُر و تسلیم کیے گئے:

ما از پے رسنائی و عطار مدیم

ساکتا نہیں پہناتے فطرت میں مراسوا
غلط کھتا ہے جنوں شاید ترا اندازہ صحرا
خودی سے اس طلسم رنگ و بو کو توڑ سکتے ہیں
یہی تو حید تھی جس کو نہ تو سمجھانے میں سمجھا
ننگہ پیدا کرے غافل تجلی عین فطرت سے
کہ اپنی موج سے بیگانہ رہ سکتا نہیں دریا

رقابت علم و فن میں غلط بینی ہے منبر کی
 کہ وہ حلاج کی سولی کو سمجھتا ہے رقیب اپنا
 خدا کے پال بندوں کو حکومت میں غلامی میں
 زہ کوئی اگر محفوظ رکھتی ہے تو استغنا
 نہ کرتی تھی اسے جبریل میرے جذبہ مستی کی
 تن آساں عرشوں کو ذکر و تسبیح و طواف اولیٰ



بہت دیکھے ہیں میں نے مشرق و مغرب کے مہمان
 یہاں ساتی نہیں پیدا، وہاں بے ذوق ہے صہبا
 نہ ایراں میں ہے باقی، نہ توران میں رہے باقی
 وہ بندے فخر تھا جن کا ہلاک قیصر کسری
 یہی شیخ حرم ہے جو چہرہ الریج کھاتا ہے
 گلیم بوڑھو و ذوق اویس چپ اور زہرا
 حضور حق میں اسرافیل نے میری شکایت کی
 یہ بندہ وقت سے پہلے قیامت کرنے دے پڑا

۳۶
 بال جبریل
 ۳۶

ندا آتی کہ اشوب قیامت سے یہ کیا کم ہے
 گرفتہ چنیاں احرام و ملی خفت زورِ حیا
 لبالب شیشہ تہذیب حاضر ہے مے لائے
 مگر ساقی کے ہاتھوں میں نہیں پیمانہ اللہ
 و بارگھا ہے اس کو زخمہ و رکی تیز دوستی نے
 بہت نیچے سُروں میں ہے ابھی یورپ کا اوویلا
 اسی دریائے اٹھتی ہے وہ موجِ تند جولاں بھی
 ننگوں کے نشیمن جس سے ہوتے ہیں تہ و بالا



غلامی کیا ہے ذوقِ حسنِ زیبائی سے محرومی
 جسے زیب کہیں آزاد بندے سے وہی زیبا
 بھروسہ کر نہیں سکتے غلاموں کی بصیرت پر
 کہ دنیا میں فقط مردانِ حُر کی آنکھ ہے بینا

* یہ مصرعِ حکیم سنائی کا ہے

وہی ہے صاحبِ امروز جس نے اپنی ہمت سے
 زلمے کے سمندر سے نکالا لوہے پر سروا
 فرنگی شیشہ لڑکے فن سے پتھر ہو گئے پانی
 مری اسیر نے شیشے کو بخشتی سختی حنارا
 رہے ہیں اور ہیں عمرن میری لکھات میں اب تک
 مگر کیا غم کہ میری استیں میں ہے یہ بیضیا
 وہ چنگاری خس و خاشاک سے کس طرح دے جاتے
 جسے حق نے کیا ہونمستاں کے واسطے پیدا
 محبتِ خوشن بنی، محبتِ خوشن داری
 محبتِ استانِ قصید و کسری سے بے پروا
 عجب کیا کر مرہ و پرویں کے پنجہ ہو جانیں
 کہ برتہاں صاحبِ دولتے بستم سر خود را

* یہ مصرع مرزا صاحب کا ہے جس میں صرف ایک لفظی تغیر کیا گیا

وہ دانستے سبیل ختم الرسل، مولائے کل جس نے
 غبارِ راہ کو بخشا فرغ وادوی سینا
 نگاہِ عشق وستی میں وہی اول وہی آخر
 وہی شکر وہی شرفان وہی سین وہی طہ
 سنانی کے اوب سے میں نے غواصی کی ورنہ
 ابھی اس بحر میں باقی ہیں لاکھوں لوگوئے لالا



یہ کون غزل خواں ہے پر سوز و نشاط نگہیز
 گو فست بھی رکھتا ہے اندازِ ملوکانہ
 اچھ بے قصوفی میں وہ فقر نہیں باقی
 اچھے سلفقہ درویشان وہ مر خدا ایسا
 جو ذکر کی گرمی سے شعلے کی طرح روشن
 کرتی ہے ملوکیت آثارِ حسنون بیدا
 اندیشہ وانا لو کرتا ہے حسنون آمیز
 ناچختہ ہے پر پریمی بے سلطنت پروریز
 خون دل شیران جو جس فقر کی دستاویز
 ہو جس کے گریباں میں ہنگامہ رستاخیز
 جو فکر کی سعادت میں بجلی سے یاد تہیز
 اللہ کے شتر ہیں تیمور ہو یا چنگیز

یوں اوسخن مجھ کو دیتے ہیں عراق و پارس
یہ کافر ہندی سے لیے تیغ و سنانِ خونخوار



وہ حرفِ از کہ مجھ کو سلکھا لیا ہے جنوں
ستارہ کیا مری تقدیر کی خبر دے گا
حیات کیا ہے خیال و نظر کی مجذوبی
عجب مزائے مجھے لذتِ خودی دے کر
ضمیرِ مال و نگاہِ بند و ستی شوق
سبقِ ملا ہے یہ معراجِ مصطفیٰ سے مجھے
یہ کائنات ابھی نامتسا ہے شاید
علاجِ آتشِ رومی کے سوز میں ہے ترا
خدا بے نفسِ جبریل دے تو کہوں
وہ خود فراسخی افلاک میں ہے خوار و زبون
خومی کی موت ہے اندیشہ ہائے لونا لوں
وہ چاہتے ہیں کہ میں اپنے آپ میں رہوں
نہ مال و دولتِ قارون نہ فکرِ افلاطون
کہ عالمِ بشریت کی زد میں ہے گمراہوں
کہ اسی ہے ماوم صدائے کن فیکون
تری ضرورت ہے غالبِ سرخیوں کا فسون

اُسی کے فیض سے میری نگاہ ہے روشن
اُسی کے فیض سے میرے لبوں سے جھول

۳۶۲
بالِ جبریل
۲۰



عالمِ آب و خال و باد است عیاں ہے تو کہ نہیں
وہ جو نظر سے ہے نہاں اُس کا جہاں ہے تو کہ نہیں
وہ شبِ در و سوزِ عنس کہتے ہیں زندگی جسے
اُس کی سحر ہے تو کہ نہیں اُس کی ازاں ہے تو کہ نہیں
کس کی نمود کے لیے شام و سحر ہیں گرم یہ
شانہ روزگار پر بارگراں سے تو کہ نہیں
تو کفِ ناک و بے بصر، نہیں کفِ ناک و خود نگر
کشت و جو کے لیے آسپاں ہے تو کہ نہیں



(لندن میں لکھے گئے)

تو ابھی رہ کوز میں ہے قیدِ معتام سے کوز
مصر و حجاز سے کوز، پارس و شام سے کوز

جس کا عمل سے بے غرض اس کی جزا کچھ اور ہے
 حورِ خیام سے لوز، باوہ و جام سے لوز
 کرچے و گلشا بہت حسن فرنا کی بہار
 طائرل بلبلد بان دانہ و دام سے لوز
 کوہ شگاف تیری ضربت تجھ سے کشاد شروق و غرب
 تیغ ہلال کی طرح عیشیں نیام سے لوز
 تیرا امام بے حضور تیری نماز بے سرور
 ایسی نماز سے لوز، ایسے امام سے لوز!



امین از ہے مزان جس کی رویشی
 کہ جبریل سے ہے اس کو نسبت خویشی
 کسے خبر کہ سفینے ڈبو چکی کتنے
 فقیہ و صوفی و شاعر کی ناخوش اندیشی
 نگاہ کرم کہ شیریں جس ہوش اڑ جائیں
 نہ اہ سکر کہ ہے کو سفندی ویشی
 طبیب عشق نے دیکھا مجھے تو فرمایا
 ترا مرض ہے فقط آرزو کی بے نشی

۳۶۶
 بال جبریل
 ۲۲

وہ شے کچھ اور ہے کہتے ہیں جان مال جسے
یہ تک و نم یہ لہو آب و نال کی ہے پیشی



پھر صراغِ لالہ سے روشن ہوتے کوہ و دامن
پھول ہیں صحرا میں یا پر پانِ قطار اندر قطار
برگِ گل پر لہ لہتی شبنم کا موتی با صبح
حُسنِ بے پروا کو اپنی بے نعلانی کے لیے
اپنے من میں ڈوب کر پا جا سراغِ زندگی
من کی دنیا! من کی دنیا سوستی جذبِ شوق
من کی دولت ہاتھ آتی ہے تو پھر جاتی نہیں
من کی دنیا میں نہ پایا میں نے افرتی کاراج

مجھ کو پھر نعموں یہ اُکسانے لگا مرغِ حنین
اُور اُور اُورے نیلے نیلے پیلے پیلے پیرین
اور چمکتی ہے اس موتی کو سو ج کی کرن
ہوں اگر شہزاد کے سارے تو شہر اچھے کہ بن
تو اگر میرا نہیں بنتا نہ بن اپنا تو بن
تن کی دنیا! تن کی دنیا سو سو اُمل و فن
تن کی دولت چھاؤں کا آٹا ہے دھن جاتا ہے
من کی دنیا میں نہ دیکھے میں نے شیخ و برہن

پانی پانی کر گئی مجھ کو قلندر کی یہ بات
تو جھکا جب غمیر کے آگے زہن تیرا نہ تن



(کابل میں لکھے گئے)

مسلمان کے لہو میں ہر سلیقہ دل نوازی کا
مروتِ حسنِ عالم لیر ہے مروانِ غازی کا
شکایت ہے مجھے یارب! خداوندِ بگت سے
سبقِ شاہین بچوں کو ہے یہیں خاکِ باری کا
بہت مدت کے پنچھروں کا اندازِ نگہ بدلا
کہ میں نے فاش کر ڈالا طرقتی شاہِ باری کا
قلندِ رجز و حرفِ لالہ کچھ بھی نہیں لکھتا
فقیرِ شہرِ قاروں ہے لغتِ باری کا
حدیثِ بادہ و سنا و جامِ آبی نہیں مجھ کو
نہ کر خارا شکافوں سے متقاضی شہِ باری کا

کہاں سے تونے اے اقبالِ سبھی سے درویشی
کہ چرچا پاؤں شاہوں میں تیری بے نیازی کا



عشق سے پیدا نوائے زندگی میں زریں
عشق سے مٹی کی تصویروں میں سو زومِ بزم
اومی کے ریشے ریشے میں سما جاتا ہے عشق
سبز گل میں جس طرح باوٹ گھری کا نم
اپنے رازق کو نہ پہچانے تو محتاجِ ملوک
اور پہچانے تو ہیں تیرے کہ دارا و جسم

۳۶۸
بالِ جبریل
۲۲

دل کی ازاد می شناسا پی شکم سامان ہوتے
اے سلمان اپنے دل سے پوچھو تھلا سے نہ پوچھو

فیصلہ تیرے ہاتھوں میں دل یا شکم
ہو لیا اللہ کے بندوں سے میں خالی حرم



دل سوئے خالی ہے نیک پاک نہیں ہے
بے وقت بجلی بھی اسی خاک میں نہیں ہے
وہ اٹلہ کہ ہے سرِ آفرین کے روشن
کیا صوفی و ملا کو خبر میرے جنوں کی
کت تک رہے محکومی اہم میں مرخی خال
بجلی ہوں نطن فوہ بیاباں چہ میری
عالم ہے فقط مومن جاں باز کی سیرا

پھر اس میں عجب کیا کہ تو بے مال نہیں ہے
خافل! تو نیرا صاحب اور ال نہیں ہے
پر کار و سخن سازے نم نال نہیں ہے
اُن کا سر اسن بھی ابھی چال نہیں ہے
یائیں نہیں یا لکروشن افلاک نہیں ہے
میرے لیے شایاں خس و خاشاک نہیں ہے
مومن نہیں جو صاحب لولال نہیں ہے!



ہزار خوف ہو لیکن زبان ہو دل کی رسیق

یہی ہے ازل سے قلندروں کا طریق

ہجوم کیوں کے زیادہ شربِ خانیں
 علاجِ ضعفیت میں ان کے نہیں سکتا
 مریدِ سادہ تو رو کے پوئے سائب
 اسی طمسِ لہن میں اس کے آدم
 مے لیے تو مے استر باللساں بھی بہت
 اگر چہ عشق تو کئے کئے بھی سلمانی

فقط یہ بات کہ پیر میں سحرِ حسیق
 غریب اگرچہ ہیں رازی کے نکلتے وقت
 خدا کے لئے شمع کو بھی تو فسق
 نعل میں اس کی ہر بات تکتا عتیق
 ہزار شکر کہ ملا ہیں صاحبِ بدیق
 نہ ہو تو مردِ مسلمان بھی کاف و زندق



نو چھپا سس کہ مقبول ہے فطرت کی کو بھی
 کاف سے مسلمان تو نہ شایہ فقیری
 کاف سے تو ششیر چہ پتے بھروسا
 کاف سے تو ہے تابعِ تدریس مسلمان

تو صاحبِ منبِ نزل کے کہ بھٹکا ہوا رہی
 مومن کے تو کرتا ہے فقیر میں بھی شامی
 مومن کے تو ہے تبسغ بھی لڑتا ہے سپاہی
 مومن کے تو وہ اپنے تفتِ برائی

میں نے تو کیا پردہ اسرار کو بھی چاک
 دیرینہ تہیہ برامرض کو نکاہی

۳۷۰
 بابِ حبریل
 ۲۶



(قُطْب میں لکھے گئے)

یہ حوریاں سنسنی دل و نظر کا حجاب
 دل و ہنسر کا سفینہ سنبھال کر لے جا
 جہاں صوت و صدا میں سام نہیں سکتی
 سلکھائیے ہیں اسے شوہا تے خانقہ
 وہ سجدہٴ روح زمیں جس کا نبی عاتیقی
 سنی نہ مصر و فلسطین میں اذواں میں نے
 ہوئے قُطْب شاید یہ ہے اثر سیرا
 بہشت مغربیاں جلوہ ہا پایہ کاب
 مہ ستارہ ہیں جس جو میں خواب
 لطیفہ ازلی ہے فغان چنگ و رباب
 فقیہ شہر کو صوفی نے کر دیا ہے خراب
 اسی کو آج ترستے ہیں منبر و مسراہ
 دیا تھا جس نے پہاڑوں کو عرشہٴ سیاب
 مری نوامیں بسوز و سوز عہدِ شبا



دل بیدار فاروقی، دل بیدار لزاری
 دل بیدار پیدا کر لہ دل خوابیدہ ہے جب تک
 بسرا دم کے حق میں کیسیا ہے دل کی بیداری
 نہ تیرے بیٹے کا رٹی میری بیٹے کا رٹی

۳۷۱
 بالی جہیل
 ۲۷

مشام تیرے ہلتے صحرا میں نشاں اس کا
 اس اندیشے سے ضبط ہے کہ تاروں کو تک
 خداوند تیرے سا وہ دل بس کہ صحرائیں
 مجھے تہذیب حاضر نے عطا کی ہے ہاں آزادی
 نطن تھیں سے ہاتھ آتا نہیں آتے تاروں
 کہ منغزاوٹے لے جاتیں ترمی قسمت کی چکاری
 کہ درویشی بھی عسائی ہے سلطانہ بھی عیاری
 کہ ظاہر میں تو آزادی ہے باطن میں گرفتاری

تو اے مولائے شربت! آپ سیری چاہ سائی
 مری اس کے افرنگی میرا ایک سے بڑھائی



خودی کی شوخی و شندی میں کہ بڑا ناز نہیں
 نگاہ عشق دل زندہ کی تلاش میں ہے
 مری نوا میں نہیں ہے اوائے محبوبی
 سوال سے نہ کروں ساقی فرنا کے میں
 جو ناز ہو بھی تو بے لذت نیاز نہیں
 شکار مرہ سزاوار شاہ پار نہیں
 کہ بانگ صورتِ افسانہ نواز نہیں
 کہ طیسرے تیرے زندانِ پال باز نہیں
 سب سے کہ محبت نمانہ ساز نہیں
 میں خود لوں تو مری اسان دراز نہیں
 اک خاطر اس سلسلِ غیب ہو کہ حضور

۳۷۲

بالِ جبریل

۲۸

اگر ہو ذوق تو خلوت میں پڑھو نور محمد
فغان نیم شبی بے نوائے از نہیں



میر سپاہ ناسزا بشکریاں شکستہ تصف
تیرے محسب میں کہیں ہر زندگی نہیں
عشق بتاں کے ہاتھ اٹھا اپنی خودی میں ڈوبا جا
کھول کے لیا بیاں کروں ستر تمام مرل و عشق
صحبت پیروم سے مجھ پر ایہ از فاش
مثل کلیم ہو اگر مع کہ از مالوئی
خیز نہ کر سکا مجھے جلوہ دہا شرف زند
آواہ تیریم کش بس کس نہ ہو کوئی ہدف
ڈھونڈو چکا میں موج موج کو چکا صد فند
نقش و نگار دیر میں غم جن جگر نہ لر تلمف
عشق کے مرل با شرف مرل حیات شرف
لاکھ حکیم نے بھیت ایک کلیم سے جف
اب بھی درخت طوس سے اتنی ہے بانہ لا
سرتے میری آنکھ کا حال بدینہ و



(یورپ میں لکھے گئے)

زمستانی ہوا میں کر چہ تھی شمشیر کی تیر بی
نہ چھوڑے مجھ سے لندن میں بھی آواہ سحر خیزی

کہیں سب کو پریشان کر لیں میری کلم امیری
 کہیں سب کو محفل تھی میری کرم گفتاری
 طریق کو کون میں بھی جیسی جیلے ہیں پروری
 زمام کار اگر مزدور کے ہاتھوں میں ہو پھر کیا
 جڈا ہویں سیاست کو رہ جاتی ہے چنکیزی
 جلالِ پادشاہی جو کہ جمہوری تماشاہو
 وہی عبرت ہے عظمت پریشان کن اور مزی
 سوادِ رومۃ اللبرے میں آئی یاد آتی ہے



یہ دیر لہن کیا ہے انبارِ خس و خاشاک
 مشکل ہے لہز اس میں بے مالہ آتش ناک
 پنچ پیر محبت کا قصہ نہیں طبع لانی
 لطفِ خاشاک چکان اسو و فیفت لاک
 کھویا کیا جو مطلب ہے غفلت اور دولت میں
 سمجھے گا نہ توجہ تک بے رنگ نہ ہو دراک
 اک شریعِ مسلمانی اک جذبِ مسلمانی
 ہے جذبِ مسلمانی سرِ فلک الافلاک
 اے ہر و منہ نہ اے بے جذبِ مسلمانی
 نے راہِ عمل پیدا نے شاخِ یقین نم ناک
 رمزیں ہیں محبت کی گستاخی بے باکی
 ہر سو ق نہ ہیں ستاخ ہر جذب نہیں بے باکی

فارغ تو نہ بیٹھے کا محشر میں بسنوں میرا
 یا اپنا لڑیاں حال یاد ہیں بزواں حال

۳۷۲
 بابِ ہبریل
 ۵۰



کمالِ ترک نہیں آسبِ کل سے مجبوری
 میں ایسے فقرے اے اہلِ حلقہ باز آیا
 نہ فقرے کے لیے موزوں نہ سلطنت کے لیے
 سُننے نہ ساقی سے شش تو اور بھی لچھا
 حکیم و عارف و صوفی تمام مستِ ظہور
 وہ ملتفت ہیں تو کونجِ قفس بھی ازادی
 بُرانہ مانِ ذرا آزما کے دیکھ اے

کمالِ ترک ہے تسخیر کی و نوری
 تمہارا فقر ہے بے دولت و زجوری
 وہ قوم جس نے کونوا یا مستراحِ تمہوری
 عیارِ کرمی صحت سے حرمتِ زوری
 کسے خبر کہ تجلی ہے عینِ ستوری
 نہ ہوں تو صحنِ سپین بھی مقامِ مجبوری
 فرنگِ دل کی خرابی خرد کی مسوری



عقل کو آستان سے فُور نہیں
 دل بیسنا بھی کر خدا سے طلب
 علم میں بھی سرور ہے لیکن

اس کی تفتدیر میں حضور نہیں
 آنکھ کا نور دل کا نور نہیں
 یہ وہ جنت ہے جس میں عور نہیں

۳۷۵
 بالِ جبریل
 ۵۱

کیا غضب ہے کہ اس زمانے میں
 اک جنوں ہے کہ باشعور بھی ہے
 ہاں سبوری ہے زندگی دل کی
 بے حضوری ہے تیری موت کا راز
 پر گہر نے صدف کو توڑ دیا
 'آرئی' میں بھی کہہ رہا ہوں مگر

ایک بھی صاحبِ سُرور نہیں
 اک جنوں ہے کہ باشعور نہیں
 آہ وہ دل کہ ہاں سبوری نہیں
 زندہ ہو تو تو بے حضور نہیں
 تو ہی آمادۂ ظہور نہیں
 یہ حدیثِ کلیم و طور نہیں



خودی وہ بھر ہے جس کا کوئی کنارہ نہیں
 طلسمِ سبید کردوں کو توڑ سکتے ہیں
 خودی میں ڈوبتے ہیں پھر اُٹھ بھی آتے ہیں
 ترمی تمام کو خبم شناس کیا جانے
 یہین ہشت بھی ہے خور و جبریل بھی ہے
 مرے جنوں نے زمانے کو خوب چھپانا

تو اب جو اسے سمجھتا تو چارہ نہیں
 زجاج کی یہ عمارت کنگ خارہ نہیں
 مگر یہ جو سدا مرد و سچ کارہ نہیں
 کہ خاکِ زندہ ہے تو تابِ ستارہ نہیں
 ترمی نگر میں ابھی شوخیِ نطن سارہ نہیں
 وہ سپہنِ مجھے بخشا کہ پارہ پارہ نہیں

غضبِ عینِ کرم میں یہ سب سے فطرت
کہ لعلِ ناب میں آتشِ تو ہے شکرِ نہ نہیں



یہ پیام دے گئی ہے مجھے باوجودِ کجگاہی
ترمی زندگی اسی سے تری ابرو اسی سے
نہ دیا نشانِ سنزل مجھے اے حکیم تو نے
میرے حلقہ سے سخن میں ابھی پر تربیت ہیں
یہ معاملے ہیں نازک جو تری ضرر سے ہوتے
تو ہٹا کلبے شکاری ابھی ابتداء سے تیری
تو عربی یا عجم ہو ترا لا الہ الا
کہ خودی کے عارفوں کا ہے مہتمم پادشاہی
جو رہی خودی تو شاہی نہ رہی تو روسیہ ہی
مجھے کیا کلمہ ہو تجھے شے نہ رہے شین نہ راہی
وہ کدالہ جانتے ہیں وہ رسم کجگاہی
کہ مجھے تو خوش نشن آیا یہ طریق خانقاہی
نہیں مصلحت کے خالی یہ جہان مرغِ واپہی
لغبتِ عرب جب تک ترا دل نہ دے غمِ اہی



ترمی نگاہِ سُرما یہ ہاتھ ہے کوتاہ
گلا تو کھنٹ دیا اہلِ در سے ترا
ترا کُنہ کہ نخیلِ بلند کا ہے گناہ
کہاں سے آئے صہدا لا الہ الا اللہ

خودی میں کم ہے خدائی تلاش کر غافل!
 حدیث دل کسی روشن گوئی سے پوچھو
 برہنہ سے تو عنبر بند پیرا
 نہ ہے ستارے کی گردش بازی افلاک
 اٹھا میں سر و خانقاہ عیسیٰ نام

یہی ہے تیرے لیے اصلاح کار کی آ
 خدا کے تجھے تیرے مقام سے گاہ
 یہاں فقط شہر ہیں واسطے گلاہ
 خودی کی موت ہے تیرا زوال نعمت جاہ
 نہ زندگی نہ محبت نہ معرفت نہ نفاہ



خون کے پاس کے سو اچھ اور نہیں
 پر اک مقام سے کہ مقام ہے تیرا
 کران بہا ہے تو جھنڈ خودی کے دئے نہ
 رکوں میں گردش خون ہے اگر تو کیا حاصل
 عروس لالہ مناسبت نہیں مجھ سے حجاب
 جسے کساو جھتے ہیں تاج برننگ
 بڑا ریم ہے قہر سال بے رنو لیکن

ترا علاج نطف کے سو اچھ اور نہیں
 حیات فوق ہونے کے سو اچھ اور نہیں
 گھر میں اب کے سو اچھ اور نہیں
 حیات سے روز جگر کے سو اچھ اور نہیں
 کہ میں سیم کے سو اچھ اور نہیں
 وقت سے متاع ہونے کے سو اچھ اور نہیں
 عطائے شعلہ شکر کے سو اچھ اور نہیں

۲۷۸
 بال جبریل
 ۵۲



نگاہِ مست میں شاہِ سکندری کیا ہے
 بتوں سے تجھ کو امیدیں خدا سے نومیری
 فلک نے اُن کو عطا کی ہے جو جلی کہ جنہیں
 فقط نگاہ سے پڑتا ہے منیصلہ دل کا
 اسی خط سے عتابِ فلک سے مجھ پر
 کہے نہیں تیرے سرور کی بسین
 خوش گئی ہے جہاں کو قلندری میری

خراج کی جو کدا ہو وہ قصیری کیا ہے
 مجھے بتا تو ہسی اور کانبری کیا ہے
 خنہ سیریں رو شیں بند پوری کیا ہے
 نہ ہونگاہ میں شوخی تو لببری کیا ہے
 کہ جانتا ہوں مالِ سکندری کیا ہے
 خودی کی موت ہو جس میں سروری کیا ہے
 دل نہ شعر مرالیا ہے شاعری کیا ہے



نہ تو زمیں کے لیے نہ آسماں کے لیے
 عیقل و دل ہیں شہِ شعاعہ محبت کے
 مقامِ پرورشِ آہ و نالہ ہے یہ سپن

جہاں سے تیرے لیے تو نہیں جہاں کے لیے
 وہ خار و جس کے لیے ہے یہ یہاں کے لیے
 نہ سیریل کے لیے ہے نہ اشیاں کے لیے

رہے کاراویں وسیل و فرات میں کتک
 ترا سفینہ نہ کہ ہے بحر بے لہر اس کے لیے
 نشان راہ دکھاتے تھے جو ستاروں کو
 ترس گئے ہیں کسی مڑ راہ اس کے لیے
 نیکو ملت سخن دل نواز جاں پر سوز
 یہی ہے رخت سفر میر کار و اس کے لیے
 ذرا سی بات تھی اندیشہ عجم کے لیے
 بڑھایا ہے فقط زین و استار کے لیے

میرے گلو میں سے ال نغمہ جبریل اشوب
 سنبھال کر جسے رکھتا ہے لامکان کے لیے



تو اے میرے مکان! لامکان دور نہیں
 وہ جلوہ گاہ تیرے خاک واں دور نہیں
 وہ مرغزار کہ بیم سزاں نہیں جس میں
 غمیں نہ ہو کہ تیرے اشیاں دور نہیں
 یہ ہے صناعت علم قلم سحر حیات
 خدنا جنت ہے لیکن کیاں دور نہیں
 فضاتری مڑ پر ویں سے ہے ذرا اس کے
 قدم اٹھائے امتام اسماں کے دور نہیں

کہے نہ راہ نسل سے کہ چھوٹے مجھ کو

یہ بات اہر و نکتہ واں سے دور نہیں

۳۸۰
 بال جبریل
 ۵۶



(یورپ میں لکھے گئے)

جس دن نے مجھ کو عطا کی نظر حکیمانہ
 نہ بادہ ہے نہ صُراحتی نہ دورِ پیمانہ
 بسکھائی عشق نے مجھ کو حدیثِ رندانہ
 فقط نکاح سے رنگیں ہے بزمِ جانانہ
 کہ میں چوں محسوسم از درونِ مہینہ
 مری نواتے پریشاں کو شاعری سمجھ
 اسی میں ہے مے دل کا تمام افسانہ
 کلی کو دیکھ کہ ہے تشنہ نسیمِ سر
 سب نشا ہیں یہاں ایک میں چوں سبجانہ
 کوئی بتائے مجھے یہ عیاب ہے کہ حضور
 مے جسٹنوں کو سنبھالے الہیہ برانہ
 فرنگ میں کوئی دن اور بھی ٹھہر جاؤں
 مقامِ عقل سے اسان لڑیا کمال
 مقامِ شوق میں کھویا کیا وہ فرزانہ



افلاک سے آتا ہے مالوں کا جوابِ آخر
 کرتے ہیں خطابِ آخر اٹھتے ہیں حجابِ آخر

۲۸۱
 بالِ جبریل
 ۵۷

احوال محبت میں کچھ فرق نہیں آیا
 سو تو کتاب اول سو تو کتاب آخر
 میں سمجھ کو بتاتا ہوں تقدیر اُمم لیا ہے
 شمشیر و سناں اول طاؤس و رباب آخر
 میخانہ یورپ کے دستور نرالے ہیں
 لاتے ہیں سُر اور اول دیتے ہیں شراب آخر
 کیا وید نہ ماور کیا شوکت سموری
 چو جاتے ہیں سب دفتر غرق مے کتاب آخر
 خلوت لی لٹری کز زنی جلوت لی لٹری آئی
 چھٹنے کو ہے کجس کی آغوش سحاب آخر

تھا ضبط بہت مشکل اس میں معافی کا
 کہہ ڈالے قلند نے اسرار کتاب آخر



ہر شے مسافر، ہر چہ پیہ زراہی
 کیا چاند تارے کیا مرغ و ماہی
 تو مرد میدان، تو میثا شکر
 نوری حضور تی سیر سپاہی
 کچھ تدر اپنی تو نے نہ جانی
 یہ بے سواوئی یہ کلم نکاہی
 دنیا تے دُوں کی کب تک عندا می
 یار اہ سہی کر یا پاؤ شاہی
 چیرم کو دیکھا ہے میں نے
 کروار بے سوز، گفتار واہی

۳۸۲
 بابِ جبریل
 ۵۸



ہر چیز سے مجھ خود سنائی
 بے ذوق نمود زندگی، موت
 راتی زورِ خودی سے پرست
 تارے آوازہ و کلمہ آئینہ
 یہ پیلے پہر کا زور و چوچا
 تیری قسندیل ہے ترا اول
 اک ٹوٹے کہ حق ہے اس جہاں میں
 ہیں عقدہ کشا چہ نہ صہرا
 ہر روزہ شہید کبریائی
 تعمیرِ خودی میں ہے حسدائی
 پرستِ ضعفِ خودی سے اتئی
 تعتیر وجود ہے حسدائی
 بے راز و نیازِ آشنائی
 تو اٹھ کے اپنی روشنائی
 باقی ہے نمودِ سیمائی
 کلمہ کر بگڑہ برہنہ پائی



اعجاز ہے کسی کا یا کر روشن رہا
 تعمیریاں سے میں نے یہ از پائیا
 ٹوٹا ہے ایشیا میں سحر فرنگیانہ
 اہل نوا کے حق میں کجلی ہے ایشیانہ

یہ بندگی خدائی، وہ بندگی کہ انی
 یابند خدایں یابند زمانہ!
 غافل نہ ہو خودی سے کہ اپنی پاسبانی
 شاید کسی حرم کا تو بھی ہے آستانہ
 اے لالہ کے ارشاد باقی نہیں تہمتیں
 گفتار بوسہ لہر نہ، کردار فتاہر نہ
 تیری نگاہ سے دل سینوں میں کانپتے تھے
 لکھو یا کیا ہے یہ اجذب قلندرانہ

راز حرم سے شاید قہر سال باخبر ہے
 ہمیں اس کی نفست کو لے انداز مخرمانہ



خرد ہندوں سے کیا نوجھوں کہ میری ابتدا کیا ہے
 کہ میں اس منکر میں ہتا ہوں میری تہا کیا ہے
 خودی کو کہ بے بند اتنا کہ ہر تہدیر سے پہلے
 خدا بندے سے خود نوجھے بتا تیری صنایا ہے
 مقام نفست کو کیا ہے کہ میں کسمبیا کہ ہوں
 یہی سوزِ نفس ہے اور میری کسمبیا کیا ہے!

نظر آئیں مجھے تقدیر کی لہریاں اُس میں
 نہ پوچھ لے ہم شمسِ مجھ سے چشمِ سرِ سا کیا ہے
 اگر ہوتا وہ مجذوبِ فزنی اس زمانے میں
 تو قہرِ سال اس کو سمجھتا مقامِ کبریا کیا ہے
 نوائے صبحِ کاہی نے چکرِ خوں کرویا میرا
 خدایا جس خطا کی یہ سزا ہے وہ خطا کیا ہے!



جب عشق سلکھاتا ہے ادا خوب کاہی
 عطار ہو رومی ہو رازمی ہو عزالی ہو
 نو میدانہ ہو ان سے لے رہبرِ فرزانہ!
 اے طائرِ لاہوتی! اُس رُزق سے مت اچھی
 کھلتے ہیں سلاسونِ اسرارِ شہنشاہی
 کچھ ہاتھ نہیں آتا بے او سحرِ کاہی
 کم کوشش تو ہیں سب کین بے ذوق نہیں رہی
 جس رُزق سے آتی چو پرواز میں عاتہی

❁ جرمنی کا مشہور مجذوبِ فلسفی نطشہ جو اپنے قلبی واردات کا صحیح اندازہ نہ کر سکا وہ
 اس لیے اس کے فلسفیانہ افکار نے اسے غلط رستے پر ڈال دیا

واراہ سکندر سے وہ مرد فقیر اولیٰ
 ہو جس کی فقیری میں ہوئے اسد الہی
 آمین جو انمراں حق کوئی بے باکی
 اللہ کے شیروں کو اتنی نہیں رہا ہی



مجھے آہ و فغان نیم شب کا پھر پیام آیا
 تھمے رہو کہ شاید پھر کوئی مشکل مقام آیا
 ذرا تقدیر کی لہرائیوں میں ڈوب جا تو بھی
 کہ اس جنگاٹے میں کتنے تیغ بے نیام آیا
 یہ مصرع لکھ دیا کس شوخ نے محراب مسجد پر
 یہاں گئے سجدوں میں جب وقت قیام آیا
 چلے میری غریبی کا تاشا دیکھنے والے
 وہ محفل اٹھ گئی جس دم تو مجھ تک ورجام آیا
 دیا اقبال نے ہندی مسلمانوں کو سوز اپنا
 یہاں مڑتے اسان تھا ہن اسان کے کام آیا

اسی اقبال کی میں جستجو کرتا رہا برسوں
 بڑی محنت کے بعد آخر وہ شاہینِ یوم آیا



نہ پوٹھیانِ ششماقی تو میں پستانہیں تھی
 کہ میری زندگی کیسے یہی طغیانِ ششماقی



یہ پیران کلیسا و حرم اے وائے مجبومی!
صلہ ان کی لہو کاوشس کا ہے سینوں کی بے زوی
یقین پیدا کرانے ناوان یقین سے پاتھ آتی ہے
وہ درویشی کہ جس کے سامنے جھکتی ہے منفقوری
کبھی حیرت، کبھی مستی، کبھی آس و سحر کبھی
بدلتے ہے ہزاروں رنگ میرا اور مجھومی
حد اور اسکے باہر ہیں باتیں عشق و مستی کی
سمجھ میں اس قدر آیا کہ دل کی موت ہے دوری
وہ اپنے حسن کی مستی سے ہیں مجبور پیدائی
مری آنکھوں کی بینائی میں ہیں ایسا بستیوری
کوئی تفتدیر کی منطق سمجھ سکتا نہیں
نہ تھے ترکان عثمانی سے کم ترکانِ سیوسی

۳۸۸
بالِ جبریل
۶۲

فقیرانِ حرم کے ہاتھ آسب ال ایک کونچو
میسٹر سلطان کو نہیں شاہین کا فوری



تازہ پھر وائس حاضر نے کیا سحر و قیم
عقل عیت اپنے سو بھیس بنا لیتی ہے
عیشِ سنسزل ہے غریبانِ محبتِ حرام
ہے کراں سیرِ نسیم راحلہ و زاوے سے
گزر اس عہد میں ممکن نہیں بے کلیم
عشق بے چارہ نہ ملا ہے نہ زاہد نہ حکیم
سبافر ہیں بظاہر نطن آتے ہیں مقیم
کوہ و دریا سے گزر سکتے ہیں مانند نسیم

مرد و رویش کا سر یہ ہے ازاد می مرل
ہے کسی اور کی خاطر نصیبِ زوسیم



ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں
تھی زندگی سے نہیں فیضیاتیں
ابھی عشق کے متحساں اور بھی ہیں
یہاں سیکڑوں کارواں اور بھی ہیں

قناعت نہ کر عالم زنگ بو پر
 چمن اور بھی اشیاں اور بھی ہیں
 اگر لکھو کیا اشیاں تو کیا غنم
 مقامات آہ و فغاں اور بھی ہیں
 تو شاہیں بے پرواز سے کام میرا
 ترے سامنے آسماں اور بھی ہیں
 اسی روز شب میں الجھ کر نہ رہ جا
 کہ تیرے زمان و مکان اور بھی ہیں
 کہتے دن کہ تمہا تھا میں بخشمن میں
 یہاں اب کے رازواں اور بھی ہیں



(فرانس میں لکھے گئے)

ڈھونڈ رہا ہے فرنگ عیش جہاں کا دوام
 واہ تمہا کے نام واہ تمہا کے نام
 جسم نے لہا لہا سن مری روتاؤ
 پختہ تیرے فغان اپنے دل میں تھام
 تھا ارنی کو کلیہ تم میں ارنی کو نہیں
 اس وقت اضر اور مجھ پتہ اضم
 کہ چہ افشاے راز اہل نظر کی فتن
 نہ پسین سکتا کبھی شیو زندانہ عام
 حلفت صوفی میں فرنگیوں کے زوسا
 میں بھی ہاشنہ کام تو بھی ہاشنہ کام

۳۹۰
 بالِ ہیریل
 ۴۴

عشق تری آہ، عشق تری آہ
 تو بھی انجی نام میں بھی انجی نام
 آہ کہ لکھو یا لیک تجھے فقیر کی راز
 ورنہ مال فقیر لطف تو موشام



خودی ہو علم محکم تو غیرت جبریل
 عذاب و نیش حاضر ہے باخبر ہوں میں
 فریبِ خجودہ منزل ہے کاروانِ رنہ
 نظر نہیں تو مجھے سلفہ سخن میں نہ بیٹھ
 مجھے دور سفر نکاح آجاتے ہیں
 اندھیری شہ ہے جا اپنے قافلے سے ہار تو
 اگر عشق محکم تو صورتِ انبیل
 کہ میں اس آل میں لایا ہوں مثلِ نسیل
 زیادہ احستِ منزل سے نہ شاطِ حیل
 کہ تجھ مانے خودی میں شالِ تیغِ ایل
 کہاں حضور کی لقت کہاں حجابِ لیل
 ترے لیے مرا شعلہ نواہرِ بیل

غریب سا وہ زنجیر ہے ہرستانِ حرم
 نہایت اس کی حسین، ابتدا ہے اس حیل



۳۹۱
 بالِ جبریل
 ۶۶



مکتبوں میں کہیں عنائی افکار بھی ہے؟
 خانقاہوں میں کہیں لذتِ اسرار بھی ہے؟
 منزلِ راہِ وراں اور بھی ہوشوار بھی ہے؟
 کوئی اس قافلے میں تافلہ سالار بھی ہے؟
 بڑھ کے خیر سے میرے خیر وین وطن
 اس زمانے میں غنائی حیرتِ دلزار بھی ہے؟
 علم کی حکایتیں بزمِ قہر من گلیے
 لذتِ شوق بھی ہے نعمتِ دیدار بھی ہے؟

پیرِ حینار یہ کہتا ہے کہ ایوانِ فرنگ
 سست بنیا دیکھی ہے، آئینہ دیوار بھی ہے؟



حادثہ جو بھی پڑے منسلاک میں ہے
 عکسِ کس کا مرے آئینہ اور اک میں ہے؟
 زیتارے میں سے نکرو شکرِ افلاک میں ہے؟
 تیر ہی نصرتِ دیر کے مالے بے مال میں ہے؟
 یا مری آہ میں غنائی شہرِ زندہ نہیں
 یا ذرا نام ابھی تیرے خس و خاشاک میں ہے؟
 کیا مجھ پر ہی نوا ہائے کفر سے
 زندہ ہو جائے وہ آتشِ تری خال میں ہے؟

توڑ ڈالے کی یہی خاک طلسم شبِ روز
 کرچہ کبھی ہوئی تقدیر کے پیمانے میں سے



رہانہ حلقہ صوفی میں سوزِ مشتاقی
 خراب گوشکِ سلطانِ خانقاہِ فقیر
 مری کی اور محشر گوشکِ مساراں روز
 نہ چینی و سربلی وہ نہ رومی و شامی
 مے شہانہ کی مستی تو ہو چلی کین
 چمن میں تلخ نوائی مری لواراں
 عزیز تر ہے متاعِ امیر و سلطان سے
 فسانہ ہاتے کرامت رہ گئے باقی
 فغاں کہ تختِ بوسلی سالِ ازراقی
 کتابِ صوفی و ملائی ساوہ اوراقی
 سما سکانہ و عالم میں مردِ آفاقی
 لکھٹا رہا ہے لوں میں در شہدِ ساقی
 کہ زہر بھی کبھی کرتا ہے کارِ بریاقی
 وہ شعر جس میں ہو جلی کا سو بڑا



ہوانہ زور سے اس کے کوئی لریاں چاک
 اگرچہ مغربوں کا جسوں بھی تھا چالاک

نصیب سیرب آریب آتش ناک
 یہ لہستان سیتارے یہ سیکلوں افلاک
 مانع روشن دل تیرو نوک بے بال
 ولرزہ اکے مومن جہاں حسن و خاشاک
 کئے خبر کئے خبر بنوں بھی صابہ اور ال
 مرے کلام چھپتے تھکتے مر لو ال

مے یقین سے ضمیر حیات سے پر سوز
 عروج اور حمنالی کے منتظر ہیں تمام
 یہی مانہ جانسری کا ناسات ہے کیا
 تو بے بصر ہو تو یہ مانع نہ کاہ بھی ہے
 زمانہ کس کو سمجھا ہے شعل راہ
 جہاں کام میراث مر مومن کی



یک رنگی و از اوی لے سمت مروانہ
 یا مروست لندر کے انداز ملو کا نہ
 یا نکر حلیمانہ یا جذب علیمانہ
 یا حیلہ و سنرئی یا حملہ ترکانہ
 یا نعرہ ستانہ لعبہ بولہ بت خانہ
 کچھ کام نہیں بنتا بے جرات زندہ

یوں ہاتھ نہیں آتا وہ لوہر بیک و نہ
 یا سنج و طعن ندر کا امن جہاں لیری
 یا حیت فارابی یا تاب تب رومی
 یا عفتل کی روباہی یا عشق دید لہی
 یا شرع سلمانی یا دیر کی دربانی
 میری میں فقیری میں شاہی میں غلامی میں



نہ تخت و تاج میں نہ لشکر و سپاہ میں ہے
 صنم کہ ہے جہاں اور مر و حق ہے خلیل
 جو بات مر و قلند کی بارگاہ میں ہے
 وہی جہاں ہے ترا جس کو تو کہے پیدا
 نیکت وہ ہے کہ پوشیدہ لالہ میں ہے
 یہ سنگ و خشت نہیں جو تری نگاہ میں ہے
 مر و ستارے کے مقام ہے جس کا
 وہ مٹت خاک ابھی وارکانہ میں ہے
 خبر ملی ہے حیدریمان بھروسے مجھے
 فرنگ کہ کز ریل بے پناہ میں ہے
 تلاش اس کی فضاؤں میں من نصیب اپنا
 جہاں تازہ مری اہ حبیب گاہ میں ہے

مرے کہ دو غنیمت سمجھ کہ بادۂ ناب
 نہ مدرسے میں ہے باقی نہ خانقاہ میں ہے



فطرت نے نہ بخشا مجھے امید شہ چالا
 وہ حال ہے جس کا جنوں صفتیل اور اک
 رکھتی ہے طرقات پر از مری خاک
 وہ حال کہ جبریل کی ہے جس کے قباچاک

۳۹۵
 بال جبریل
 ۷۱

وہ خاک کے پروائے شرمین نہیں رکھتی
چنتی نہیں پہنائے چمن خستہ و خاشاک
اس خاک کو اللہ نے بخشے ہیں وہ انسو
کرتی ہے چمک جن کی ستاروں کو عرق ناک



کریں گے اہل نظر تازہ بستیاں آباد
میری نگاہ نہیں سونے کو فہ و بند
یہ مدرسہ جو انیس سو و رو عثمائی
انھی کے دم سے مہینا نہ فرماں آباد
یہ فلسفی سے نہ ملا سے ہے عرض مجھ کو
یہ دل کی موت وہ ابدیت و ظن کافو
فقیر شہر کی تحقیق لیا مجال مری
مگر یہ بات کہ میں ٹھنڈا ہوں دل کی کشتی
خرید سکتے ہیں دنیا میں عشرت پرور
خدا کی دین ہے ساری عین فرما
کیے ہیں فاش رموز تندرہ می میں
کہ کنکری و خانہ تہا ہوا از
رشی کے فاقوں کو نمانہ برہمن کا طلسم
عصانہ ہو تو کلمہ یہی ہے کار بے بنیاد



کی حق سے فرشتوں نے اقبال کی عمارتی
گستاخ ہے کرتا ہے فطرت کی جانبزی

خالی ہے مگر اس کے انداز میں ہندو
سکھالی فرشتوں کو اوم کی تڑپ اس نے

رومی ہے نہ شامی ہے کاشی نہ سمرقندی
اوم کو سکھاتا ہے واجبند و بڑی



نئے نئے باقی، نئے نئے باری
روشن ہے جام شیدا ب تک
دل ہے سماں میں سیرانہ تیرا
میں جانستاپوں انجام اس کا
ترکی بھی شیریں، تازی بھی شیریں
آزر کا پیشہ حنا تراشی
تو زندگی ہے پائندگی ہے

جیتا ہے رومی، ہارا ہے رازی
شاہی نہیں ہے بے شیشہ باری
تو بھی نسا زنی میں بھی نسا زنی
جس سر کے میں نکلا ہوں غازی
حرف محبت ترکی نہ تازی
کا خلیلاں حنا را لہ زنی
باقی ہے جو لچھ سب خال باری



گرم فغاں ہے جبریں اٹھ کہ لیا قافلہ

وئے وہ رہو کہ ہے منتظرِ راحلہ

تیری طبیعت ہے اور تیرا زمانہ ہے اور
 تیرے موافق نہیں خالق ہی سلسلہ
 دل ہو علام حسد و مالہ امام حسد
 اُس کی خودی ہے ابھی شام و سحر میں یہ
 تیرے نفس کی ہوتی اتشیں گل تیرے
 سالک ہوشیار بخت سے یہ حیلہ
 کہوشیں اس کا ہے جس کی باں پر گلہ
 مرغِ حمن ہے یہی تیری نوا کا صلہ



مری نوا سے نوتے زندہ عارفِ عامی
 دیا ہے میں نے انھیں فوق اتشِ آشامی
 حرم کے پاس کوئی ابھی ہے مزرعِ سنج
 کہ تار تار نوتے جسامتے احرامی
 حقیقتِ ابدی ہے مقامِ شبیری
 بدلتے رہتے ہیں اندازِ کونوی و شامی
 مجھے یہ ہے مقامِ مرہین و سنجہ کار بہت
 نہ رنگ لائے کہیں تیرے ہاتھ کی خامی
 عجیب ہیں کہ مسلمان کو پھر عطا کریں
 شکوہ سنجہ و تہمتِ جنیبِ دوسطامی

قبائے علم و ہمتِ لطفِ خاص ہے وہ نہ
 ترمی نگاہ میں تھی میری ناخوش اندامی



۳۹۸
 بالِ ہبریل
 ۷۲



چہرے کی امت سے لے کر لڑکیاں نہ تو
 لہاں کس کو مہتر تو ہے بے تک و دو
 نفس کے زور سے وہ غنچہ وا ہو بھی تو کیا
 جسے نصیب نہیں آفتاب کا پرتو
 نگاہ پاک سے تیری تو پاک ہے دل بھی
 کہ دل کو حق نے کیا ہے نگاہ کا پیر
 پنپ سکا زخیاں میں لالہ دل سو
 کہ سازگار نہیں تہ جہاں کس م جو

ہے نہ ایسا غوری کے معر کے باقی

ہمیشہ تازہ و شیریں ہے نغمہ خسرو



لکھو نہ جا اس سحر و شام میں لے صاحب ہوش
 اک جہاں اور بھی ہے جس میں فردا ہے نہ ہوش
 کس کو معلوم ہے کس کا مہ فردا کا مقام
 مسجد و مکتب و مہینا نہ ہیں تہ کے خسروش

میں نے پایا ہے اسے اشکِ گہری میں
 جس نے نابِ حالی ہے صندلِ غموش
 نئی تہ زیب تکلف کے سوا کچھ بھی نہیں
 چہرہ روشن ہو تو کیا حاجتِ گلونہ فروش!
 صاحبِ ساز کو لازم ہے کہ عنانِ نثر ہے
 گلے کا ہے عنانِ آہنگ بھی ہوتا ہے سروش



تھا جہاں سے شیری شاہد شاہی
 نظر آتی نہ مجھے تافلہ سالاروں میں
 آج آج ان نقموں میں، فقط زوہا ہی
 وہ شبانی کہ ہے تمہیں کلیمِ اٹلی
 آہ، اس باغ میں کرتا ہے نفس کو تابی
 لذتِ نغمہ کہاں مرغِ خوش الحان کے لیے
 ایک کسری جویرتے سے لہا پاتا رہا
 ایک کسری جویرتے سے تمام اکا رہی

صفتِ برق چمکتا ہے مرانگر بند
 کبھٹکتے نہ پھر میں طشتِ شب میں رہی

۲۰۰
 بالِ جبریل
 ۷۶



ہے یاد مجھے نکتہ ستارن خوش رنگ
چلتے کا جگر چائے شاہیں کا تخت بس
گر بسیل و طاووس کی تقلید سے توبہ

و نیا نہیں مزان جفا شس کے لیے تنگ
جی سکتے ہیں بے روشی و دانش فرہنگ
بسیل فقط آواز ہے طاووس فقط رنگ!



فقر کے ہیں معجزات تاج و سیر و سپاہ
علم کا مقصود ہے پالی عمتل و خرد
علم فقیر و حکیم، فقیر مسیح و حکیم
فقر سمت نام نظر، علم سمت نام خبر
علم کا موجود اور فقر کا موجود اور

فقر ہے میروں کا میر فقر ہے شاہوں کا شاہ
فقر کا مقصود ہے حقیقت قلب و نگاہ
علم ہے جو بانی راہ، فقیر ہے روانے راہ
فقر میں سستی ثواب، علم میں سستی کناہ
اشھد ان لا الہ الا اللہ! اشھد ان لا الہ الا اللہ!

✽ سلمان بسو و سعد سلمان - غزنوی دور کا نامور ایرانی شاعر جو غالباً لاہور میں پیدا ہوا

۴۰۱
بال جبریل
۷۷

چڑھتی ہے جب فقر کی سانپہ تیغ خوبی
 ایک سپاہی کی ضرب تھی ہے کار سپاہ
 دل الہی خال میں زندہ و بیدار ہو
 تیری نکتہ توڑے آسمان سے مہر و ماہ



کمال جو شہنشاہوں میں ہا میں کرم طواف
 خدا کا شکر سلامت ہا حرم کا خلاف
 یہ عشاق مبارک ہو مومنوں کے لیے
 کہ ایک زبان میں فقہیان شہر میرے خلاف
 تڑپ ہے فلاحوں میں غیب و جنوں
 ازل سے اہل حسرت کا مقام ہے اعرف
 ترے ضمیر یہ جب تک نہ ہو نزول کتاب
 گرہ کشا ہے نہ رازی نہ صاحب کشف

سرور و سوز میں ناپائدار ہے اور نہ
 مے فرنگ کا تہ جبر بھی نہیں ناصاف



شعور و ہوش غمرو کا معاملہ ہے عجیب
 مقام شوق میں ہیں سب دل و نظر کے رقیب

میں جانتا ہوں جماعت کا حشر کیا ہوگا
 مسائل نظری میں الجھ گیا ہے خطیب
 اگرچہ میرے شہمن کا کر رہا ہے طواف
 مری نوامیں نہیں طسائر چہن کا نصیب
 سناتے ہیں نے سخن بس ہے تکر عثمانی
 سناتے کون اسے اقبال کا یہ شعر غریب

سمجھتے ہیں وہ یورپ کو ہم جو اپنا
 تلوے جن کے نشہن ہیں زیادہ قریب!

قطعہ

اندازِ بیاں کرچہ بہت شوخ نہیں ہے
 شاید کہ اتر جائے ترے دل میں مری بات
 یا وسعتِ اندال میں تکبیرِ مسلسل
 یا خاک کے اغوش میں تسبیح و مناجات
 وہ مذہبِ مردانِ خود آگاہ و خدا مست
 یہ مذہبِ ملا و جمادات و نباتات



تھوڑے

وہ درگم نامہ مانہ!
کھلی کی ادا سودا گرانہ!
تیرے ساتھ ہر امن چاک
ہیرا ہر جنوں کا یہ زمانہ!

۲۰۲
بال جبریل
۸۰

۲ حصہ (دراغ)

ظہیر میں عورت سنہن جا

تیرے جا کھانے کے ساتھ بیچ کھا کھا کر بدلا جا

سینہ کی گھاسی باہر نہ سوچ ہر حال تیری گنت میں آج!

تیرے جس طرف چاہے نکل جا!

زُبا عیّت

رہ و رسمِ حرمِ نامحسوسانہ
تبرکے مراد پیراہنِ چال
کلیسا کی ادا سو والرانہ
نہیں اہلِ حسنوں کا یہ زمانہ

ظلامِ حجب میں کھو کر سنجھل جا
نہیں ساحلِ ترقی قسمتیں اے موج
تڑپ جا، پیچ کھا کھا کر بدل جا
اُبھر کر جس طرف چاہے نیکل جا!



مکانی ہوں کہ آزاد مسکاں ہوں
 جہاں بیچوں کہ خود سارا جہاں ہوں
 وہ اپنی لامکانی میں ہیں مست
 مجھے اتنا بتا دیں میں کہاں ہوں!



خودی کی حسرتوں میں لم ہا میں
 خدا کے سامنے گویا نہ تھا میں
 نہ دیکھا انکھ اٹھا لڑ جلاوت
 قیامت میں کاشا بن گیا میں!



پیشاں کار و بار آشنائی
 پریشاں ترمی رنگیں نوائی
 کبھی میں ٹھونڈتا ہوں لذتِ وصل
 خوش اتنا ہے کبھی سو جبارائی!



یقین، یقین خلیل تشنہ نشینی
 یقین، اللہ مستی، خود کوزینی
 سن، اے تہذیبِ حاضر کے گرفتار
 علامی سے بہتر ہے بے تینی

۲۰۶
 بالِ مہربیل
 ۸۲



عرب کے سوز میں ساجد ہے
تمہی حد تک ہے اندیشہ غم
حرم کار از توحیدِ ائمہ ہے
کہ ہند میں نہ تھی جسے



کوئی دیکھے تو میری نوازی
نفس ہندی مقامِ ستارہ نوازی
نیکہ الودہ اندازِ منزل
طبیعتِ غزنوی قہمتِ یازمی



ہر اک ذرے میں ہے شاید مکین دل
اسیرِ دوش و نڈر ہے بسین
اسی جلوت میں ہے جلوت نشین دل
غلامِ کر و شش و درانہ سیر دل



ترا اندیشہ اس لالی نہیں ہے
یہ مانا اصل شاپہنی ہے تیری
ترمی پڑاز لولالی نہیں ہے
ترمی آنکھوں میں بے بالی نہیں ہے

نہ مومن ہے نہ مومن کی امیری
رہا صوفی ہستی روشن ضمیری
خدا سے پھر ہی قلب و نظر مانگ
نہیں ممکن ایسی بے فہمی

خودی کی جستجو میں مصطفائی
خودی کی جستجو میں کبریا
زمین آسمان کر رہی عرش
خودی کی وہ ہے ساری خدائی!

ننگہ الجھی ہوئی ہے رنگ بو میں
خرد لھوئی گئی ہے چار سو میں
نہ چھوڑے دل فنجانِ صبح کا
اماں شاید ملے اللہ ٹھو میں!

جمالِ عشق وستی نے نوازی
جمالِ عشق وستی بے نیازی
کمالِ عشق وستی طرفِ حیدر
زوالِ عشق وستی حرفِ ازلی

۲۰۸
بالِ جبریل
۸۲



وہ میرا رونق محفل کہاں ہے
میری بجلی مرا حال کہاں ہے
مقام اس کا پئے دل کی خلو توں میں
خدا جانے مستام دل کہاں ہے



سوارِ مات و محمل نہیں میں
میری تقدیر ہے حنا اشک سوزی
نشانِ جاوہ ہوں منزل نہیں میں
فقط بجلی ہوں میں حامل نہیں میں



ترے سینے میں دم نئے دل نہیں ہے
کوڑجائستل سے آگے کہ یہ نور
ترا دم کرمی محفل نہیں ہے
چراغِ راہ ہے منزل نہیں ہے



ترا جوہر ہے نور میں پاک ہے تُو
ترے صیغے میں انفرشتہ تُو
منور غ دیدہ افلاک ہے تُو
کہ شاہین شہ لاک ہے تُو

محبت کا جنوں باقی نہیں ہے
 مسلمانوں میں جو باقی نہیں ہے
 صفیں کج دل پریشان سجدے بے وقوف
 کہ جذب اندروں باقی نہیں ہے

خودی کے زور سے یہاں چھایا جا
 معتمد نہ ہو کار از پایا جا
 بڑھتی مسائل اشناہ
 کہ کب حاصل سے من لھنچتا جا

چمن میں خست گل شبنم سے رہا ہے
 سمن ہے سبز ہے باو سحر ہے
 گڑب گڑب ہو سکتا نہیں مضم
 یہاں کالہ بے سورج کھلے

خرو سے اہر روشن ہے
 خرو کی ہے چراغ زلزلے
 درون جانا نہ ہو گیا
 چراغ زلزلے کو کی خبر ہے

جوانوں کو مری آہِ حسرتوں
خدا یا! از روِ سیری ہی ہے

پھرن شاہین بچوں کو بال پرے
مرزا نور بصیرت عام کروے

ترمی و نسیا جہان مرغ و ماہی
ترمی و نسیا میں محکوم و مجبور

مری و نسیا افغان جگہ کاہی
مری و نسیا میں تیری پاؤں شاہی!

کرم یہ کہ بے جوہر نہیں ہیں
جہاں بیٹی مری فطرت سے لکین

غلامِ نسرل و بے نہیں ہیں
کسی شیدا عن نہیں ہیں

وہی اصل مکانِ لامکان ہے
خضر کنویر بتائے، کیا بتاتے

مکانِ کھاشے ہے اندازِ بیاں ہے
اگر ماہی کے دریا کہاں ہے

کبھی آوارہ و بے خانماں عشق
کبھی شاہ شہماں نوشیرواں عشق
کبھی میدان میں آتے زہ پوش
کبھی عزمین و بیخ و سناں عشق!

کبھی تنہائی کوہ و دمن عشق
کبھی سوز و سُرور و انجمن عشق
کبھی ساری محراب و منبر
کبھی ہوا مثل خیر شکن عشق!

عطا اسلاف کا جذبہ رُوس کر
شکر یک زمرہ لاکھ نژادوں کر
خرو کی گتھیاں سلجھا چکا میں
مرے مولا مجھے صاحب جنوں کر!

پنپت میں سیکھا بوا حسن
کہ جاں تہ میں کب بدن سے
چما سوج میں کیا باقی ہے لی
الربینا رہو اپنی کرن سے!

۲۱۲
بالِ حبریل
۲۸۸



خرد واقف نہیں ہے نیک و بد
بڑھی جاتی ہے طغالم اپنی حد سے
خدا جانے مجھے کیا ہو کیا ہے
خرد بیزار دل سے دل خرد سے!



خدا کی اہم شکرت سے
خداوند اجناداتی دروسرے
بس کن بندگی استغفرا
یہ دروس نہیں درو چکر ہے



یہی آدم ہے سلطان محروم کا
کہوں کیا جا بس اس بے بصر کا
نہ خود بین نے خدا بین نے جہان میں
یہی شہکار ہے تیرے ہنر کا!



وہ عارف ز صمیم آدم ہے
اسی سے ریشہ معنی میں نم ہے
الہ کوئی شعیب اسے میتر
شہانی سے ظہیری وقت دم ہے

رکوں میں وہ لہو باقی نہیں ہے وہ دل وہ آرزو باقی نہیں ہے
 نماز و روزہ و تبرائی و حج یہ باقی ہیں تو باقی نہیں ہے

کھلے جاتے ہیں اسرارِ نہانی کیا دورِ حدیثِ لُنِ ترانی
 ہوئی جس کی خودی پہلے نمودا وہی سدی وہی آخرِ زمانہ

زمانے کی یہ کوشش جاودا حقیقت ایک تو باقی فسانہ
 کسی نے دوشس و سچا ہے نہ فردا فقط امروز ہے یہ زمانہ

حکیمی نہا سلمانی خودی کی حکیمی رزمِ پنهانی خودی کی
 تجھے گرفت و شاہی کا بتاوں غریبی میں نہجِ بانی خودی کی

ترا تن رُوح سے نا آشنا ہے عجب کیا! او تیر می نار ہے
 تن بے رُوح سے بیزار ہے حق خدا سے زندہ زندوں کا خدا ہے

قطعه

اقبال نے کل اہل خیاں کو سنایا
 یہ شعرِ شاط اور وپرسوز و طرب نال
 میں صورتِ گل دستِ صبا کا نہ میں تاج
 کرتا ہے مرا جو شرس جنوں میری قبب اچال

دعا
مسجدِ قطیف میں لکھی گئی

ہے یہی میری نماز ہے یہی میرا وضو
میری نواؤں میں ہے جگر کا لہو!
صحبتِ اہلِ صفا نور و حضور و سرور
سرخوش و پیر سوز ہے لالہ لبِ آنجو
راہِ محبت میں ہے کون کسی کا رفیق
ساتھ ہے گئی ایک مری آرزو!
مرا نشیمن ہیں درگاہِ میر و وزیر
میرا نشیمن بھی تو شاخِ نشیمن بھی تو
تجھ کے سر پہاں مرا مطلع صبحِ شہور
تجھ کے سر پہاں میں آتشِ اللہ عو!

۲۱۶
بالِ جبریل
۹۲

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَعَسَا

(مسجدِ قطب میں لکھی گئی)

ہے یہی میری نماز ہے یہی میرا وضو
میری نواؤں میں ہے میرے جگر کا لہو
صحبتِ اہلِ صفت، نور و حضور و سرور
سرخوش و پرسوز ہے لالہ لبِ آبِ حیات
راہِ محبت میں ہے کون کسی کا رشتیق
ساتھ مرے رہ گئی ایک مری آرزو
میرا نشیمن نہیں درگاہِ میر و وزیر
میرا نشیمن بھی تو شاخِ نشیمن بھی تو

تجھ سے کریباں مرا طبع صبح نشور
 تجھ سے مرے سینے میں آتش اُتدھو
 تجھ سے مری زندگی سوز و تب و درد و داغ
 تو ہی مری آرزو، تو ہی مری جستجو
 پاس اگر تو نہیں، شہر ہے ویراں تمام
 تو ہے تو آباد ہیں اجڑے ہوئے کاغذ و کو
 پھر وہ شراب کُنن مجھ کو عطا کر کہ میں
 ڈھونڈ رہا ہوں اُسے توڑ کے جام و سبو
 چشم کرم سا قیادیر سے ہیں منتظر
 جلدوتیوں کے سب، جن لوٹیوں کے لڑو
 تیری حنائی سے ہے میرے جنوں کو رکھ
 اپنے لیے لامکان میرے لیے چار سوا
 فلسفہ و شعر کی اور حقیقت ہے کیا
 حرفِ تنہا جسے کہ نہ سکیں زو برو

۲۱۸
 بالِ جبریل
 ۹۲

مسجد قرطبہ

(ہسپانیہ کی سرزمین، بالخصوص قرطبہ میں لکھی گئی)

سلسلہ روز و شب، نقشِ کارِ حادثات

سلسلہ روز و شب، اصلِ حیات و ممات

سلسلہ روز و شب، تاریخِ پرو و رنگ

جس سے بنائی ہے ذاتِ اپنی قبائے صفات

سلسلہ روز و شب، سازِ ازل کی فنناں

جس سے دکھائی ہے ذاتِ زیر و بم ممکنات

تجسس کو پرکھتے ہے یہ مجھ کو پرکھتے ہے یہ

سلسلہ روز و شب، صہیرِ فی کائنات

تو ہو الر کم عیسار، میں ہوں الر کم عیسار

موتے تیری برات، موتے میری برات

۴۱۹
بالِ جبریل
۹۵

تیرے شب و روز کی اور حقیقت ہے کیا
 ایک زمانے کی رُو جس میں نہ دن ہے نہ رات
 انی و فانی تمام مجبوزہ ہاتے ہنر
 کار جہاں بے ثبات، کار جہاں بے ثبات!
 اول و آخر فنا، باطن و ظننا ہر فنا
 نقش کُنن ہو کہ نور، منزلِ آخر فنا
 ہے مگر اس نقش میں زنا بے ثباتِ دوام
 جس کو کیا ہو کسی مردِ حنڈانے تمام
 مردِ حنڈا کا عمل عشق سے صاحبِ مرغ
 عشق ہے اصل حیات، موت ہے اس پر حرام
 تند و سبک تیر ہے لہر چہ نہ ملنے کی رُو
 عشق خود اک سیل ہے سہیل کو لیتا ہے تمام
 عشق کی تقویم میں عصا برواں کے سوا
 اور زمانے بھی ہیں جن کا نہیں کوئی نام

عشق دمِ حبسِ ریل، عشق دلِ مصطفیٰ
 عشق خدا کا رسول، عشق خدا کا کلام
 عشق کی مستی سے پیکرِ گل تابناک
 عشق ہے صہبائے عام، عشق ہے کائناتِ کرام
 عشق فقیرِ حرم، عشق امیرِ جنود
 عشق ہے ابنِ اسبیل، اس کے ہزاروں مقام
 عشق کے مضراب سے نغمہٴ تارِ حیات
 عشق سے نورِ حیات، عشق سے نارِ حیات
 اے حرمِ قرطبہ! عشق سے تیرا وجود
 عشق سے لپا دو امم جس میں نہیں رفت و بود
 رنگ ہو یا خشت و سنگ چنک ہو یا حرف و صوت
 معجزہٴ فن کی ہے خونِ جگر سے نمود
 قطرہٴ خونِ جگر سل کو بناتا ہے دل
 خونِ جگر سے صد سوز و سُرور و سرود

تیری فضا دل فرزند میری نوا سینہ سوز
 تجھ سے دلوں کا حضور مجھ سے دلوں کی کشود
 عرشِ معشوقی سے کم سینہ آدم نہیں
 لہر چلنے والی حال کی حد ہے سپہر کبوت
 پیکرِ نوری کو ہے سجدہ مہتر تو کیا
 اس کو مہتر نہیں سوز و لہازِ سجد
 کافر ہندی ہوں میں، دیکھ مرا ذوق و شوق
 دل میں صلوة و درود، لبِ صلوة و درود

شوقِ مری لے میں ہے، شوقِ مری نے میں ہے
 نعمتہ اللہ ہو میرے رل و پے میں ہے
 تیرا جلال و جمال، مردِ خدا کی دلیل
 وہ بھی حسین و حسیل، تو بھی حسین و حسیل
 تیری بنا پانڈار، تیرے سنتوں بے شمار
 شام کے صحرا میں ہو جیسے نجومِ حسیل

تیسرے دروہام پر واوی امین کا نور
تیرا منہ نہ جلاو کہ جب تیرے
مٹ نہیں سکتا کبھی مرد مسلمان کہ ہے
اس کی اذانوں سے فاش سپر کلیم و خلیل
اس کی زمیں بے حدود، اس کا افق بے شعور
اس کے سمندر کی موج، و جلد و نیوب و نیل
اس کے زمانے عجیب، اس کے فسانے عرب
عہد کهن کو دیا اس نے پیام حرم
ساقی اربابِ فوق، فارس میدانِ شوق
بادہ ہے اس کا حقیق، تیغ ہے اس کی اکیل
مرد سپاہی ہے وہ، اس کی زرہ 'لا الہ
سایہ شمشیر میں اس کی پنہ 'لا الہ
تجھ سے ہوا آشکار بندہ مومن کا راز
اس کے دنوں کی پیش، اس کی شبوں کا لہاز

اس کا مستام بلند، اس کا خیال عظیم
 اس کا سرور اس کا شوق، اس کا نیاز اس کا ناز
 ہاتھ سے اللہ کا بندہ مومن کا ہاتھ
 غالب و کار انہریں، کارشا، کار ساز
 خالی و نوری نہاد، بندہ مولا صفات
 پرو و جہاں سے غنی اس کا دل بے نیاز
 اس کی نہیں قلیل، اس کے مقاصد حلیل
 اس کی ادا اول فریب اس کی نلہ دل نواز
 نرم و کم گفتگو، گرم و کم جستجو
 رزم ہو یا بزم ہو، پاک و پل و پاک با
 نقطہ پر کار حق، مرو حندا کا یقین
 اور یہ عالم تمام وہم و طلسم و مجاز
 عقل کی منزل ہے وہ، عشق کا حاصل ہے وہ
 حلفتہ آفاق میں گرمی محض ہے وہ

۲۲۲
بال جبریل

۱۰۰

کعبہ ارباب فن! سطوت دین نہیں
 تجھے حرم مرتبت اندھیوں کی زمیں
 ہے تہ کر دوں اگر حسن میں تیری نظیر
 قلب سلماں میں ہے اور نہیں ہے کہیں
 اہ وہ مردانِ حق! وہ عسکری شہسوار
 حائلِ حُسنِ عظیم، صاحبِ صدق و یقین
 جن کی حکومت ہے فاشس یہ رمزِ غریب
 سلطنتِ اہلِ دل فتر ہے، شاہی نہیں
 جن کی نگاہوں نے کی تربیتِ شرق و غرب
 ظلمتِ یورپ میں تھی جن کی حنڈراہ ہیں
 جن کے لہو کی طفسیل آج بھی ہیں اندھی
 خوش دل و کرم اختلاط، ساوہ و روشن جبیں
 آج بھی اس ویس میں عام ہے چشمِ غزال
 اور نگاہوں کے تیر آج بھی ہیں دل نشیں

نوتے ہیں آج بھی اس کی ہواؤں میں ہے
زنگِ حجاز آج بھی اس کی نواؤں میں ہے

ویدۂ انجسَم میں ہے تیری زمیں، آسماں
اے کہ صدیوں سے ہے تیری فضا بے ازاں
کون سی وادی میں ہے کون سی منزل میں ہے
عشقِ بلاخیز کا فائدہ سخت جاں!
دیکھ چکا المنی، شورشِ اصلاح دین
جس نے نہ چھوٹے نہیں شش لہن کے نشان
حرفِ غلط بن گئی عصمتِ پیرِ کُشت
اور ہوئی ننگ کی کشتی نازکِ رواں
چشمِ فراسِ سب بھی دیکھ چکی نہتِ لاب
جس سے دل لگوں ہوا منبرِ بیوں کا جہاں
ملکتِ رومی نژاد کہنہ پرستی سے پیر
لذتِ تجدید سے وہ بھی ہوئی چھبھراں

۲۲۶

بالِ حبریل

۱۰۲

رُوحِ سُلماں میں ہے آج وہی اُسطرا۔
 رازِ حِند آتی ہے یہ، کہ نہ نہیں سکتی زباں
 دیکھیے اس بھر کی ترے اُچھلتے کیا
 گنبدِ نیلوفنری رنگ بدلتا ہے کیا
 واہی کہسار میں غمِ شوق ہے سحاب
 نعلِ بدخشاں کے ڈھیر چھوڑ لیا شباب
 ساوہ و پُرسوز ہے دخترِ ہمتاں کالیت
 کشتیِ دل کے لیے سبیل ہے عہدِ شباب
 آپ و ابنِ کبیر تیرے لنگے کوئی
 دیکھ رہا ہے کسی اور زلمے کا خواب
 عالمِ نو ہے ابھی پروۃِ تقدیر میں
 میری نکا ہوں میں ہے اس کی سحر بے حجاب

• واہی کبیر، قُربہ کا مشہور دریا جس کے قریب ہی مسجدِ قُربہ واقع ہے

پروہ اٹھتا دوں اگر چہ پیرۃ افکار سے
 لائن کے کافر نام میری نواؤں کی تاب
 جس میں نہ ہو تلاب موت سے وہ زندگی
 رُوح اُمم کی حیات کشمکش انقلاب
 صورتِ شمشیر سے سب قضا میں وہ قوم
 کرتی ہے جو ہر زمان اپنے عمل کا حساب
 نقش ہیں سب نام نام خون جگر کے بغیر
 نغمہ ہے سوادے خام خون جگر کے بغیر

قید خانے میں مستعد کی فریاد

مستعد شہبیلیہ کا بادشاہ اور عربی شاعر تھا۔ سپانہ کے ایک حکمران نے اس کو شکست دے کر قید میں
 ڈال دیا تھا۔ مستعد کی نظمیں انگریزی میں ترجمہ ہو کر روزنامہ آف دی ایٹ میرٹھ میں شائع ہو چکی ہیں۔

اک فن ان بے شکر سینے میں باقی رہ گئی
 سوز بھی رخصت ہوا، جاتی رہی تاشیر بھی

مردِ سرزنداں میں ہے بے نیزہ و شمشیر آج

میں پشیمان ہوں پشیمان ہے مری تدبیر بھی

خود بخود زنجیر کی جانب کھنچا جاتا ہے دل

تھی اسی فولاد سے شاید مری شمشیر بھی

جو مری تیغ و دو دم تھی، اب مری زنجیر ہے

شوخی و بے پروا ہے کتنا خالقِ وقتِ دید بھی!

عبدالرحمن اول کا بویا ہوا کھجور کا پہلا درخت

سرزمین اندلس میں

یہ اشعار جو عبدالرحمن اول کی تصنیف سے ہیں تاریخِ اقصیٰ میں درج ہیں۔ مندرجہ ذیل

اردو نظم ان کا آزاد ترجمہ ہے (درختِ مذکور مدینۃ الزہراء میں بویا گیا تھا)

میرے آنکھوں کا نور ہے تُو میرے دل کا سرور ہے تُو

اپنی وادی سے دُور ہوں میں میرے لیے نخلِ طور ہے تُو

مغرب کی چوٹ نے تجھ کو پالا صحرائے عرب کی حور ہے تُو

پرویس میں ناصبور ہوں میں پرویس میں ناصبور ہے تو

غربت کی ہوا میں بارور ہو

ساتی تیرا نم حشر ہو

عالم کا عجیب سے نظارہ دامانِ ننگہ سے پارہ پارہ

ہمت کو شناساوری مبارک! پیدا نہیں حشر کا کنارہ

ہے سوزِ دروں سے زندگانی اٹھتا نہیں خاک سے شرارہ

صبحِ غربت میں اور چمکا ٹوٹا ہوا شام کا ستارہ

مومن کے جہاں کی حد نہیں ہے

مومن کا مقام ہر کہیں ہے

ہسپانیہ

(ہسپانیہ کی سرزمین میں لکھے گئے)

(واپس آتے ہوئے)

ہسپانیہ تو خونِ مسلمان کا امین ہے

مانندِ حرمِ پاک ہے تو میری نطنس میں

۲۳۰
بالِ ہبریل
۱۰۶

پوشیدہ ترمی خاک میں سجدوں کے نشاں ہیں
 خاموش اذانیں ہیں ترمی باوجود سحر میں
 روشن تھیں ستاروں کی طرح ان کی ستائیں
 نیچے تھے کبھی جن کے ترے کوہ و کمر میں
 پھر تیرے سینوں کو ضرورت ہے جنا کی؟
 باقی ہے ابھی رنار کے خون جگر میں!
 کیونکر خس و خاشاک سے بجاے مسلمان
 مانا، وہ تب و تاب نہیں اس کے شرر میں
 عنبر طہ بھی دیکھا مری آنکھوں نے، لیکن
 تکین مسافر نہ سفر میں نہ حضر میں
 دیکھا بھی دکھایا بھی، سنا یا بھی سنا بھی
 ہے دل کی تسلی نہ نطن میں نہ خبر میں!



طارق کی دعا

(اندلس کے میدان جنگ میں)

عین زمی تیرے پراسرار بندے
 جنھیں تو نے بخشا ہے ذوقِ خدائی
 دو نیم ان کی ٹھوکر سے صحرا و دریا
 سمٹ کر پہاڑ ان کی سمیت سے آئی
 دو عالم سے کرتی ہے سیکانہ دل کو
 عجب چیز ہے لذتِ آشنائی
 شہادت ہے مطلوب و مقصودِ مومن
 نہ مالِ غنیمت نہ کشورِ شائی

خیاباں میں ہے منتظر لالہ لب سے

قبا چاہیے اس کو خونِ عرب سے

کیا تو نے صحرا شینوں کو ملکیت
 خبر میں لظنِ سر میں اذانِ سحر میں
 طلب جس کی صدیوں سے تھی ندلی کو
 وہ سوز اس نے پایا انھی کے جگر میں
 کشادہ دل سمجھتے ہیں اس کو
 ہلاکت نہیں موتان کی لظن میں
 دل مردِ مومن میں پھر زندہ کر دے
 وہ جہلی کہ تھی قہرِ لا تدرئیں
 عزائم کو سینوں میں بیدار کر دے
 نگاہِ سماں کو تلوار کر دے

لینن (خدا کے حضور میں)

اے نفسِ آفاق میں پیدا تھے آیات
حق یہ ہے کہ ہے زندہ و پائند و ترمیقات
میں کیسے سمجھتے کہ تو ہے یا کہ نہیں ہے
ہر دم متغیبت تھے حسد کے نظریات
محرم نہیں فطرت کے سرواڑی سے
بیتے کو الگ ہو کہ دانائے نباتات
آج آنکھ نے دیکھا تو وہ عالم ہوا ثابت
میں جس کو سمجھتا تھا کلیسا کے خرافات
ہم بندِ شب و روز میں جلتے ہوئے بندے
تو حنا لوقِ اعصار و نگارندۂ آفات!

اک بات اگر مجھ کو اجازت ہو تو پوچھوں
 حل کرنے کے جس کو حلیموں کے مقالات
 جب تک میں جیاجیمہ افلاک کے نیچے
 کانٹے کی طرح دل میں کھٹکتی رہی یہ بات
 گفتار کے اسلوب پر قابو نہیں رہتا
 جب روح کے اندر مستلاطم ہوں خیالات
 وہ کون سا آدم ہے کہ تو جس کا مہیے سبود
 وہ آدم حنا کی کہ جو ہے زیر سماوات؟
 مشرق کے حنداوند سفیدان مندرنی
 مغرب کے حنداوند خورشندہ فلذات
 یورپ میں بہت روشنی علم و ہنر ہے
 حق یہ ہے کہ بے چشمہ حیواں ہے یہ ظلمات
 رعنائی تعمیر میں رونق میں صفا میں
 کہ جوں سے ہمیں بڑھ کے ہیں شکوں کی عمارات

۲۳۲
 بالِ جبریل
 ۱۱۰

ظاہر میں تجارت ہے حقیقت میں جو اسے
 سود ایک کالاکھوں کے لیے مرل مفاعیات
 یہ علم، یہ حکمت، یہ تدبیر، یہ حکومت
 پیتے ہیں لو، دیتے ہیں تسلیم مساوات
 بے کاری و عربانی و مے خواری و افلاس
 کیا کم ہیں و سرنگی مذہبیت کے مستوحات
 وہ قوم کہ فیضان سماوی سے چومحسروم
 حد اس کے کمالات کی ہے برق و بخارا
 ہے دل کے لیے موت شینوں کی حکومت
 احساس مروت کو نچل دیتے ہیں آلات
 آثار تو کچھ کچھ نظر آتے ہیں کہ اس
 تدبیر کو تقدیر کے شطرنج کیامات
 مہنہ کی بنیاد میں آیا ہے تزلزل
 بیٹھے ہیں اسی منکر میں پیران خرابات

چہروں پر جو سرخی نطن آتی ہے شرم
 یا عنازہ ہے یا ساعنہ رو مینا کی کرامات
 توفت اور وعادل ہے مگر تیرے جہاں میں
 ہیں تلخ بہت بندہ مزدور کے اوقات
 کب ڈوبے گا سیر پرستی کا سینہ؟
 دنیا ہے تری منتظر روزِ مکافات!

فرشتوں کا کیت

عقل ہے بے زمام ابھی عشق ہے بے مقام ابھی
 نقش کرازل! ترا نقش ہے نام ابھی
 خلقِ خدا کی لحات میں رند و فقیر و سیر
 تیرے جہاں میں ہے وہی کروش صبح و شام ابھی
 تیرے مہر مال مست تیرے فقیر حال مست
 بندہ ہے کوچہ گرو ابھی خواجہ بلند بام ابھی

دانش دین و علم و فن بندگی ہو سکتا
 عشق کرہ نشاے کافض نہیں ہے عام ابھی
 جو ہر زندگی ہے عشق جو ہر عشق ہے خودی
 اہ کہ ہے یہ تیغ تیز پر دلی نیام ابھی!

فرمانِ خدا (فرشتوں سے)

اٹھو! مری دنیا کے غریبوں کو جلا دو
 گراماؤ غلاموں کا لہو سوز یقیں سے
 سلطانی بسہور کا آلت ہے زمانہ
 جس کھیت سے ہر ماں کو میسر نہیں روزی
 کیوں خالق و مخلوق میں حائل رہیں پردے
 حق را بسجودے نہ نماں را بطولانی
 میں ناخوش و بیزار ہوں مہر کی سلوں سے
 تہذیبِ نومی کا رلہ شیشہ کراں ہے

کانخ امرا کے درو دیوار ہلا دو
 گنہگار فرومایہ کو ساہیں سے لڑا دو
 جو نقش کلمن تم کو نظر آتے، مٹا دو
 اس کھیت کے ہر خوشہ کندم کو جلا دو
 پیرانِ کلیسا کو کلیسا سے اٹھا دو
 بہتر ہے چراغِ حرم و دیر بچھا دو
 میرے لیے مٹی کا حرم اور بنا دو
 آداب جنوں شاعر مشرق کو سلھا دو!

ذوق و شوق

(ان اشعار میں سے اکثر فلسطین میں لکھے گئے)

’در بیخ آدم زان ہمہ بوستاناں تھی دست زرقن سوئے بوستاناں‘

قلبِ وطن کی زندگی وشت میں صبح کا سہاں
چشمہ آفتاب سے نور کی تداہیاں رواں
حسنِ اثر کی ہے نمود، چاک ہے پردہ وجود
دل کے لیے ہزار شود ایک نگاہ کا زیاں
سرخ و لہو و بدلیاں چھوڑ کیا سحابِ شب
کوہِ اہم کو دے کیا زنگِ بزنکِ طلساں
گرد سے پاک ہے ہوا، برکِ نخیل وصل گئے
ریاحِ نواح کا طہ زرم ہے مثلِ بریاں
اک بجھی ہوئی ادھر، ٹوٹی ہوئی طنابِ اوصہر
کیا خبر اس مقام سے کز رہے ہیں کتنے کارواں

۲۳۸
بالِ جبریل
۱۱۲

اتنی صدا ہے جبریل تیرا مہتمم ہے یہی
 اہل نفاق کے لیے عیشیں دوام ہے یہی
 کس سے کہوں کہ زہر ہے میرے لیے حیات
 گنہ ہے بزم کائنات، تازہ ہیں میرے وار و آت
 کیا نہیں اور غمِ زنوی کار کہ حیات میں
 بیٹھے ہیں کب سے منتظر اہل حرم کے سونامی
 ذکرِ عرب کے سوز میں فنِ کربِ عجم کے ساز میں
 نے عربی مشاہدات، نے عجمی تختِ لائت
 قافلہ حجاز میں ایک حسین بھی نہیں
 کرچہ ہے تاب دار ابھی کیسے و جلد و فرا
 عقل و دل و نگاہ کا مرشد اولیٰ ہے عشق
 عشق نہ ہو تو شرع و دین بُت کدہ تصوراً

صدقِ خلیل بھی ہے عشق، حبرِ حسین بھی ہے عشق
 مسرکہ وجود میں بدر و حسین بھی ہے عشق

ایہ کائنات کا معنی و پریا ب تو
 نکلتے تری تلاش میں قافلہ ہائے رنگ و بو
 جلو تیان بدر کو رنگاہ و مردہ ذوق
 جلو تیان مے لہہ لم طلب و تہی لہو
 میں کہ مری غزل میں ہے آتشِ رفتہ کا سراغ
 میری تمام سرگزشت کھوتے ہوؤں کی جستجو
 باوجہ سبالی موج سے نشوونما تے خار و خس
 میرے نفس کی موج سے نشوونما تے آرزو
 خونِ دل جو بکھرے ہے میری نوا کی پرورش
 ہے رگِ ساز میں ہواں صاحب ساز کا لہو
 فرصتِ شمشاد مدہ این دل بے قرار را
 یک دوشکن زیادہ کن کیوے تا بدار را
 نوح بھی تو، تو مسلم بھی تو، تیرا وجود الکتاب
 گنبدِ ابلہ رنگ تیرے محیط میں حباب

۲۲۰

بالِ حیریل

۱۱۶

عالم آب و خاک میں تیرے ظہور سے فروغ
 ذرہ ریک کو دیا تو نے طلوع آفتاب
 شوکتِ سحر و سلیم تیرے حلال کی نمود
 فقرِ حنیف و با بزید تیرے اجمال بے نقاب
 شوق ترا کرنے ہو میری نماز کا امام
 میرا قیام بھی حجاب میرا سجد بھی حجاب
 تیری نگاہ ناز سے دونوں مراد پاکتے
 عقلِ غیب و جستجو، عشقِ حضور و اضطراب
 تیرے وتارے جہاں کرو شش آفتاب کے
 طبعِ زمانہ تازہ کر بلا تیرے حجاب کے
 تیری نظر میں ہیں تمام میرے کزشتہ روز و شب
 مجھ کو خبر نہ تھی کہ ہے علمِ نخیل بے رطب
 تازہ مرے ضمیر میں مسرکہ لہن ہوا
 عشقِ تمامِ مصطفیٰ، عقلِ تمامِ بولہب

گاہ بچیلہ می برد، گاہ بزور می کشد
 عشق کی ابتدا عجب، عشق کی انتہا عجب
 عالم سوز و ساز میں وصل سے بڑھ کے ہے فراق
 وصل میں مرکبِ آرزو، سحر میں لذتِ طلب
 عینِ وصل میں مجھے جو حوصلہ نظر نہ تھا
 کہ چہ بہانہ جو رہی میری نکاہے ادب
 کہ میری آرزو فراق، شورشیں ہلے وہ فراق
 موج کی جستجو فراق، قطرے کی آبرو فراق!

پروانہ اور جنگنو

پروانے کی منزل سے بہت دور ہے جنگنو
 پروانہ کیوں آتشیں بے سوز پہ مغرور ہے جنگنو
 جنگنو

اللہ کا شکر کہ پروانہ نہیں میں
 در یوزہ کبر آتشیں بیگانہ نہیں میں

۲۲۲
 بابِ حبریل
 ۱۸

جاوید کے نام

خودی کے ساز میں ہے غمِ جاویدان کا سُراغ
خودی کے سوز سے روشن ہیں اُمتوں کے چراغ
یہ ایک بات کہ اوم سے صاحب مقصود
ہزار کونہ و سرور غ و ہزار کونہ و سراغ!
ہوتی نہ زراغ میں پیدا بلند پروازی
خراب کر لیتی شاہیں بچے کو صحبتِ زراغ
جیا نہیں ہے زمانے کی آنکھ میں باقی
خدا کرے کہ جوانی تری رہے بے داغ
ٹھہر سکا نہ کسی حنا نقاہ میں اقبال
کہ ہے ظریف و عوش اندیشہ و شکفتہ و مانغ



کداتی

مے کدے میں ایک دن اک زبیر نے کہا
ہے ہمارے شہر کا والی کداتے بے حیا
تاج پہنایا ہے کس کی بے گلاہی نے اسے
کس کی عسیرانی نے بخش ہے اسے زریں قبا
اس کے لب لالہ لوں کی خون بہت سے کشید
تیرے کھیت کی مٹی ہے اس کی لیمیا
اس نے نعت خانے کی ہر چہ سے مانگی ہوتی
وینے والا لون ہے مردِ غریب و بے نوا
ماننے والا کدایے صدقہ ماننے یا خراج
کوئی ماننے یا نہ ماننے میرے سلطان سب کدایا

(ماخوذ از انور می)

۴۴۴
بال جبریل
۱۲۰

ملا اور بہشت

نہیں بھی حاضر تھا وہاں ضربِ سخن کرنے کا
حق ہے جب حضرت ملا کو ملا حکم بہشت
عرض کی میں نے، الہی! مری تقصیر صرف
خوش نہ آئیں گے اسے حور و شراب و لب کشت
نہیں فرودوس مقامِ بدل و تال و اقول
بخت و تکرار اس اللہ کے بندے کی شہت
ہے بد آموزی اقوام و ملل کام اس کا
اور جنت میں نہ مسجد نہ کلیسا، نہ گنشت!

دین و ستیا

کلیسا کی بنیاد رُپانیت تھی سماں کہاں اس فقیری میں میری
خصوصیت تھی سلطانی و راہی میں کہ وہ سر ملندی ہے یہ سبر زیری

سیاست نے مذہب سے کچھ اٹھرایا
 چلی کچھ نہ چلی کھلیا کی پیری
 ہوتی دین دولت میں جس دم جدائی
 ہوس کی آسری ہوس کی وزیری
 دوئی ملک دوس کے لیے نامرادی
 دوئی چشم ہندیب کی نابھیری
 یہ عجز ہے ایک صحرا ششیر کا
 بشیری ہے اسینہ دارندیری!

اسی میں حفاظت ہے انسانیت کی
 کہ ہوں ایک خستیدی ارو شیری

الارض اللہ!

پاستا ہے بیج کو مٹی کی تاریکی میں کون
 کون دریاؤں کی موجوں سے اٹھاتا ہے سحاب؟
 کون لایا کھینچ کر پچھترے سے باورسازگار
 خاک یہ کس کی ہے کس طے یہ نور آفتاب؟
 کس نے بھروی موتیوں سے خوشہ کندم کی جیب
 موسموں کو کس نے سلھلاتی ہے خوشے انقلاب؟

۲۲۶
 بالِ جبریل
 ۱۲۲

وہ حسد آیا! یہ زمین سیری نہیں تیرے سیرے نہیں
تیرے ابا کی نہیں تیرے سیرے نہیں تیرے سیرے نہیں

ایک نوجوان کے نام

ترے صوفے ہیں افزئی تیرے تالیں ہیں ایرانی
لو مجھ کو زلاتی ہے جانوں کی تن آسانی
امارت کیا، شکوہ خسرو بھی ہو تو کیا حاصل

نہ زور سیدی تجھ میں نہ استغناء سے سلطانی
نہ ڈھونڈ اس پینر کو تہذیبِ خضر کی جستلی میں
کہ پایا میں نے استغناء میں سراجِ سلطانی

عقابی رُوح جب بیدار ہوتی ہے جانوں میں
نظر آتی ہے اس کو اپنی منزلِ آسمانوں میں
نہ جو نو بید، نو بید، نوالِ علم جو فخر ہے
انیس دہرہ مومن ہے خدا کے رازدانوں میں

نہیں تیرا دشمن قصرِ سلطان کے گنبد پر
تو شاہیں ہے بسیرا لہر پہاڑوں کی چٹانوں میں

نصیحت

بچہ شاہیں کے کہتا تھا عقاب سا بخورد
اے ترشہ سپر ایساں فطرت چرخ بریں
ہے شب اپنے لہو کی آگ میں جلنے کا نام
سخت کوشی سے ہے تلخ زندگانی انجھیں
جو کبوتر چھپٹنے میں مزا سے اسے پسر!
وہ مزا شاید کبوتر کے لہو میں بھی نہیں

لالہ صحرا

یہ گنبدِ مینائی، عین عالمِ تنہائی
مجھ کو تو ڈراتی ہے اس شکر کی پہنائی

۲۲۸
بالِ جبریل
۱۲۲

بھٹکا ہوا راہی میں بھٹکا ہوا راہی تو
 منزل ہے کہاں تیری اے لاکھ سرائی!
 حنائی ہے ظہیوں سے یہ لوہ و لمر ورنہ
 تو شعدہ سینائی میں شعدہ سینائی!
 تو شاخ سے کیوں چھوٹا میں شاخ سے کیوں ٹوٹا
 اک جذبہ پیدائی اک لذت کجائی!
 نعمتِ محبت کا اندر نہ حساب ہو
 چر قطرہ دریا میں دریا کی ہے کسراتی
 اُس موج کے ماتم میں وتی ہے بھنورلی انگھ
 دریا سے اٹھی لیکن ساحل سے نہ ٹکراتی
 ہے گرمی اوم سے ہر نکاتہ عالم گرم
 سورج بھی تماشائی، تارے بھی تماشائی
 اے باوہیابانی! مجھ کو بھی عنایت ہو
 حنا موشی و دل سوزی، سرستی و رعنائی!

۲۲۹
 بالِ جبریل
 ۱۲۵

ساقی نامہ

ہوا خمیر نین کاروان بہار
 گل و زرس و سوسن و سترن
 جہاں چھپ چھپ کیا پڑہ رنگ میں
 فضا نیلی نیلی، ہوا میں سرور
 وہ جوئے کستاں اچھلتی ہوتی
 اچھلتی، پھلتی، سنھلتی ہوتی
 رُکے جب تو سہل چیروتی ہے یہ
 ذرا دیکھ اے ساقی لالہ فام!
 پلاوے مجھے وہ ہے پردہ سوز
 وہ ہے جس سے روشن ضمیر حیات
 وہ ہے جس میں ہے سوز و سازِ ازل
 رازم بن گیا دامن کو بہار
 شہیدِ ازل لالہ خونیں کفن
 لہو کی ہے گردشِ رگِ سنگ میں
 ٹھہرتے نہیں اشیاں میں طیور
 اٹکتی لچکتی، سرکتی ہوتی
 بڑے پیچ کھاکر نکلتی ہوتی
 پہاڑوں کے دل چیروتی ہے یہ
 سناتی ہے یہ زندگی کا پیام
 کہ اتنی نہیں فصلِ گل روز روز
 وہ ہے جس سے ہے مستی کائنات
 وہ ہے جس سے کھلتے ہیں رازِ ازل

۲۵۰
بالِ جبریل
۱۲۶

اٹھا سا قیامِ رود اس راز سے
لڑا دے ممولے کو شہزاد سے

زمانے کے انداز بدلے گئے
ہوا اس طرح فاش رازِ فرنگ
پڑانی سیاست کرمی خوار ہے
کیا دور سرمایہ داری کی ہے
گراں خواب چینی سنبھلنے لگے
دل طور سینا و فناراں وہیم
مسلمان ہے توحید میں کرم جوش
تمدن، تصوف، شریعت، کلام
حقیقت خرافات میں لھوکتی
لجھاتا ہے دل کو کلامِ خطیب
بیاں اس کا منطق سے سلجھا ہوا
وہ صوفی کہ تھا خدستہ حق میں مرد
نیار ال ہے ساز بدلے گئے
کہ حیرت میں ہے شیشہ بازِ فرنگ
زمین میر و سلطان سے بیزار ہے
تماشاً دکھا کر مدارِ می کی ہے
ہمالہ کے چشمے ایلنے لگے
تجلی کا پھر منتظر ہے کلیم
مکرول ابھی تاکے زقار پوش
بیانِ عجبم کے پنج باری تمام
یہ اُمت روایات میں لھوکتی
مگر لذت شوق سے بے نصیب
نعت کے بھٹیروں میں الجھا ہوا
محبت میں کیتا، حمیت میں فرو

عجم کے خیالات میں گھول گیا یہ سالک مقامات میں گھول گیا

بُجھی عشق کی آگ اندھیر ہے

مسلمان نہیں، راکھ کا ڈھیر ہے

شراب کُنن پھر پلا ساقیا وہی جام گردش میں لاساقیا!

مجھے عشق کے پر لگا کر اڑا مری حال کج بنو بنا کر اڑا

حسد و کلامی سے ازاد کر جانوں کو پیروں کا استاد کر

ہری شاخ ملت تھے نم سے ہ نفس اس بدن میں تھے نم سے ہ

ترپنے پھر کئے کی تو نسیق دے دل مرتضیٰ، سوزِ صفتِ یق دے

جلد سے وہی تیر پھر پار کر تمنا کو سینوں میں بیدار کر

تھے آسمانوں کے تاروں کی خیر زمینوں کے شب زندہ داروں کی خیر

جانوں کو سوزِ جگر بخش دے مرا عشق، ہیر سہری نظر بخش دے

مری ماؤ کر داب سے پار کر یہ ثابت ہے تو اس کو ستار کر

بتا مجھ کو اسرارِ مرگ و حیات کہ تیری نگاہوں میں ہے کائنات

مے دیدہ ترکی بے خوابیاں مے دل کی پوشیدہ بے تلبیاں

۲۵۲

بالِ جبریل

۱۲۸

مرے نالہ نیم شب کانسیاز
 امسنگیں مری، آرزو تیں مری
 مری فطرت آئینہ روزگار
 مرے حنوت و آخسین کا لداڑ
 امسیدیں مری، جستجو تیں مری
 غمناک افکار کا مگر غمناک
 مرے رزم کاہ جیسات
 گمانوں کے لشکر، یقیں کا ثبوت
 یہی کچھ ہے ساقی مستاع فقیر
 اسی سے فقیری میں ہوں میں امیر

مرے فانسے میں لٹوے اے

لٹاؤے، ٹھکانے لگاؤے اے!

دو مادہ رواں ہے یہم زندگی
 اسی سے ہوتی ہے بدن کی نمود
 گراں کرچہ ہے صحبت آب و گل
 یہ ثابت بھی ہے اور ستیا بھی
 یہ وحدت ہے کثرت میں ہر دم اسیر
 یہ عالم، یہ بت خانہ شش جہات
 ہر اک شے سے پیدا رہم زندگی
 کہ شعلے میں پوشیدہ ہے موج و دو
 خوش آئی اسے محنت آب و گل
 عناصر کے پھندوں سے بیزار بھی
 مگر ہر کسی میں بے چلوں بے نظیر
 اسی نے تراشا ہے یہ سومات
 کہ تو میں نہیں، اور میں تو نہیں

۲۵۲
 بال جبریل
 ۱۲۹

من و تو سے ہے انجمنِ فاسدیں
 مگر عینِ محسنِ نسل میں خلوتِ نشیں
 چمک اس کی بجلی میں تارے ہیں
 یہ چاندی میں سونے میں پارے ہیں
 اسی کے سپاہاں اسی کے بیول
 اسی کے ہیں کانٹے، اسی کے ہیں ٹھول
 کہیں اس کی طاقت کے گہسار چور
 کہیں اس کے پھندے ہیں بے بریل و حور
 کہیں بسترِ شاہین سیابِ بند
 لہو سے چکوروں کے آلودہ چنک

کہو تر کہیں اشیانے سے دور

پھڑکتا ہوا حبال میں ناصبہ

فریضے سے سکون و ثبات
 تڑپتے ہیں ہر ذرۃ کائنات
 ٹھہرتا نہیں کاروانِ وجود
 کہ ہر لحظہ ہے تازہ شانِ وجود
 سمجھتا ہے ثوراز سے زندگی
 فقط ذوقِ پرواز سے زندگی
 بہت اس نے دیکھے ہیں پست و بلند
 سفرِ زندگی کے لیے برک و ساند
 الجھ کر سنبھلنے میں لذت اسے
 سفر ہے حقیقت، سفر ہے محبان
 تڑپنے پھڑکنے میں راحت اسے
 نہوا جب اسے سامنا موت کا
 کٹھن تھا بڑا تھا مناموت کا

۲۵۴
 بالِ جبریل
 ۱۳۰

اتر کر جس ان مکافات میں
 مذاق دوئی سے بنی زوج زوج
 گل اس شاخ سے ٹٹتے بھی ہے
 سمجھتے ہیں ناواں اسے بے ثبات
 بڑھی سینہ جولان بڑھی زود رس
 ازل سے ابد تک ہم یک نفس
 اٹھی دشت و کھسار سے فوج فوج
 اسی شاخ سے ٹھوٹتے بھی رہے
 ابھرتا ہے مٹ مٹ کے نقش حیات
 ازل سے ابد تک ہم یک نفس

زمانہ کہ زنجیرِ ایام ہے

دُموں کے اُلٹ پھیر کا نام ہے

یہ موجِ نفس کیا ہے تلوار ہے
 خودی کیا ہے راز و رُوبن حیات
 خودی جلوہ بدست و خلوت پسند
 اندھیرے اُجالے میں ہے تابناک
 ازل اس کے پیچھے ابد سونے
 زمانے کے دریا میں بہتی ہوتی
 تجسس کی راہیں بدلتی ہوتی
 خودی کیا ہے، تلوار کی دھار ہے
 خودی کیا ہے، بیداری کائنات
 سمندر ہے ال بوند پانی میں بند
 من و تو میں پیدا، من و تو سے پاک
 نہ حد اس کے پیچھے نہ حد سونے
 ستم اس کی موجوں کے سہتی ہوتی
 دوا دم نکا ہیں بدلتی ہوتی

سبک اس کے ہاتھوں میں سنب لگا کر
 سفر اس کا انجام آفتاز ہے
 کمرن چاند میں ہے شرر سنب میں
 اسے واسطہ کیا کم و بیش سے
 پہاڑ اس کی ضربوں سے ریک رو
 یہی اس کی تقویم کا راز ہے
 یہ بے رنگ ہے ڈوب کر رنگ میں
 نشیب و فراز و پس و پیش سے
 چوٹی خاکِ اوم میں صورت پذیر

خودی کا شہین تھے دل میں ہے
 فلک جس طرح آنکھ کے تل میں ہے

خودی کے نگہباز کو ہے زہر ناب
 وہی ناں ہے اس کے لیے ارجمند
 فروغِ نالِ محسوس سے درگزر
 وہی سجدہ ہے لائقِ اہتمام
 یہ عالم، یہ منگامہ رنگ و صوت
 یہ عالم، یہ بیتِ خانہ چشم و کوش
 خودی کی یہ ہے منزلِ اولیں
 وہ ناں جس سے جاتی رہے اس کی آب
 رہے جس سے دنیا میں کروں بلند
 خودی کو نیک رکھ، ایازمی نہ کر
 کہ پو جس سے ہر سجدہ تجھ پر حرام
 یہ عالم کہ ہے زیرِ فرمانِ موت
 جہاں زندگی ہے فقط خورد و نوش
 مسافر! یہ تیرا شہین نہیں

۲۵۶
 بالِ جبریل
 ۱۳۲

ترمی آگ اس خاک و اداں سے نہیں
 جہاں تجھ سے ہے توجہاں سے نہیں
 بڑھے جسا یہ کوہ کراں توڑ کر
 طلسم زمان و مکاں توڑ کر
 خودی شیر مولا، جہاں اس کا صید
 زمیں اس کی صید آسماں اس کا صید
 جہاں اور بھی ہیں ابھی بے نمود
 کہ حنائی نہیں ضعیف و مجرب
 ہر اک منتظ ترمیری ملینار کا
 کہ تیری شوخی فن کرو کردار کا
 یہ مقصد گردش روزگار کا
 تو ہے فاتح عالم خوب و زشت
 تجھے کیسا بتاؤں ترمی سر نوشت
 حقیقت ہے جامہ صرف تنگ
 حقیقت سے آئینہ، گفتار زندگ
 فروزاں ہے سینے میں شمع نفس
 گدازاں گفتار کہتی ہے بس!

الکریم سر نوے برتر پریم
 منورغ تجھ بتی بسوز پریم



زمانہ

جو تھا نہیں ہے جو ہے نہ ہو گا یہی ہے اک حرفِ مخرمانہ
قریب تر ہے نمود جس کی اسی کا شتاق ہے نام
ہری صراحی سے قطرہ قطرہ نئے عاوت ٹپک رہے ہیں
میں اپنی تسبیح روز و شب کا شمار کرتا ہوں دانہ دانہ
ہر ایک سے آشنا ہوں، لیکن جدا جدا رسم و راہ میری
کسی کا رال، کسی کا مرکب، کسی کو عبرت کا تازیانہ
نہ تھا کہ تو شرابِ محض، قصور میرا ہے یا کہ تیرا
ہر اظہارِ عیت نہیں کہ رطلوں کسی کی خاطر سے شبانہ
میرے حسن و پیچ کو نجومی کی آنکھ چھپاتی نہیں ہے
ہدف سے بیگانہ تیرا جس کا نظر نہیں جس کی عارفانہ

۲۵۸

بالِ جبریل

۱۳۴

شفق نہیں سببی افق پر یہ جھٹکتے جھٹکتے جھٹکتے جھٹکتے
 طلوع منور کا منتظر رہ کہ دوشن و اموز سے فنا
 وہ سنگرستان جس نے غمراں کیا ہے فطرت کی طاقتوں کو
 اسی کی بیستاب بکلیوں سے خطر میں ہے اس کا آشیانہ
 جو آئیں ان کی فضائیں ان کی ہمندر ان کے جہاز ان کے
 کرہ بھنور کی کھلے تو کیونکر بھنور ہے تفتدیر کا بہانہ

جہان نو جو رہا ہے پیدا، وہ عالم پیر مر رہا ہے
 جسے منہ نئی نعمت ابروں نے بنا دیا ہے قمار خانہ
 جو ہے کوشن و تیز لکین چہرے اپنا جلا رہا ہے
 وہ مرد و رویش جس کو حق نے دیے ہیں انداز خسروا



فرشتے اوم کو جنتِ رخصت کرتے ہیں

عطا ہوتی ہے تجھے زوشب کی بیتابی
خبر نہیں کہ ٹوٹنا کی ہے یا کہ سیلابی
سنا ہے خاک سے تیری نمود ہے، لیکن
ترمی ہر شت میں ہے لو کہی ورتابی
جمال اپنا الرخواب میں بھی تو دیکھے
ہزار ہوش سے خوشتر تری شکر خواہی
کہاں بس ہے ترا لریہ سحر کا ہی
اسی سے ہے تر نخل لہن کی شاہی

ترمی تو اسے ہے پر وہ زندگی کا خمیر
کہ تیرے ساز کی فطرت نے کی ہے مرضی

روحِ ارضی اوم کا استقبال کرتی ہے

لکھول انکھ زمین دیکھ، فلک دیکھ، فضا دیکھ
مشرق سے ابھرتے سوتے سورج کو ذرا دیکھ
اس جلوہ بے پردہ کو پردوں میں چھپا دیکھ
ایامِ جدائی کے ستم دیکھ، جفا دیکھ
بے تاب نہ ہو کہ تو سیم ورجا دیکھ!

۲۶۰
بالِ جبریل
۱۳۶

ہیں تری تصرف میں بادل کھینٹائیں گیسپدِ فداک یہ خاموشیِ فضا میں
یہ کوہِ صحرا یہ سمندر یہ ہوائیں تھیں شینِ نظرِ کل تو فرشتوں کی ادا میں

اسی دنہ ایام میں آج اپنی ادا دیکھا
سبھی کا زمانہ تری آنکھوں کے اشارے دیکھیں گے تجھے دور سے کروں کے سناے
ناپید ترے بحرِ خستیل کے کنارے پہنچیں گے فلک تک ہی ہوں گے شراے
تعمیرِ خودی کر، اثرِ آہِ رسا دیکھا

خوشیدِ جہاں تاب کی ضو تیرے شہر میں آباد ہے اک تازہ جہاں تیرے ہنر میں
چمکتے نہیں بخشے ہوتے فردوسِ نظر میں جنتِ تری نہاں ہے تے خونِ جگر میں
اے پیلرِ کل کوششِ سہم کی جزا دیکھا

نالندہ ترے غم و کاہر تارا ازل سے تو جنسِ محبت کا سریدار ازل سے
تو پیرِ غم خانہ اسرار ازل سے محنت کش و خونِ ریز و لم ازار ازل سے
چراگِ تب تیر جہاں تیری ضا دیکھا



پیر و مرید

مرید پسندی

چشم بینا سے ہے جاری جوتے نون علم حاضر سے ہے دین زار و زبوں!

پیر رومی

علم را بر تن زنی مارے بود
علم را بر دل زنی یارے بود

مرید پسندی

اے امام عاشقان درویندا! یاد ہے مجھ کو ترا حرف بلند
نخک منغر و خشک تار و خشک پوست
از کج بامی آید این آواز دوست

دور حاضر مست چنگ و بے سُرور بے ثبات و بے یستین و بے حضور

۲۶۲
بال جبریل
۱۳۸

کیا خبر اس کو کہ ہے یہ راز کیا دوست کیا ہے دوست کی آواز کیا

اے یورپ با فروغ و تاب نال
نغمہ اس کو کھینچتا ہے سوتے خال

پیر رومی

بر سماع راست ہر کس چیر نیست
طعمہ ہر فرعون کے انجیر نیست

مرید ہندی

پڑھ لیے میں نے علوم شرق و غرب روح میں باقی ہے اب تک درو کر ب

پیر رومی

دست ہر نا اہل بیمار ت کند
سوتے ماوراکہ تیمار ت کند

مرید ہندی

اے بختیاری کے دل کی نشا کھول مجھ پر نکستہ حکم جہا و

پیر رومی
نقش حق را ہم بہ امر حق شکن
برز جاج دوست گنبد دوست زن

مرید ہندی

ہے نکاح اور ان مسخو غیب
خوجت کب خوشتر جو غیب

پیر رومی

ظاہر تہ کرا سپید است و نو
دست جامہ ہم سپید کرد و از نو

مرید ہندی

اہ مکتب کا جوان گرم خون! ساحر افزنگ کا صید زبوں!

پیر رومی

مرغ پر ناز ستہ چون پراں شود
طعمہ ہر کربہ و تراں شود

۲۶۲
بال جبریل
۱۲۰

مرید ہندی

تاج آویزشِ دین و وطن جو ہر جاں پر مقدم ہے بدن!

پیر رومی

قلب پہلومی زند بازرِ شب

انتظارِ روز می وارو تو سب

مرید ہندی

سیر آدم سے مجھے آگاہ کر خاک کے ذرے کو مہر و ماہ کرا

پیر رومی

ظاہر شہ را پیشہ آرزو چرخ

باطن شہ آید محیٹ ہفت چرخ

مرید ہندی

خاک تیرے نور سے روشن بھر غایتِ آدم خبر ہے یا نظر؟

پیر رومی

آدمی ویداست، باقی پوست است
ویداں باشد کہ وید دوست است

مرید ہندی

زندہ ہے مشرق تری گفتار سے اُمتیں مرتی ہیں کس آزار سے؟

پیر رومی

پیر ملاک اُمت پیشیں کہ بود
زانکہ بر جند لساں بڑند نمود

مرید ہندی

اب مسلمان میں نہیں وہ رنگ و بو
سرو کیونکر ہو گیا اس کا لہو؟

پیر رومی

تا دل صہا جب دے نامد بہ دورو
پہنچ قومے را حن دار سوانہ کردو

۲۶۶
بالِ جبریل
۱۲۲

مرید ہندی

گرچہ بے رونق ہے بازارِ وجود کون سے سوئے میں ہے مڑوں کا سوو؟

پیر رومی

زیر کی بعنروش حیرانی سخن
زیر کی ظن است حیرانی نظر

مرید ہندی

ہم نفس میرے سلاطین کے ندیم میں فقیر بے گلاہ و بے کلیم!

پیر رومی

بندہ یک مرد روشن دل شوی
بہ کہ برفرق سہر شاہاں روی

مرید ہندی

اے شریکِ سستی خاصانِ بد! میں نہیں سمجھا حدیثِ حبر و قدرا

پیر رومی

بال بازاں راسوے سلطان برد
بال زاغاں رابگورستان برد

مرید ہندی

کاروبار خسرومی یا راجہ سبھی کیا ہے آخر غایت دین نہی؟

پیر رومی

مصلحت در دین ماجنک و شکوہ
مصلحت در دین عیسیٰ غار و لوه

مرید ہندی

کس طرح قابو میں آئے اب و گل کس طرح بیدار ہوئے سینے میں دل؟

پیر رومی

بندہ باش و بر زمین زوچوں سمند
چوں جنازہ نے کہ برکردن برند

۲۶۸
بال جبریل
۱۲۲

مرید ہندی

سُتروں اور اک میں آتا نہیں کس طرح آئے قیامت کا یقین؟

پیر رومی

پس قیامت شو قیامت اب میں

دیدن ہر چیز را شرط است این

مرید ہندی

آسماں میں راہ کرتی ہے خودی صید مہر و ماہ کرتی ہے خودی

بے حضور و با فروغ و بے فراغ اپنے پنچھیروں کے ہاتھوں داغ و داغ!

پیر رومی

اں کہ ارز و صید را عشق است و بس

لیکن او کے لنگہ اندر و ام کس!

مرید ہندی

تجھ پہ روشن ہے ضمیر کائنات کس طرح محکم ہو ملت کی حیات؟

پیر رومی

وانہ باشی مرغکانت جہنم
غنچہ باشی کو دکانت برکت
وانہ پنہاں کن سراپا دام شو
غنچہ پنہاں کن سیاہ بام شو

مرید ہندی

تو یہ کہتا ہے کہ دل کی کڑواہٹ
طالب دل باشی و پیکار باشی
جو مراد دل ہے، مئے سینے میں ہے
میرا جو مرید کسے نہیں ہے

پیر رومی

تو ہمیں کوئی مراد دل نہیں ہست
دل فرار عرش باشد نے بہ پست
تو دل خود را ولے پنداشتی
مستجوے اہل دل بگداشتی!

۲۶۰
بالِ جبریل
۱۲۶

مرید ہندی

آسمانوں پر مرا منکر بند
میں زمیں پر خوار و زار و درمند
کار دنیا میں ہا جاتا ہوں میں
ٹھوکر میں اس آہ میں کھاتا ہوں میں
کیوں مرے بس کا نہیں کار زمیں
اہلہ دنیا ہے کیوں دانتے ہیں؟

پیر رومی

اس کہ برف نلال رفتارش ہو
بر زمیں رستن چہ دشوارش ہو

مرید ہندی

علم و حکمت کا ملے کیونکر سراغ
کس طرح ہاتھ آئے سوز و درد و داغ؟

پیر رومی

علم و حکمت زیاد از نان حلال
عشق و وقت آید از نان حلال

مرید ہندی

ہے زمانے کا تفت اضما انجمن اور بے خلوت نہیں سوز سخن!

پیر رومی

خلوت از اغیار بانی نے زیاد
پوستیں بہرے آمد نے بہار

مرید ہندی

ہند میں اب نور ہے باقی نہ سوز اہل دل اس دس میں ہیں تیر روز!

پیر رومی

کار مرواں روشنی و کرمی است
کار ووناں حیلہ و بے شرمی است



۲۴۲
بالِ جبریل
۱۲۸

جبریل و ابلیس

جبریل

ہمدرد و پرینے کیسا ہے چہ جان رنگ و بو؟

ابلیس

سوز و ساز و درد و داغ و جستجوے و آرزو

جبریل

چہ کھڑی انداک پر رہتی ہے تیری گفتگو

کیا نہیں ممکن کہ تیرا چاک و امن ہو فو؟

ابلیس

آہ اے جبریل! تو واقف نہیں اس آرزو سے

کہ کیا سرست مجھ کو ٹوٹ کر میرا سبُو

اب یہاں میری کوز ممکن نہیں ممکن نہیں

کس قدر خاموش ہے یہ عالم بے کلخ و کوا

جس کی نو سیدی سے ہو سوزِ دُرونِ کائنات
اُس کے حق میں تَقْنَطُوا اچھلے یا لا تَقْنَطُوا؟

جبریل

کھو دیے انکار سے تُو نے مقاماتِ بلند
چشمِ یزواں میں فرشتوں کی رہی لیا ابرو!

ابلیس

پے مری جُرأت کے مشتِ خال میں ذوقِ نو
میرے فتنے جا رہے عفتل و حسد کا تار و پو
دیکھتا ہے تُو فقط حاصل سے زخمِ خسرو
کون طوفاں کے طمانچے کھا رہا ہے، میں کہ تو؟
بخضر بھی بے دستِ پا، الیا کس بھی بے دستِ پا
میرے طوفاں میں بہیم، دریا بہ دریا، جو بہ جو
گر کبھی سنو تُو سن رہو تو پوچھ اللہ سے
قصتِ آدم کو زنجیں کر لیا کس کا لہو!

۲۷۲
بالِ جبریل
۵۰

میں کھٹکتا ہوں دل نرواں میں کانٹے کی طرح
تو فقط اٹھو، اٹھو، اٹھو!

اذان

اک رات ستاروں سے کہا نجمِ سخن نے
اوم کو بھی دیکھا ہے کسی نے کبھی بیدار؟
کہنے لگا مریخ، ادا فہم سے تفتدیر
ہے نیند ہی اس چھوٹے سے فتنے کو سزاوار
زہرہ نے کہا اور کوئی بات نہیں کیا؟
اس لڑکے کو شب کو سے کیا چم کو سزاوار؟
بولا مہ کابل کہ وہ کو کب ہے زینتی
تم شب کو نمودار ہو، وہ دن کو نمودار
واقف ہو الرلذت بیداری شب کے
اوپچی ہے پڑیے سے بھی یہ حال پر اسرار

انگوٹھ میں اس کی وہ تختی ہے کہ جس میں
 لکھو جائیں گے افلاک کے سب ثابت و ستار
 ناکاہِ فضیلت بانگِ اذان سے پڑھتی لبریز
 وہ نعرہ کہ پل جاتے جس سے دل کھسار

محبت

شہیدِ محبت نہ کا فخرِ خاوری
 محبت کی رسمیں نہ ترکی نہ تازی
 وہ کچھ اوشے ہے محبت نہیں ہے
 سکھاتی ہے جو غمِ نومی کو ایازی
 یہ جو ہر کارِ خیر مانہیں ہے
 تو ہیں علم و حکمت فقط شیشہ بازی
 نہ محتاجِ سلطان نہ مرعوبِ سلطان
 محبت ہے آزادی و بے نیازی

ہر نعمت بہتر ہے اکندری سے
 یہ آدمِ کرمی ہے وہ آئینہ سازی



ستارے کا پیغام

مجھے ڈرانہیں سکتی فضائی تاریکی مری سرشت میں ہے پائی و درخشانی
تو اے مسافرِ شبِ انوارِ چراغِ بنِ اپنا کر اپنی رات کو داغِ جگر سے نورانی

جاوید کے نام

(لندن میں اُس کے ہاتھ کا لکھا ہوا پسلا خط آنے پر)

ویارِ عشق میں اپنا سمتِ امِ پیدا کر
خدا کروں فطرتِ شناس وے تجھ کو
انٹھانہ شیشہ لہراں فرناک کے احساں
میں شاخِ تال ہوں سیریِ غزل ہے میرا
نیازِ زمانے سے صبح و شام پیدا کر
سکوتِ لالہ و گل سے کلام پیدا کر
سفالِ ہند سے یہ سنا و جام پیدا کر
مے مے سے لالہ و فنام پیدا کر

مرا طریقِ آسیری نہیں فقیری ہے

خودی نہ بیچِ عسیری میں نام پیدا کر!



فلسفہ و مذہب

یہ آفتاب کیا، یہ سپہریں سے کیا!
سمجھا نہیں سلسلِ شام و سحر کو میں
اپنے وطن میں ہوں کہ عنبرِ الٰہیہ الٰہیوں
ڈرتا ہوں دیکھ دیکھ کے اس دشت و در کو میں
کھلتا نہیں مرے سخنِ زندگی کا راز
لاؤں کہاں سے بندۂ صاحبِ نطن کو میں
حیراں ہے بوعلی کہ میں آیا کہاں سے میں
رومی یہ سوچتا ہے کہ جاؤں کہہ کر میں
”جاتا ہوں تھوڑی دُور ہر اک راہِ پرو کے ساتھ
چپاٹتا نہیں ہوں ابھی راہِ بر کو میں“



یورپ کے ایک خط

ہم جو کہ محسوس میں ساحل کے خدیوے اک بھر ترا شوب و پراسرار ہے رومی
تو بھی ہے اسی قافلہ شوق میں اقبال جس قافلہ شوق کا سالار ہے رومی
اس عصر کو بھی اُس نے کیا ہے کوئی پیغام؟
کہتے ہیں چراغِ رہا سر ہے رومی

جواب

کہنباں خورد و جو بچوں خراں اہوانہ درختن چراغواں
ہر کہ گاہ و جو خوردتسراں شود ہر کہ نور حق خوردتسراں شود

نیولین کے مزار پر

راز ہے، راز ہے تفتدیر جہان تک و تاز
جوشِ کردار سے گھل جاتے ہیں تفتدیر کے راز

جوشِ کردار سے شمشیرِ سکندر کا طلوع
 کوہِ الوند ہوا جس کی حرارت سے کداز
 جوشِ کردار سے تیمور کا سیل ہم گیر
 سیل کے سامنے کیا شے ہے نشیب اور فراز
 صفِ جنگاہ میں مردانِ حند کی تیسیر
 جوشِ کردار سے بنتی ہے حند کی آواز
 ہے مگر فرصتِ کردار نفسِ مایہ نفس
 عوضِ یکِ نفسِ قبر کی شبِ ٹمٹے و راز
 ”حاقبتِ منزلِ ماواویٰ خاموشانِ است
 حالیہ اغلغندہ و کسبِ افلاک اندازاً

مسوینی

ندرتِ فکر و عمل کیا شے ہے ذوقِ انقلاب
 ندرتِ فکر و عمل کیا شے ہے ملتِ کاشاب

نڈرت فکر و عمل سے معجز است زندگی
 نڈرت فکر و عمل سے سنگ خارہ اسل ناب
 رومتہ لکبڑے بولہ لکوں پہویا تیرا ضمیر
 اینکہ می بنیم یہ بیدار است یارب یا بہ خواب
 چشم پیران لہن میں زندگانی کا فروغ
 نوجوان تیرے ہیں سوزِ آرزو سے سینہ تاب
 یہ محنت کی حرارت، یہ تمنا، یہ نمود
 فصل گل میں پھول رہ سکتے نہیں زیرِ حجاب
 نغمہ ہائے شوق سے تیری فضا سمور ہے
 زخمہ ور کا منتظر تھا تیری فطرت کا رباب
 فیض کیس کی نظر کا ہے کرامت کس کی ہے؟
 وہ کہ ہے جس کی زندگانی شعلِ سعادت آفتاب



سوال

اک مفلس خود داریہ لہتا تھا خدا سے
نہیں کر نہیں سکتا کلمہ درویشی
لیکن یہ بتا تیری اجازت سے فرشتے
کرتے ہیں عظام و فرمایہ کو میری

پنجاب کے درہمان سے

بتا کی تری زندگی کا ہے از
ہزاروں برس سے تو خاک باز
اسی حال میں اب کئی تیری اک
سحر کی ازاں چولتی اب تو جاگ
زمین ہیں ہے لو خالیوں کی برت
نہیں اس اندھیرے میں آپ حیات
زمانے میں جھوٹا ہے اس کا بچیں
جو اپنی خودی کو پرکھتا نہیں
بتان شعوب و قبائل کو توڑ
رسوم کٹن کے سلاسل کو توڑ
یہی دین محکم یہی منتح باب
کہ دنیا میں توحید ہو بے حجاب

سجاک بدن وائے دل نشاں
کہ اس وائے واروز حاصل نشاں

ناور شاہ افغان

خضرِ حق سے حلالے کے نولوتے لالا
وہ ابرجس سے رگِ گل ہے مثلِ تارِ نفس
بہشتِ راہ میں دیکھا تو ہو گیا بیتاب

عجب مقام ہے جی چاہتا ہے جاؤں برس
صدا بہشت سے آئی کہ منتظر ہے ترا
ہرات و کابل و غزنی کا سبزہ نورس

سرشکِ دیدہ ناور بہ داغِ لالہ نشاں
چناں کہ آتشِ اورا دلفن و زنشاں!



خوشحال خاں کی وصیت

قبائل ہوں ملت کی وحدت میں گم کہ جو نام فہن انیوں کا بلند
 محبت مجھے ان جوانوں سے ہے ستاروں پہ جو ڈالتے ہیں کسند
 مغل سے کسی طرح کست نہیں قہستان کا یہ بچہ ارجمند
 کہوں تجھ سے اے ہم نشین دل کی بات وہ مدفن ہے خوشحال خاں کو پسند

اڑا کر نہ لائے جہاں باد کوہ
 مغل شہسواروں کی لڑو کسند!

تاتاری کا جواب

کہیں سجادہ عمت امہ ہرن کہیں ترسا بچوں کی چشم بے بال!

خوشحال خاں خٹک پشتو زبان کا مشہور وطن دوست شاعر تھا جس نے افغانستان کو مغلوں سے آزاد کرانے کے لیے سرحد کے افغانی قبائل کی ایک جمعیت قائم کی۔ قبائل میں صرف فریدیوں نے آخروم تک اس کا ساتھ دیا۔ اس کی قریباً ایک سو نظموں کا انگریزی ترجمہ ۱۸۶۲ء میں لندن میں شائع ہوا تھا۔

روائے دین و ملت پارہ پارہ
 قباۓ ملک و دولت چاک و چاک!
 مرا ایماں تو ہے باقی و بس کن
 نہ کھا جائے کہیں شعلے کو خاشاک!
 ہوائے شہد کی موجوں میں مہجور
 سمرقند و بخارا کی کھنڈ خاک!

بلکہ اگر خود چننا لکھنا
 بلا انہ شتری و منہ شرم

یہ ایک بل لکھی حنا کی سمرقند
 اٹھا تہمور کی تربت سے اک نور
 شفق آمیز تھی انس کی سفیدی
 صدا آئی کہ میں ہوں رُوح تہمور
 اگر محض مہجور ہیں مردان تانا
 نہیں اللہ کی تعذیر محصور
 تقاضا زندگی کا کیا یہی ہے
 کہ تورانی ہو تورانی سے مہجور؟

’خودی را سوز و تابی دیکرے وہ‘

’جہاں را انعتابے دیکرے وہ‘

* یہ شعر معلوم نہیں کس کا ہے، نصیر الدین طوسی نے غالبؔ

’شرح اشارات‘ میں اسے نقل کیا ہے

حال و مقام

دل زندہ و بیدار اگر چہ تو بتدیج
بندے کو عطا کرتے ہیں چشمِ نگران اور
احوال و مقامات پہ موقوف ہے سب کچھ
چرخِ حنہ ہے سالک کا زمان اور مسکن اور
الفاظ و معانی میں تفاوت نہیں لیکن
علا کی اذان اور، مجاہد کی اذان اور
پرواز ہے دونوں کی اسی ایک فضا میں
گرگس کا جہاں اور ہے شاہین کا جہاں اور

ابوالعلا معری

کہتے ہیں کبھی گوشت نہ کھاتا تھا معری
پھل پھول پہ کرتا تھا ہمیشہ گزر اوقات

✽ ابوالعلا معری، عربی زبان کا مشہور شاعر

۲۸۶
بالِ جبریل
۱۶۲

اک دوست نے ٹھوننا چھو ایترا سے بھیا
 شاید کہ وہ شاطر اسی ترکیب سے چومات
 یہ خوان ترو تازہ معترسی نے جو دیکھا
 کہنے لگا وہ صاحبِ عنفران * و لزومات *
 اے مرغابِ سحر پارہ! ذرا یہ تو بتا تو
 تیرا وہ کتہہ کیا تھا یہ ہے جس کی مکافات؟
 افسوس، صد افسوس کہ شاہین نہ بنا تو
 دیکھے نہ تری آنکھ نے فطرت کے اشارات
 تقدیر کے قاضی کا یہ فتویٰ ہے ازل سے
 ہے جبرمِ ضعیفی کی سزا مرگِ مفاجات!



* عنفران — رسالۃ العفران، معترسی کی ایک مشہور کتاب کا نام ہے

* لزومات — اس کے قصائد کا مجموعہ ہے

سنیما

وہی بُت فروشی، وہی بُت کرمی ہے
سنیما ہے یا صنعتِ آزری ہے
وہ صنعت نہ تھی، شیوہ کافر می تھا
صنعت نہیں، شیوہ ساحری ہے
وہ مذہب تھا اقوامِ عہدِ کائن کا
یہ مذہب حاضر کی سودا کرمی ہے

وہ دُنیا کی مٹی، یہ دُنخ کی مٹی
وہ بُت خانہ خالی، یہ خاکسری ہے

پنجاب کے پیر زادوں سے

حاضر ہو امیں شیخ مجتہد کی لحد پر
وہ حال کہ ہے زیرِ فلکِ مطلعِ انوار
اس خاک کے دُڑوں سے ہیں شرمندہ ستارے
اس خاک میں پوشیدہ ہے وہ صاحبِ اسرار
گردن نہ جھکی جس کی جہانگیر کے لے
جس کے نفسِ کرم سے ہے کرمی اصرار

وہ پسند میں سرمایہ بخت کا نگہباز
 اللہ نے بروقت کیا جس کو خبردار
 کی عرض یہ میں نے کہ عطا فرما ہو مجھ کو
 آنکھیں مری بسینا ہیں، لیکن نہیں بیدار
 اتنی یہ صد اسلہ فقر ہوا بند
 ہیں اہل نطنز، کشور پنجاب سے بیزار
 عارف کا ٹھکانا نہیں وہ خطہ کہ جس میں
 پیدا کئے فقر سے ہو طرہ دستار

باقی کلمہ فقر سے مہتا و لولہ حق
 طوروں نے چڑھایا نشتر خدمت سرکار

سیاست

اس کھیل میں تعین ہر تیبے ضروری
 شاطر کی عنایت سے تو فرزین میں سیاہ
 بیچارہ سیاہ تو ہے اک فہرہ نامہ پینز
 فرزین سے بھی پوشیدہ ہے شاطر کا ارادہ

فقر

اک فقر سلکھاتا ہے صر سیا و کو پنخیری
اک فقر سے کھلتے ہیں اسرار جہاں لیری
اک فقر سے قوموں میں سکینی و لکیری
اک فقر سے مٹی میں خاصیت اکیری
اک فقر ہے شہیری اس فقر میں ہے میری
میراث مسلمانانہ ہا یہ شہیری!

خودی

خودی نہ دے سیم و زر کے عوض نہیں شعلہ دیتے شرک کے عوض
یہ کہتا ہے منہ دوسری دیدوار عجم جس کے سرے سے روشن بھر

”زبہر درم مند و بد خوب باش
تو باید کہ باشی درم کو مباحش“

جُدائی

سُورج نُبْت ہے تارِ زر سے دُنیا کے لیے رِوایتِ نوری
عالم ہے جُموشِ مست کو یا ہر شے کو نصیب ہے حضورِ
دِریا، لُہار، چاند، تارے کیا جانیں فِراق و نا صہوری

شایاں ہے مجھے عنمِ جُدائی
یہ ناک ہے محرمِ جُدائی

خانقاہ

رمز و ایسا اس زمانے کے لیے مژوں نہیں
اور آتا بھی نہیں مجھ کو سخنِ سازی کا فن
مُقم باذن اللہ کہہ سکتے تھے جو رخصت ہوتے
خانقاہوں میں محب اور رہ گئے یا کورکن!



ابلیس کی عرضداشت

کہتا تھا عزرا زیل خداوند جہاں سے
پر کالہ آتش ہوئی آدم کی کفنِ خال!
جاں لاغر و تن منسربہ و ملبوس بدن زیب
دل نزع کی حالت میں، خرد و نختہ و چالال!
ناپاک جسے کہتی تھی مشرق کی شریعت
مغرب کے فقیہوں کا یہ فتویٰ ہے کہ ہے پاک!
تجھ کو نہیں معلوم کہ حورانِ ہشتی
ویرانیِ جنت کے تصور سے ہیں غم ناک؟
جسٹور کے ابلیس ہیں اربابِ سیاست
باقی نہیں اب سیری ضرورت تہ افلال!



لہو

اگر لہو ہے بدن میں تو خوف ہے نہ ہراس
اگر لہو ہے بدن میں تو دل ہے بے وسواس
جسے بلا یہ مستاع کراں بسا، اس کو
نہ سیم و زر سے محبت ہے نہ عنیم افلاس

پرواز

کہا درخت نے اک روز مرغِ صحرا سے
بستم یہ عنیم کدہ رنگ و بو کی ہے بنیاد
خدا مجھے بھی الکر بال و پر عطا کرتا
شکفتہ اور بھی ہوتا یہ عالمِ احباب
و یا جواب اُسے خوب مرغِ صحرا نے
غضب ہے داد کو سمجھا سنا ہے تو پیدا
جہاں میں لذتِ پرواز حق نہیں اس کا
وجود جس کا نہیں جذبِ خاک سے آزاد

۴۹۳

بالِ حبریل

۱۶۹

شیخ مکتبے

شیخ مکتبے کے اک عمارت گر جس کی صنعت ہے رُوح انسانی

نکتہ پذیر تیرے لیے کہہ گیا ہے حکیم و تسانی

”پیش خورشید برکش یوا“

خواہی ار صحن حنا نہ نورانی“

فلسفی

بند بال تھا، لیکن نہ تھا جور و غمور

حکیم سے محبت سے بے نصیب ہا

پھر افضاؤں میں لرس اگرچہ شاہین وار

شکار زندہ کی لذت سے بے نصیب ہا



۲۹۲

بال جبریل

۱۴۰

شاہیں

کیا میں نے اُس خالِ داس سے کنار
 بیاباں کی خلوتِ خوش آتی ہے مجھ کو
 نہ باؤبِ ساری نہ کھچیں نہ بیل
 خیابانیوں سے ہے پر پیرِ لازم
 ہوئے بیاباں سے ہوتی ہے کاری
 حمام و کبوتر کا بھوکا نہیں میں
 چھٹنا، پلٹنا، پلٹ کر چھٹنا
 یہ پورب یہ پچھم جلووں کی دنیا
 جہاں رُزق کا نام ہے اسب و آن
 ازل سے ہے فطرتِ مری رہبنا
 نہ بہا رہی نغمہ شمع تانہ
 ادائیں ہیں ان کی بہت دسبر
 جواں مرد کی ضربتِ عنایا
 کہ ہے زندگی باز کی زاہدانہ
 لہو گرم رکھنے کا ہے اک بہانہ
 مرا نیگلوں آسماں بیکرا

پرندوں کی دنیا کا درویش ہوں میں
 کہ شاہیں بنانا نہیں اشیانہ



باغی مُرید

ہم کو تو میسٹر نہیں مٹی کا دیا بھی
گھر پیر کا بجلی کے چراغوں سے ہے روشن
شہری ہو، دہاتی ہو، مسلمان ہے سادہ
مانڈبٹیاں چمکتے ہیں کعبے کے برہمن
نذرانہ نہیں، سووے پیرانِ حرم کا
ہر حرفتہ سالو س کے اندر ہے مہاجن
میراث میں آئی ہے انھیں سند ارثا
زاغوں کے تصرف میں عتابوں کے نشمن!

ہارون لی آخری نصیحت

ہارون نے کہا وقتِ رحیل اپنے پسر سے
جاتے گا کبھی تو بھی اسی راہ کزر سے

پوشیدہ ہے کافر کی نظر سے ملک الموت
لیکن نہیں پوشیدہ مسلمان کی نظر سے

ماہر نفسیات سے

جرات ہے تو افکار کی دنیا سے لزر جا
ہیں محسوس خودی میں ابھی پوشیدہ جزیرے
کھلتے نہیں اس قلزم خاموش کے سرا
جب تک تو اسے ضربِ کلیمی سے نہ چیرے

یورپ

تاک میں بیٹھے ہیں مدت سے یہودی سُود خوا
جن کی روباہی کے آگے ہیج ہے زور پلنگ
خود بخود کرنے کو پتے پتے پھل کی طرح
دیکھیے پڑتا ہے اس گرس کی جھولی میں فرنگ!

(ماخوذ از نطشہ)

آزادی افکار

جو دُورنی فطرت سے نہیں لائق پرواز
اُس مُرخاب بیچارہ کا انجم سے افتاد
ہر سینہ نشین نہیں جس بیل امین کا
ہر فنک نہیں طائر فردوس کا صیاد
اُس قوم میں ہے شوخی اندیشہ خطرناک
جس قوم کے اندر اچوں ہر بے کد آزاد
گوئی کہ خدا داد سے روشن ہے زمانہ
آزادی انکار ہے ابیس کی ایجاد

شیر اور چتر

شیر
ساکنانِ دشت و صحرا میں ہے تو سب سے لاک
کون ہیں تیرے اُب و جد کس قبیلے سے ہے تو؟

خچر

میرے ماموں کو نہیں پہچانتے شاید حضور
وہ صبارِ فتار، شاہِ صطبل کی ابرو!

(ماخوذ از جبرین)

چیونٹی اور عقاب

چیونٹی

نہیں پاتم سال و خوار و پریشان درو مند
تیرا مستام کیوں ہے ستاروں سے بھی بلند؟

عقاب

تُو رزق اپنا ڈھونڈتی ہے خاکِ اہ میں
نہیں نہ سپر کو نہیں لاتا نگاہ میں!

قطعہ

فطرت مری مانندِ سیمِ سحری ہے
رقار ہے میری کبھی آہستہ کبھی تیز
پہناتا ہوں اس کی قبلا لالہ و گل کو
کرتا ہوں سحرِ سار کو سوزن کی طرح تیز

قطعہ

گل اپنے مُردوں سے کہا پیرِ مغان نے
قیمت میں یہ معنی ہو رہا ہے سے چند
زہرِ اس کے اس قوم کے حق میں ہے افروغ
جس قوم کے بچے نہیں خود دار و بے بند



ضربِ کلیم

یعنی

اعلانِ جنگ، دورِ حاضر کے خلاف

اقبال

۵۰۱
ضربِ کلیم

نظر کا حکم

افکار نامہ

اعلیٰ حضرت خدیجہ زانہ فریڈلین
(پیشوا)

۵۰۲
ضرب کا حکم
۲



نہیں متام کی جو کہ طبیعت آزاد
ہوئے سیرِ مثال نسیم پیدا کر
ہزار چشمہ تے رنگِ راہ سے چھوٹے
خودی میں ڈوب کے ضربِ کلیم پیدا کر



۵۰۲
ضربِ کلیم
۲

صفحة اول

ویدر آنجا که در دنیا را خالقان بر او
باز عجب با او را با او کس زنی را

~~در آنجا که در دنیا را خالقان بر او
باز عجب با او را با او کس زنی را~~

بهدان افغانی در حضرت کاروانی منع
نیز در او عجب کاروانی منع

نظر در آنجا که در دنیا را خالقان بر او
باز عجب با او را با او کس زنی را

۵۰۴
ضرب کلیم
۲



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

فہرست

* اعلیٰ حضرت نواب سر حمید اللہ خاں
فرماں روا تے بھوپال کی خدمت میں

۵۲۱/۲۱

* ناظرین سے

۵۲۲/۲۲

* تمہید

۵۲۳/۲۳

اسلام اور مسلمان

۵۲۵/۲۵

۱ صبح

۵۲۶/۲۶

۲ لا الہ الا اللہ

۵۲۷/۲۷

۳ تن بہ تفسیر

۵۲۸/۲۸

۵۰۵
ضرب کلیم

۵

۵۲۹/۲۹	معراج	۴
۵۳۰/۳۰	ایک فلسفہ زدہ سیدزاوے کے نام	۵
۵۳۱/۳۱	زمین و آسماں	۶
۵۳۲/۳۲	مسلمان کا زوال	۷
۵۳۲/۳۲	علم و عشق	۸
۵۳۲/۳۲	چہرہ و دل	۹
۵۳۲/۳۲	شکر و شکایت	۱۰
۵۳۵/۳۵	ذکر و نکر	۱۱
۵۳۶/۳۶	ملائے حسم	۱۲
۵۳۶/۳۶	تقدیر	۱۳
۵۳۶/۳۶	توحید	۱۴
۵۳۸/۳۸	علم اور دین	۱۵
۵۳۸/۳۸	ہندی مسلمان	۱۶
۵۳۹/۳۹	ازادہ شمشیر کے اعلان پر	۱۷

۵۰۶
ضرب کلیم
۶

۵۴۰/۴۰	۱۸	جماد
۵۴۱/۴۱	۱۹	قوت اور دین
۵۴۲/۴۲	۲۰	فقت و ملکیت
۵۴۳/۴۳	۲۱	اسلام
۵۴۳/۴۳	۲۲	حیاتِ ابدی
۵۴۴/۴۴	۲۳	سلطانی
۵۴۵/۴۵	۲۴	صوفی سے
۵۴۶/۴۶	۲۵	افرنان زوہ
۵۴۷/۴۷	۲۶	تصوف
۵۴۸/۴۸	۲۷	چندی اسلام
۵۴۹/۴۹	۲۸	غزل (دل مُردہ دل نہیں ہے اسے زندہ کرو بارہ)
۵۵۰/۵۰	۲۹	ہنسیا
۵۵۰/۵۰	۳۰	نساز
۵۵۱/۵۱	۳۱	وخی

۵۵۱/۵۱	شکت	۳۲
۵۵۲/۵۲	عمتیل و ول	۳۳
۵۵۲/۵۲	ستی کروار	۳۴
۵۵۳/۵۳	قبر	۳۵
۵۵۴/۵۴	فتندر کی چپان	۳۶
۵۵۵/۵۵	فانسہ	۳۷
۵۵۶/۵۶	مردان حندا	۳۸
۵۵۶/۵۶	کافر و مومن	۳۹
۵۵۷/۵۷	مہدی برحق	۴۰
۵۵۸/۵۸	مومن	۴۱
۵۵۹/۵۹	محمد علی باب	۴۲
۵۵۹/۵۹	تقدیر	۴۳
۵۶۱/۶۱	اے روحِ محمدی ﷺ	۴۴
۵۶۱/۶۱	مذہبیت اسلام	۴۵

۵۰۸
ضربِ کلیم

۸

۵۶۲/۴۲	۴۶	امامت
۵۶۳/۴۳	۴۷	ففترو راجہی
۵۶۴/۴۴	۴۸	غزل (تیری متدع حیات علم پڑھنے کا سرور)
۵۶۵/۴۵	۴۹	تسلیم و رضا
۵۶۶/۴۶	۵۰	ہنگامہ توحید
۵۶۷/۴۷	۵۱	الہام اور آزادی
۵۶۸/۴۸	۵۲	جان و تن
۵۶۸/۴۸	۵۳	لاہور و لکراچی
۵۶۹/۴۹	۵۴	نبوت
۵۷۰/۵۰	۵۵	اوم
۵۷۰/۵۰	۵۶	ملہ اور جنیوا
۵۷۱/۵۱	۵۷	ایک پیرِ حرم
۵۷۲/۵۲	۵۸	مہدی
۵۷۳/۵۳	۵۹	مرد مسلمان

۵۷۲/۷۲	پنجابی سلمان	۶۰
۵۷۵/۷۵	آزادی	۶۱
۵۷۵/۷۵	اشاعتِ اسلام فرنگستان میں	۶۲
۵۷۶/۷۶	لا و الا	۶۳
۵۷۷/۷۷	اُمراءِ عرب سے	۶۴
۵۷۷/۷۷	احکامِ الہی	۶۵
۵۷۸/۷۸	موت	۶۶
۵۷۹/۷۹	مشم باذن اللہ	۶۷
۵۸۱/۸۱	تعلیم و تربیت	
۵۸۲/۸۲	مقصود	۱
۵۸۳/۸۳	زمانہ حاضر کا انسان	۲
۵۸۳/۸۳	اقوامِ مشرق	۳
۵۸۴/۸۴	آگاہی	۴

۵۱۰
ضربِ کلیم

۱۰

۵۸۲/۸۲	۵	مصلحتیں مشرق
۵۸۵/۸۵	۶	مغربی تہذیب
۵۸۵/۸۵	۷	اسرارِ پتہ
۵۸۶/۸۶	۸	سلطان میپولی و صحبت
۵۸۷/۸۷	۹	غزل (نہ میں انجمن نہ ہندی، نہ عراقی و حجازی)
۵۸۸/۸۸	۱۰	بیسداری
۵۸۸/۸۸	۱۱	خودی کی تربیت
۵۸۹/۸۹	۱۲	آزادی و منکر
۵۸۹/۸۹	۱۳	خودی کی زندگی
۵۹۰/۹۰	۱۴	حکومت
۵۹۱/۹۱	۱۵	ہندی مکتب
۵۹۲/۹۲	۱۶	تربیت
۵۹۳/۹۳	۱۷	خوب و زشت
۵۹۳/۹۳	۱۸	مرکبِ خودی

۵۹۴/۹۴ مہمان عزیز ۱۹

۵۹۴/۹۴ عصر حاضر ۲۰

۵۹۵/۹۵ طالب علم ۲۱

۵۹۵/۹۵ آتھان ۲۲

۵۹۶/۹۶ مددگار ۲۳

۵۹۶/۹۶ حکیم نطشہ ۲۴

۵۹۶/۹۶ اساتذہ ۲۵

۵۹۸/۹۸ غزل (بے گامنزل مقصود کا اسی کو سراغ) ۲۶

۵۹۹/۹۹ دین و تعلیم ۲۷

۶۰۰/۱۰۰ جاوید سے ۲۸

عورت

۶۰۳/۱۰۳ مرد و فرنگ ۱

۶۰۳/۱۰۳ ایک سوال ۲

۶۰۳/۱۰۳

۶۰۳/۱۰۳

۵۱۲
ضرب کلیم
۱۱۲

۶۰۵/۱۰۵	۳	پرودہ
۶۰۵/۱۰۵	۴	حسوت
۶۰۶/۱۰۶	۵	عورت
۶۰۶/۱۰۶	۶	ازاد بی سواں
۶۰۶/۱۰۶	۷	عورت کی حفاظت
۶۰۸/۱۰۸	۸	عورت اور تعلیم
۶۰۹/۱۰۹	۹	عورت

ادبیات، فنون لطیفہ

۶۱۱/۱۱۱	۱	دین و ہنر
۶۱۲/۱۱۲	۲	تخلیق
۶۱۳/۱۱۳	۳	خُسنوں
۶۱۴/۱۱۴	۴	اپنے شہر سے
۶۱۵/۱۱۵	۵	پیرس کی مسجد

۵۱۳
ضربہ کلیم
۱۳

۶۱۵/۱۱۵	۶	ادبیات
۶۱۶/۱۱۶	۷	نگاہ
۶۱۷/۱۱۷	۸	مسجدِ نبوت الاسلام
۶۱۸/۱۱۸	۹	تیار
۶۱۹/۱۱۹	۱۰	شعاعِ اُمید
۶۲۰/۱۲۰	۱۱	اُمید
۶۲۱/۱۲۱	۱۲	نگاہِ شوق
۶۲۲/۱۲۲	۱۳	اہلِ شہرے
۶۲۳/۱۲۳	۱۴	غزل (دریا میں موتی، اے موج بے باک!)
۶۲۴/۱۲۴	۱۵	وجود
۶۲۵/۱۲۵	۱۶	سرود
۶۲۶/۱۲۶	۱۷	نسیم و شبنم
۶۲۷/۱۲۷	۱۸	اہرامِ مصر
۶۲۸/۱۲۸	۱۹	مخلوقاتِ شہ
۶۲۹/۱۲۹		

۵۱۲
ضربِ کلیم
۱۲



۶۳۰/۱۳۰

۶۳۰/۱۳۰

۶۳۱/۱۳۱

۶۳۲/۱۳۲

۶۳۳/۱۳۳

۶۳۳/۱۳۳

۶۳۴/۱۳۴

۶۳۵/۱۳۵

۶۳۵/۱۳۵

۶۳۶/۱۳۶

۶۳۶/۱۳۶

۶۳۸/۱۳۸

۶۳۸/۱۳۸

۶۳۹/۱۳۹

۶۳۹/۱۳۹

۲۰	اقبال
۲۱	فنون لطیفہ
۲۲	صبح حسن
۲۳	حناقانی
۲۴	رومی
۲۵	جدت
۲۶	مرزا بیگل
۲۷	جلال و جمال
۲۸	مصوّر
۲۹	سرود جلال
۳۰	سرود حرام
۳۱	فقارہ
۳۲	شاعر
۳۳	شعر عجب

۵۱۵
ضرب کلیم
۱۵

۶۲۰/۱۲۰	۳۲	نہرِ سرورِ ان چند
۶۲۱/۱۲۱	۳۵	مرد بزرگ
۶۲۲/۱۲۲	۳۶	عالم نو
۶۲۲/۱۲۲	۳۷	ایجابِ معانی
۶۲۳/۱۲۳	۳۸	موسیقی
۶۲۳/۱۲۳	۳۹	ذوقِ نظم
۶۲۴/۱۲۴	۴۰	شعر
۶۲۴/۱۲۴	۴۱	رقص و موسیقی
۶۲۵/۱۲۵	۴۲	ضابطہ
۶۲۵/۱۲۵	۴۳	رقص

سیاسیاتِ مشرق و مغرب

۶۲۶/۱۲۶	۱	اشتراکیت
۶۲۸/۱۲۸	۲	کارل مارکس کی آواز
۶۲۹/۱۲۹		

۵۱۶
ضربِ کلیم
۱۶

۶۴۹/۱۴۹	انتخاب	۳
۶۵۰/۱۵۰	خوشامد	۴
۶۵۰/۱۵۰	مناصب	۵
۶۵۱/۱۵۱	یورپ اور یہود	۶
۶۵۲/۱۵۲	نفسیاتِ اسلامی	۷
۶۵۳/۱۵۳	بلشویک روس	۸
۶۵۳/۱۵۳	اج اور کل	۹
۶۵۴/۱۵۴	شرق	۱۰
۶۵۴/۱۵۴	سیاستِ افغان	۱۱
۶۵۵/۱۵۵	خواجگی	۱۲
۶۵۵/۱۵۵	عسکروں کے لیے	۱۳
۶۵۶/۱۵۶	اہل مصر کے	۱۴
۶۵۷/۱۵۷	ابی سینیا	۱۵
۶۵۸/۱۵۸	ابلیس کا فرمان اپنے سیاسی فرزندوں کے نام	۱۶

۶۵۹/۱۵۹	جمعیت اقوام مشرق	۱۷
۶۶۰/۱۶۰	سلطانی جاوید	۱۸
۶۶۰/۱۶۰	جمهوریت	۱۹
۶۶۱/۱۶۱	یورپ اور سوریہ	۲۰
۶۶۱/۱۶۱	سوینی	۲۱
۶۶۳/۱۶۳	گھ	۲۲
۶۶۳/۱۶۳	انتداب	۲۳
۶۶۴/۱۶۴	لاوین سیاست	۲۴
۶۶۵/۱۶۵	وام ہندیہ	۲۵
۶۶۶/۱۶۶	نصیحت	۲۶
۶۶۷/۱۶۷	ایک نحری قزاق اور سکندر	۲۷
۶۶۸/۱۶۸	جمعیت اقوام	۲۸
۶۶۸/۱۶۸	شام و فلسطین	۲۹
۶۶۹/۱۶۹	سیاسی پیشوا	۳۰

۵۱۸
ضرب کاظم
۱۸

۶۶۹/۱۶۹	نفسیاتِ خلاصی	۳۱
۶۷۰/۱۷۰	عسلا موں لی نسا	۳۲
۶۷۱/۱۷۱	فلسطینی عرب سے	۳۳
۶۷۲/۱۷۲	شرق و مغرب	۳۴
۶۷۲/۱۷۲	نفسیاتِ عالمی	۳۵

محراب گل افغان کے افکار

۶۷۳/۱۷۳	میرے کھتاں! تجھے چھوڑ کے جاؤں کس	۱
۶۷۴/۱۷۴	حقیقتِ ازلی ہے رقابتِ اقوام	۲
۶۷۵/۱۷۵	تری دوعا سے قضیہ تو بدل نہیں سکتی	۳
۶۷۶/۱۷۶	کیا چرخِ کج رو، کیا ہسرتِ کیا ماہ	۴
۶۷۸/۱۷۸	یہ بدرِ سیل، یہ غوغا تے روارو	۵
۶۷۹/۱۷۹	جو عالمِ ایجاد میں ہے صاحبِ ایجاد	۶
۶۸۰/۱۸۰	رومی بدلے، شامی بدلے، بدلا ہندستان	۷

۶۸۱/۱۸۱	زراغ کہست ہے نہایت بد نما ہیں تیرے پر	۸
۶۸۲/۱۸۲	عشق طہینت میں نہرو مایہ نہیں مثل ہوس	۹
۶۸۳/۱۸۳	وہی جواں ہے قبیلے کی آنکھ کا تارا	۱۰
۶۸۴/۱۸۴	جس کے پر تو سے منور رہی تیری شب ووش	۱۱
۶۸۴/۱۸۴	لا دینی و لاطینی، کس پیچ میں الجھا تو!	۱۲
۶۸۵/۱۸۵	مجھ کو تو یہ دنیا نظر آتی ہے ولروں	۱۳
۶۸۶/۱۸۶	بے خبر آتشِ زندانہ چر شق ہے بے باہی	۱۴
۶۸۷/۱۸۷	ادم کا ضمیر اس کی حقیقت پہ ہے شاہ	۱۵
۶۸۷/۱۸۷	قوموں کے لیے موت ہے مرکز سے جدائی	۱۶
۶۸۸/۱۸۸	آگ اس کی چھوٹا سیتی ہے برنا و پیرلو	۱۷
۶۸۹/۱۸۹	یہ نکتہ خوب کہا شیر شاہ سُوری نے	۱۸
۶۹۰/۱۹۰	نگاہ وہ نہیں جو سرخ و زرد پہچانی	۱۹
۶۹۱/۱۹۱	فطرت کے مقاصد کی کرتا ہے نجبانی	۲۰



اعلیٰ حضرت ابو محمد اللہ خاں خانہ بہار
کی خدمت میں

زمانہ با اہم ایشیا چہ کر و گن

کسے نہ بود کہ اس داستان فرو خواند

تو صاحب نظری آنچه در سیرین است

دل تو بسند و اندیشہ تو می داند

بگمراہی ہمہ ساریہ سار از من

کہ گل بدست تو از شاخ تازہ بر ماند

ناظرین سے

جب تک نہ زندگی کے حقائق پہ چوٹ
تیرا زجاج ہونے کے کا حریف نہ
یہ زور دست و ضربتِ کاری کل سے مقام
میدانِ جنگ میں نہ طلب کرنا ہے جنگ
خونِ دل و جگر سے ہے ملتا یہ حیات
فطرت لہو ترنگ ہے عن فلانہ حل ترنگ



۵۲۲
ضربِ کلیم
۲۲

تہیہ



نہ دیر میں نہ سرم میں خودی کی بیداری
کہ خاوراں میں ہے قوموں کی رُوح تریاکی
اگر نہ سہل ہوں تجھ پر زمین کے سنگامے
بُرمی ہے سستی اندیشہ ہائے افلاکی
ترمی نجات عنہم مرگ سے نہیں ممکن
کہ تو خودی کو سمجھتا ہے سیکر خاکی
زمانہ اپنے حواشی چھپا نہیں سکتا
ترا حجاب ہے قلب و نظر کی ناپاکی

عطا ہوا حسن و خاشاکِ ایشیا مجھ کو
کہ میرے شعلے میں ہے سرکشی و بے باکی



تراگت نام ہے قبلِ محاسباتِ آرائی
اگرچہ تو ہے مثالِ زمانہ کم پیوند
جو لوگت نام کے ٹوکر تھے ان عنیوں کو
ترمی نوانے دیا ذوقِ بندہ ہاتے بلند
تڑپ سے ہیں فضا ہاتے سیکوں کے لیے
وہ پرشکستہ کہ صحنِ سر میں تھے خورند
ترمی سزا ہے نوانے سحر سے محرومی
مقامِ شوق و سرور و نطن سے محرومی

۵۲۲
ضربِ کلیم
۲۲

اسلام اور مسلمان

۵۲۵

ضرب کا لیم

۲۵

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

صُبح

یہ سحر جو کبھی فردا سے کبھی ہے امروز
نہیں معلوم کہ ہوتی ہے کہاں سے پیدا
وہ سحر جس سے لڑتا ہے شبستانِ وجود
ہوتی ہے بندۂ موسیٰ کی ازاں سے پیدا

* بھوپال (شیش محل) میں لکھے گئے

۵۲۶
ضربِ کلیم
۲۶

لا اِلهَ اِلَّا اللهُ

خودی کا سِر نہاں لا اِلهَ اِلَّا اللهُ
خودی ہے تیغ، فساں لا اِلهَ اِلَّا اللهُ
یہ دُور اپنے براہِ سیم کی تلاش میں ہے
صنم کدہ ہے جہاں، لا اِلهَ اِلَّا اللهُ
رکھیا ہے تُو نے متاعِ عنبرور کا سودا
فریبِ سُود و زبیاں، لا اِلهَ اِلَّا اللهُ
یہ مال و دولتِ دنیا، یہ رشتہ و پیوند
بُتانِ وہم و گمباز، لا اِلهَ اِلَّا اللهُ
خرد ہوتی ہے زمان و مکاں کی زُناری
نہ ہے زماں نہ مکاں، لا اِلهَ اِلَّا اللهُ

یہ نغمہ فصلِ گل و لالہ کا نہیں پاسبند
 بہار ہو کہ خیزاں، لا الہ الا اللہ
 اگرچہ بُت ہیں جماعت کی استینوں میں
 مجھے ہے حکمِ اذان، لا الہ الا اللہ

تن بہ تقدیر

اسی قرآن میں ہے اب ترکِ جہاں کی تسلیم
 جس نے مومن کو بنایا مسد و پرویں کا ایسر
 تن بہ تقدیر ہے آج اُن کے عمل کا انداز
 تھی نہاں جن کے ارادوں میں خدا کی تقدیر
 تھا جو تا خوب بتدیج وہی خوب نہوا
 کہ غلامی میں بدل جاتا ہے قوموں کا ایسر



۵۲۸

ضربِ کلیم

۲۸

معراج

وے ولولہ شوق جسے لذت پرواز
کر سکتا ہے وہ ذرہ مرہو سر کو تاراج
مشکل نہیں یارانِ چمن بہ کرباز
پسوز اگر چہ نفسِ سیدِ معراج
ناوک سے سلمانِ ہدف اس کا شہ پتلا
ہے سرِ سرِ پر وہ جان نکلتے معراج
تو معنی و التخبم نہ سمجھا تو عجب کیا
تے تیرا ند و جزرا بھی چاند کا محتاج



ایک فلسفہ زدہ سید اوس کے نام

تو اپنی خودی اگر نہ کھوتا
 تو اپنی خودی اگر نہ کھوتا
 ہسٹل کا صدف گہرے خالی
 ہسٹل کا صدف گہرے خالی
 محکم کیسے ہو زندگانی
 محکم کیسے ہو زندگانی
 آدم کو ثبات کی طلب ہے
 آدم کو ثبات کی طلب ہے
 دنیا کی عشا چوبیس اشراق
 دنیا کی عشا چوبیس اشراق
 میں اصل کا خاص سوماتی
 میں اصل کا خاص سوماتی
 تو سید ہاشمی کی اولاد
 تو سید ہاشمی کی اولاد
 نے فلسفہ میرے آگے کل میں
 نے فلسفہ میرے آگے کل میں
 اقبال اگرچہ بے ہنر ہے
 اقبال اگرچہ بے ہنر ہے
 شعلہ ہے ترے جنوں کا بے سوز
 شعلہ ہے ترے جنوں کا بے سوز
 انجام خسرو ہے بے حضور
 انجام خسرو ہے بے حضور
 افکار کے نغمہ ہائے بے صوت
 افکار کے نغمہ ہائے بے صوت

زنتاری برکساں نہ ہوتا
 زنتاری برکساں نہ ہوتا
 ہے اس کا طلسم سب خیالی
 ہے اس کا طلسم سب خیالی
 کس طرح خودی چو لازمانی
 کس طرح خودی چو لازمانی
 دستور حیات کی طلب ہے
 دستور حیات کی طلب ہے
 مومن کی اواں بیدائے آفاق
 مومن کی اواں بیدائے آفاق
 اب امرے لاتی و سناتی
 اب امرے لاتی و سناتی
 میری کفن خاک برہمن زو
 میری کفن خاک برہمن زو
 پوشیدہ سے ریشہ ہائے دل میں
 پوشیدہ سے ریشہ ہائے دل میں
 اس کی رل رل سے باخبر ہے
 اس کی رل رل سے باخبر ہے
 سن مجھ سے نیکتہ دل افزو
 سن مجھ سے نیکتہ دل افزو
 ہے فلسفہ زندگی سے فوری
 ہے فلسفہ زندگی سے فوری
 ہیں فوق عمل کے واسطے موت
 ہیں فوق عمل کے واسطے موت

۵۳۰

ضرب کاہم

۲۰

دیں مسکاب زندگی کی تقویم دین سیر محمد و براء سیم
 دل و سخن مستدی بند اے پور عشق زبوعلی چند

چوں ویدہ راہ ہیں نداری
 قاید تشری بہ از بخاری

زمین و آسماں

ممکن ہے کہ توجس کو سمجھتا ہے بہاراں
 اوروں کی نگاہوں میں وہ موسم ہونخراں کا
 ہے سلسلہ احوال کا ہر لحظہ سر و لہروں
 اے سالک رہ بانگ نہ کر سو ووزیاں کا
 شاید کہ زمیں ہے یہ کسی اور جہاں کی
 توجس کو سمجھتا ہے فلک اپنے جہاں کا!

* فارسی اشعار حکیم خاٹانی کی 'شحفۃ العراقرین' سے ہیں

مسلمان کا زوال

اگرچہ زر بھی جہاں میں ہے قاضی الحاجات
جو فقر سے ہے میسر، تو نگری سے نہیں
اگر جواں ہوں مری قوم کے جنور و غنیور
قلندری مری کچھ کم سکندری سے نہیں
سبب کچھ اور ہے، تو جس کو خود سمجھتا ہے
زوال بندۂ مومن کا بے زری سے نہیں
اگر جہاں میں مرا جوہر آتش کار ہوا
قلندری سے ہوا ہے، تو نگری سے نہیں

علم و عشق

علم نے مجھ سے کہا عشق ہے دیوانہ پن
عشق نے مجھ سے کہا علم ہے تخمین وطن

۵۳۲

ضربِ کلیم

۳۲

بندۂ نغمین وطن! کرم کتابی نہ بن
عشق سراپا حضور، علم سراپا حجاب!

عشق کی کرمی سے ہے مکر کہ کائنات
علم مستام صفات، عشق تماشائے فوات
عشق سکون و ثبات، عشق حیات و ممات

علم سے پیدا سوال، عشق سے پہاں جواب!
عشق کے ہیں معجزات سلطنت و فقر و دین
عشق کے ادنیٰ عن سلام صاحب تاج و نگیں
عشق مکان و مکین، عشق زمان و زمیں
عشق سراپا یقین، اور یقین مستحجاب!

شرع محبت میں ہے عشرت منزل حرام
شورشِ طوفاں حلال، لذتِ ساحل حرام
عشق پہ سبلی حلال، عشق پہ حاصل حرام
علم ہے ابن الکتاب، عشق ہے اُم الکتاب!

اجتہاد

ہند میں حکمت دین کوئی کہاں سے سیکھے
نہ کہیں لذت کروار، نہ افکار عمیق
علقہ شوق میں وہ جرات اندیشہ کہاں
اے محکومی وقت لید و زوال تحقیق!
خود بدلتے نہیں قرآن کو بدل دیتے ہیں
چوتے کس درجہ فقہان حرم بے توفیق!
ان علاموں کا یہ سلک ہے کہ ناقص ہے کتاب
کہ کھاتی نہیں مومن کو غلامی کے طریق!

شکر و شکریت

میں بندہ نادان ہوں مگر شکر ہے تیرا
رکھتا ہوں نہاں خانہ لاہوت سے پیوند

۵۳۲

ضرب کلیم

۳۲

اک دلولہ تازہ دیا میں نے دلوں کو
 لاہور سے تا خاکِ بخارا و سمرقند
 تاثیر ہے یہ میرے نفس کی کہ خزاں میں
 مرخانِ حسنِ خواں مری صحبت میں ہیں خورسند
 لیکن مجھے پیدا کیا اُس دس میں تو نے
 جس دس کے بندے ہیں عنِ سلامی یہ ضامنڈ!

ذکر و نکر

یہ ہیں سب ایک ہی سالک کی جستجو کے مقام
 وہ جس کی شان میں آیا ہے عظمِ الاسماء
 مقامِ ذکر، کمالاتِ رومی و عطار
 مقامِ فکر، مقالاتِ بوعلی سینا
 مقامِ فکر ہے پیمائشِ زمان و مکان
 مقامِ ذکر ہے سبحان ربی الاعلیٰ

ملائے حرم

عجب نہیں کہ خدا تک تری رسالتی ہو
ترمی نہ کہ سے ہے پوشیدہ آدمی کا مقام
ترمی نماز میں باقی جلال ہے، نہ جمال
ترمی اداں میں نہیں ہے مری خسرو پیام

تقدیر

نا اہل کو حاصل ہے کبھی قوت و جبروت
مے خوار زمانے میں کبھی جو ہر ذاتی
شاید کوئی منطق ہو نہاں اس کے عمل میں
تقدیر نہیں تابع منطق و نطق
ہاں، ایک حقیقت ہے کہ معلوم ہے سب کو
تاریخ اعم جس کو نہیں ہم سے چھپاتی

۵۳۶

ضرب کلیم

۳۶

مہر لفظ ہے قوموں کے عمل پر نظر اس کی
بڑاں صفت تیغ دوپیکر نظر اس کی!

توحید

زندہ قوت تھی جہاں میں ہی توحید کبھی
آج کیا ہے، فقط الٰہ ستلہ علم کلام
روشن اس ضو سے الرظمت کروار نہ جو
خود سماں سے ہے پوشیدہ سماں کا مقام
میں نے اے میر سپہ تیری سپہ دیکھی ہے
نقل ہوا اللہ کی شمشیر سے خالی ہیں نیام
آہ! اس از سے اقب ہے نہ ملا، فقط یہ
وحدت افکار کی بے وحدت کو ہے خام
قوم کیا چیز ہے قوموں کی امامت کیا ہے
اس کو کیا سمجھیں یہ بیچارے دور کھتے امام!

علم اور دین

وہ علم اپنے بتوں کا ہے آپ ابراہیم
کیا ہے جس کو خدا نے دل نطق کا ندیم
زمانہ ایک حیات ایک کائنات بھی ایک
دلیل کم نطق سری قصہ جدید و قدیم
چمن میں تربیت غنچہ چو نہیں سکتی
نہیں ہے قطرہ شبنم اگر شرابِ نسیم
وہ علم کم بصری جس میں ہمکنار نہیں
تجلیاتِ کلیم و مشاہداتِ حکیم!

ہندی مسلمان

خدا و وطن اس کو بتاتے ہیں برہمن
انگریز سمجھتا ہے مسلمان کو کداکر

پنجاب کے اربابِ نبوت کی شریعت
 کہتی ہے کہ یہ مومنین پارہیں ہے کافر
 آوازہ حق اٹھاتا ہے کب اور کدھر سے
 مسکین و لکم ماندہ وریں شکمش اندر

ازادہ شمشیر کے اعلان پر

سوچا بھی ہے اسے مردِ مسلمان کبھی تو نے
 کیا چیز ہے فولاد کی شمشیر حکمروار
 اُس بیت کا یہ مصرعِ اول ہے کہ جس میں
 پوشیدہ چلے آتے ہیں توحید کے اسرار
 ہے فنِ کرب مجھے مصرعِ ثانی کی زیادہ
 اللہ کرے تجھ کو عطا فقر کی تلوار
 قبضے میں یہ تلوار بھی آجاتے تو مومن
 یا حن اللہ جاننا ہے یا حشر کتر

جہاد

فتویٰ ہے شیخ کا یہ زمانہ مسلم کلمے
دُنیا میں اب رہی نہیں تلوار کارگر
لیکن جناب شیخ کو معلوم کیا نہیں؟
مسجد میں اب یہ وعظ ہے بے سو و بے اثر
شیخ و تفنگ دستِ مسلمان میں ہے کہاں
یورپ بھی تو دل میں موت کی لذت سے بے خبر
کافر کی موت سے بھی لڑتا ہو جس کا دل
کہتا ہے کون اُسے کہ مسلمان کی موت مر
تعلیم اُس کو چاہیے ترکِ جہاد کی
دُنیا کو جس کے پنجہ خونیں سے ہو خطر
باطل کے فال و فر کی حفاظت کے واسطے
یورپ زرہ میں ڈوب گیا دوشن تا کر

۵۲۰
ضربِ کلیم
۲۰

ہم پوچھتے ہیں شیخ کلیم نواز سے
 مشرق میں جنگ شر سے تو مغرب میں بھی ہے
 حق سے اگر غرض ہے تو زیبا ہے کیا یہ بات
 اسلام کا محاسبہ یورپ سے درگزر!

قوت اور دین

اسکندر و چنگیز کے ہاتھوں سے جہاں میں
 سو بار ہوتی حضرت انساں کی قبا چاک
 تاریخ اہم کا یہ پیام ازلی سے
 صاحب نظران! نشہ قوت سے خطرناک
 اس سیل سب سیر و زمین کیسے لے سکے
 عقل و نظر و علم وہ نہیں جس خاشاک
 لاویں جو تو ہے زہر ہلاہل سے بھی بڑھ کر
 جو دین کی حفاظت میں تو ہر زہر کا تریاک

فقر و ملوکیت

فقر جنگاہ میں بے ساز و یراق آتا ہے
ضرب کاری ہے اگر سینے میں ہے قلب سلیم
اس کی بڑھتی ہوتی بے بالی و بے تابی سے
مازہ ہر عہد میں ہے قصہ فرعون و کلیم
اب ترا دور بھی آنے کو ہے افسانہ غیب
لکھاتی زور و سنرنگی کو ہوائے زور و نسیم
عشق و ہستی نے کیا ضبطِ نفس مجھ پر حرام
کہ لکہہ غنچے کی کھلتی نہیں بے موج نسیم



۵۲۲
ضربِ کلیم
۲۲

اسلام

روح اسلام کی ہے نورِ خودی، نارِ خودی
زندگانی کے لیے نارِ خودی نور و حضور
یہی چرچہ سب کی تقویم، یہی اصل نمود
گرچہ اس روح کو فطرت نے رکھا ہے مستور
لفظِ اسلام سے یورپ کو البرکد ہے تو خیر
دوسرا نام اسی دین کا ہے 'فست' غمخیز!

حیاتِ ابدی

زندگانی سے صدفِ قطرہ نسیاں ہے خودی
وہ صدف لیا کہ جو قطرے کو لہر کر نہ سکے
ہو اگر خود بگر و خود کر و خود کسیر خودی
یہ بھی ممکن ہے کہ تو موت سے بھی مر نہ سکے

سُلطانی

کئے خیر کہ ہزاروں مستام رکھتا ہے
وہ فخر جس میں ہے بے پردہ روح قرآنی
خود می کو جب نطن سرائی ہے قاہری اپنی
یہی مستام ہے کہتے ہیں جس کو سلطان
یہی مستام ہے مومن کی قوتوں کا عیا
اسی مستام سے آدم ہے نطل سبحانی
چیر و قمر نہیں ہے یہ عشق وستی ہے
کہ جب روقمر سے ممکن نہیں جہاں بانی
لیا کیا ہے عنلامی میں بستلا تجھ کو
کہ تجھ سے ہونہ سکی فخر کی نگہبانی

* ریاض منزل (دولت کدہ سر اس مسعود) بھوپال میں لکھے گئے

۵۲۲
ضرب کاہم
۲۲

مشال ماہ چمکتا تھا جس کا داغ سجود
 خرید لی ہے منہ رنگی نے وہ سلمانی
 ہوا حرفین مر و آفتاب تو جس سے
 رہی نہ تیرے ستاروں میں وہ درخشانی

صوفی سے

تری نگاہ میں ہے معجزات کی دنیا
 مری نگاہ میں ہے حادثات کی دنیا
 تختیلات کی دنیا غریب ہے لیکن
 غریب تر ہے حیات و ممات کی دنیا
 عجب نہیں کہ بدل دے اسے نگاہ تری
 بنا رہی ہے تجھے ممکنات کی دنیا



آفرینا زوہ



ترا وجود سراپا تحسینی انسرنگ
کہ تو وہاں کے عمارت کروں کی ہے تعمیر
مگر یہ پیکر خالی خودی سے ہے حسالی
فقط پیام ہے تو، زرنکار و بے شمشیر!



ترمی نگاہ میں ثابت نہیں خدا کا وجود
میری نگاہ میں ثابت نہیں وجود ترا
وجود کیا ہے، فقط جوہر خودی کی نمود
کہ اپنی منکر کہ جوہر ہے بے نمود ترا

۵۲۶
ضرب کلیم
۲۶

تصوف*

یہ حکمت ملکوتی، عیر علم لائوتی
 حرم کے درو کا درماں نہیں تو کچھ بھی نہیں
 یہ ذکر نیم شبی، یہ مراقبے، یہ سرور
 تری خودی کے نگہباں نہیں تو کچھ بھی نہیں
 یہ عتسل جو مرہ و پرویں کا کھیلتی ہے شکار
 شریک شورشیں پنہاں نہیں تو کچھ بھی نہیں
 خرد نے کہہ بھی دیا لالہ تو کیا حاصل
 دل و نگاہ مسلمان نہیں تو کچھ بھی نہیں
 عجب نہیں کہ پریشاں ہے گفتگو میری
 فروغ صبح پریشاں نہیں تو کچھ بھی نہیں

* ریاض منزل (دولت کدہ سر اس مسعود) بھوپال میں لکھے گئے

۵۲۶

ضرب کلیم

۲۷

پہندی اسلام

ہے زندہ فقط وحدت افکار سے ملت
وحدت ہونا جس سے وہ الہام بھی الحاد
وحدت کی حفاظت نہیں بے قوت بازو
اسی نہیں کچھ کام یہاں عقل خدا
اے مرد خدا! تجھ کو وہ قوت نہیں حاصل
جا بیٹھ کسی عنار میں اللہ کو زیاد
سکینی و محکومی و نویسی جاؤ
جس کا یہ تصوف ہو وہ اسلام کر ایجاد
ملا کو جو ہے ہندی میں سجدے کی اجازت
ناداں سمجھتا ہے کہ اسلام ہے آزاد



۵۲۸

ضرب کلیم

۲۸

غزل

دل مردہ دل نہیں ہے، اسے زندہ کر دو بارہ
کہ یہی ہے اُمتوں کے مرضِ کهن کا چارہ
ترا بھر نرسکوں ہے، یہ سکوں ہے یا فسوں ہے؟
نہ نہنگ ہے نہ طوفان، نہ خرابی کنارہ!
تو ضمیرِ آسماں سے ابھی آشنا نہیں ہے
نہیں بے فتور کرتا تجھے عمرہ ستارہ
ترے نیستاں میں ڈالا مرے نغمہ بھرنے
مری خال پے پیر میں جو نہاں تھا اک شرارہ
نظر آئے گا اسی کو یہ جہانِ دوش و فردا
جسے آگئی میسر مری شوخیِ نطنارہ



دنیا

مجھ کو بھی نظر آتی ہے یہ بوقلمونی
وہ چاند، یہ تارا ہے، وہ پتھر، یہ نکلیں ہے
دیتی ہے مری چشم بصیرت بھی یہ فتویٰ
وہ کوہ، یہ دریا ہے، وہ لہروں، یہ زمیں ہے
حق بات کو لیکن میں چھپا کر نہیں رکھتا
تو ہے، تجھے جو کچھ نظر آتا ہے، نہیں ہے!

نماز

بدل کے بھیس پھر آتے ہیں ہر زمانے میں
الکرچہ پیرے آدم جو ان ہیں لات و منات
یہ ایک سجدہ ہے تو کراں سمجھتا ہے
ہزار سجدے سے دیتا ہے آدمی کو نجات!

۵۵۰
ضربِ کلیم

۵۰

وَحیٰ

عقل بے پایہ امامت کی سزاوار نہیں
راہبر ہو وطن و تہذیبیں تو زبوں کار حیات
فکر بے نور ترا، جذبِ عمل بے بنیاد
سخت مشکل سے کہ روشن ہو شبِ تاری حیات
خوب و ناخوب عمل کی ہو کرہ و اکیونکر
گر حیات آپ نہ ہو شارح اسرار حیات!

شکست

مجاہدانہ حرارت رہی نہ صوفی میں
بہانہ بے عملی کا بنی شراب است

* ریاض منزل (دولت کدہ سر اس سعود) بھوپال میں لکھے گئے

فقیر شہر بھی زمینیت پہ ہے مجبور
 کہ معرکے ہیں شریعت کے جناب دست بدست
 کریم بکش مکش زندگی سے، مردوں کی
 اگر شکست نہیں ہے تو اور کیا ہے شکست!

عقل و دل

ہر خاکی و نوری پہ حکومت ہے خرد کی
 باہر نہیں کچھ عقل حسد او کی زور سے
 عالم ہے عن سلام اس کے جلال ازل کا
 ال دل ہے کہ ہر لحظہ ابھتا ہے خرد سے

مستی کردار

صوفی کی طریقت میں فقط مستی احوال
 ملا کی شریعت میں فقط مستی کفار

۵۵۲

ضرب کلیم

۵۲

شاعر کی نوا مُروہ و افسردہ و بے ذوق
 افکار میں سرست نہ خوابیدہ نہ بیدار
 وہ مردِ مجاہدِ نطنس را تا نہیں مجھ کو
 ہو جس کے رک و پے میں فقط سستی کروا

قبر

مرد کا شبستاں بھی اُسے کس نہ آیا
 آرام تلندر کو تہِ خاک نہیں ہے
 خاموشی افسانہ تو ہے قبر میں لیکن
 بے قیدی و پہنائی افلاک نہیں ہے



قلندر کی پہچان

کہتا ہے زمانے سے یہ درویش جواں مرد
جاتا ہے جدھر بندہ حق، تو بھی اُدھر جا
ہنکامے ہیں میرے تری طاقت سے زیادہ
پختا ہوا ہنکاہت قلندر سے کوزر جا
میں کشتی و ملاح کا محتاج نہ ہوں گا
چڑھتا ہوا دریا ہے اگر تو تو اتر جا
توڑا نہیں جاؤ و مری تکبیر نے تیرا؟
ہے تجھ میں ٹمکر جانے کی جرات تو ٹمکر جا

مہر و مہ و انجم کا محاسب ہے قلندر
ایام کا مرکب نہیں، راکب ہے قلندر



۵۵۲

ضرب کلیم

۵۲

فلسفہ

افکارِ جوانوں کے خفی ہوں کہ جلی ہوں
پوشیدہ نہیں مردِ تلندر کی نظر سے
معلوم ہیں مجھ کو ترے احوال کہ میں بھی
مدت ہوئی گزرا ہمتا اسی راہ گزر سے
الفاظ کے سچوں میں اُلجھتے نہیں مانا
غواص کو مطلب ہے صدقے کہ لہر سے
سدا ہے فقط حلفتِ آریاب جنوں میں
وہ عفتل کہ پا جاتی ہے شعلے کو شہر سے
جس معنی چھپیدہ کی تصدیق کرے دل
قیمت میں بہت بڑھ کے ہے تابندہ لہر سے
یا مردہ ہے یا نزع کی حالت میں گرفت
جو فلسفہ لکھانہ کیا خونِ جگر سے

۵۵۵

ضربِ کلیم

۵۵

مردانِ خدا

وہی ہے بندۂ خُرجس کی ضرب ہے کاری
نہ وہ کہ ضرب ہے جس کی تمام عیاری
ازل سے فطرتِ احرار میں ہیں پوششِ بدوش
قلندری و قبِ پوشی و کلداری
زمانہ لے کے جسے آفتاب کرتا ہے
انھی کی خاک میں پوشیدہ ہے وہ چنگاری
وجود انھی کا طوائفِ بہاں سے ہے ازاد
یہ تیرے مومن و کافر تمام زقاری!

کافر و مومن

کل سائل دریا پکے مجھ سے خضر نے
تو ٹھونڈ رہا ہے سہمِ افرنک کا تریاق؟

۵۵۶

ضربِ کلیم

۵۶

الگ تہ مے پاس ہے شمشیر کی مانند
 بترندہ و صہیتل زوہ و روشن و براق
 کافر کی یہ چپان کہ افاق ہیں لم ہے
 مومن کی یہ چپان کہ لم اس میں ہیں افاق!

مہدی برحق

سب اپنے بنائے سوتے زنداں میں ہیں محبوس
 خاور کے ثوابت ہوں کہ افرنگ کے سیار
 پیرانِ کلیسا ہوں کہ شیخانِ حرم ہوں
 نے جدتِ گفتار ہے نے جدتِ کردار
 ہیں اہل سیاست کے وہی لہنہ خم و پیچ
 شاعر اسی افلاسِ تختیل میں گرفتار
 دنیا کو ہے اس مہدی برحق کی ضرورت
 چوبیس کی نہ کہ زلزلا عالمِ افکار

مومن

(دُنیا میں)

ہو حلفت سیریاں تو بریشم کی طرح نرم
رزیم حق و باطل ہو تو فولاد ہے مومن
افدال سے ہے اس کی حریفانہ کشاکش
خالی سے ملرناک سے زاو ہے مومن
چھتے نہیں لٹچٹک و حمام اس کی نظریں
جبریل و سرافیل کا صیاد ہے مومن

جنت میں

کہتے ہیں فرشتے کہ دل اویر ہے مومن
خوروں کو شکایت ہے، کم امیر ہے مومن

* بھوپال (شیش محل) میں لکھے گئے

۵۵۸
ضرب کلیم
۵۸

محمد علی باب

تھی خوب حضورِ علیا باب کی تقریر
بیچارہ غلط پڑھتا تھا اعرابِ سموات
اس کی غلطی پر علیا سے تمہیں
بولا، تمہیں معلوم نہیں میرے مقامات
اب میری امامت کے تصدیق میں ہیں ازاد
محبوس تھے اعراب میں قرآن کے آیات!

تقریر

(ابلیس ویزواں)

ابلیس

اے خدا کے کن فکان! مجھ کو نہ تھا آدم سے سیر
اے! وہ زندانی نزدیک و دور و دیر و زور

حرفِ اشکبار تیرے سلسلے میں ممکن نہ تھا
ہاں مگر تیری مشیت میں نہ تھا میرا سجود

یہ زواں

کب کھلا تجھ پر یہ راز، انکار سے پہلے کہ بعد؟

ابلیس

بعد اے تیری جہت سے جملاست جو!

یہ زواں

(فرشتوں کی طرف دیکھ کر)

پستیِ فطرت نے کھلائی ہے یہ جہت سے
کہتا ہے تیری مشیت میں نہ تھا میرا سجود
وہ رہا ہے اپنی ازاد می کو مجسومی کا نام
ظالم اپنے شعلہ سوزاں کو خود کہتا ہے دُود!

(ماخوذ از محی الدین ابن عربی)



۵۶۰
ضربِ کلیم

۶۰

اے رُوحِ مُحَمَّد

شیرازہ ہوا ملتِ مرحوم کا ابر
اب تو ہی بتا، تیرا مسلمان کدھر جائے!
وہ لذتِ آشوب نہیں بحرِ عرب میں
پوشیدہ جوئے مجھ میں وہ طوفان کدھر جائے
چرچندے بے قافلہ و راحلہ و زرا
اس کوہ و بیاباں سے خدیٰ خان کدھر جائے
اس راز کو اب فاش کر اے رُوحِ مُحَمَّد
آیتِ الہی کا نگہبان کدھر جائے!

مذہبِ اسلام

بتاؤں تجھ کو سماں کی زندگی لیا ہے
یہ ہے نہایتِ اندیشہ و کمالِ حسنوں

طلوع ہے صفتِ آفتاب اس کا غروب
 یگانہ اور مثالِ زمانہ گونا گوں!
 نہ اس میں عصرِ رواں کی حیاتِ سببِ نزاری
 نہ اس میں عسکرِ کائنات کے فسانہ و افسوں
 حقتِ اتقِ ابدی پر اساس ہے اس کی
 یہ زندگی ہے، نہیں ہے طلسمِ افلاطون!
 عناصرِ اس کے ہیں رُوحِ القدس کا ذوقِ جمال
 عجم کا حسنِ طبیعت، عرب کا سوزِ زورون!

امامت

تو نے پوچھی ہے امامت کی حقیقت مجھے
 حق تجھے میری طرح صحابہ اشرار کے
 ہے وہی سیرے زمانے کا امامِ برحق
 جو تجھے خانہ سرد موجود ہے سببِ نزاری کے

۵۶۲
 ضربِ کلیم
 ۶۲

موت کے آتے میں تجھ کو دکھا کر رنج و دست
 زندگی تیرے لیے اور بھی ڈسوار کرے
 دے کے احساسِ زبیاں یہ اللہ کرے
 فقیر کی سان چڑھا کر تجھے تلوار کرے
 فتنہ ملت بیضا ہے امامت اُس کی
 جو مسلمان کو سلاطین کا پرستار کرے

فقیر و راہبی

کچھ اور چیز ہے شاید تری مسلمان
 تری نگاہ میں ہے ایک فہم تر و رہبان
 سکوں پرستی راہب سے فقر ہے ہرینار
 فقیر کا ہے سفینہ ہمیشہ طوفانی
 پسند روح و بدن کی ہے وانمود اس کو
 کہ ہے نہایت مومن خودی کی غیریانی

وجود صیرفی کائنات ہے اُس کا
 اُسے خبر ہے یہ باقی ہے اور وہ منانی
 اسی سے پوچھ کہ پیشِ نگاہ ہے جو کچھ
 جہاں ہے یا کہ فقط زمانہ بولی طغیانی
 یہ ترمو مسلمان نے لھو و یا جب سے
 رہی نہ دولتِ سلطانی و سلیمانی

غزل

تیری متاعِ حیات علم و ہمت کا سرور
 میری متاعِ حیات ایک دلِ جاں جو
 معجزۂ اہلِ منکر و سلفیہ پیچ پیچ
 معجزۂ اہلِ ذکر، موسیٰ و شعرونِ طور
 مصلحت کہہ دیا میں نے مسلمان تھے
 تیرے نفس میں نہیں کرمی یومِ انشور

۵۶۲

ضریحہ کلیم

۶۲

ایک زمانے سے ہے چال کر یہاں مرا
 تو ہے ابھی ہوش میں میرے جنوں کا قصور
 فیضِ نظر کے لیے ضبطِ سخن چاہیے
 حرفِ پریشاں نہ کہ اہلِ نظر کے حضور
 خوارِ جہاں میں کبھی ہونہیں سکتی وہ قوم
 عشقِ جو بس کا جنور فقرِ جو بس کا غبور

تسلیم و رضا

ہر شاخ سے یہ نکتہ چینی پیدہ ہے پیدا
 پودوں کو بھی احساس ہے بہنائے فضا کا
 ظلمت کدہ خاکِ پشاکر نہیں رہتا
 چر بطن ہے دانے کو جنوں نشوونما کا
 فطرت کے تقاضوں پہ نہ کر راہِ عمل بند
 مقصود ہے کچھ اور ہی تسلیم و رضا کا

جرات ہونو کی تو فضا تک نہیں ہے
اے مرد خدا تک خدا تک نہیں ہے!

نکستہ توحید

بیاں میں نکستہ توحید تو سکتا ہے
ترے دماغ میں بت خانہ ہو تو کیا کہیے
وہ رمز شوق کہ پوشیدہ لالہ میں ہے
طریق شیخ فقیرانہ ہو تو کیا کہیے
سرور جو حق و باطل کی کارزار میں ہے
تو حرب و ضرب سے بیگانہ ہو تو کیا کہیے
جہاں میں بندہ خُمر کے مشاہدات ہیں کیا
ترمی نگاہ عن لایمانہ ہو تو کیا کہیے
مقامِ فخر سے کتنا بلند شاہی سے
روش کسی کی لدا یا نہ ہو تو کیا کہیے!

۵۶۶

ضربِ کلیم

۶۶

الہام اور آزادی

چوبندۂ آزاد اگر صاحبِ الہام
ہے اس کی نیک فکر و عمل کے لیے ہمیں
اس کے نفسِ کرم کی تاثیر سے ایسی
ہو جاتی ہے خالِ چمنستانِ شرر آمیز
شاہیں کی ادا ہوتی ہے بے ملکہ میں نمودار
کس درجہ بدل جاتے ہیں مرغانِ سخن خیز!
اُس مردِ خود آگاہ و خدا مست کی صحبت
دیتی ہے کداؤں کو شکوہِ بزم و پرور
محکوم کے الہام سے اللہ بچائے
غارت گرا توام ہے وہ ضرورتِ چنگیز



جان و تن

عقل مدت سے ہے اس پچاک میں الجھی ہوئی
روح کس جوہر سے خاک تیرہ کس جوہر سے ہے
سیری مشکل ہستی و شور و سرور و درو و داغ
تیری مشکل نے سے ہے ساغر کے ساغر سے ہے
ازب باط صرف و معنی، نخت ملاط جان و تن
جس طرح آنگر قبا پوش اپنی خاک تر سے ہے!

لاہور و کراچی

نظر اللہ پہ رکھتا ہے مسلمان غمخوار
موت کیا شے ہے فقط عالم معنی کا سفر
ان شہیدوں کی دیت اہل کلیسا سے نہ مانگ
قد و قیمت میں ہے خون جن کا حرم سے بڑھ کر

۵۶۸

ضرب کلیم

۶۸

آہ، اے مسلمان! تجھے کیا یاد نہیں
حرف 'لا تَدْعُ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ'

نبوت

میں نہ عارف، نہ مجدد، نہ محدث، نہ فقیہ
مجھ کو معلوم نہیں کیا ہے نبوت کا مقام
ہاں، مگر عالمِ اسلام پہ رکھتا ہوں نطن
فانش ہے مجھ پر یہ ضربِ فلکِ نیلی فام
عصرِ حاضر کی شبِ تاریں دیکھی میں نے
حقیقت کے رُشن صفتِ ماہِ تمام
وہ نبوت ہے مسلمان کے لیے برکِ حشیش
جس نبوت میں نہیں قوت و شوکت کا پیام



اوم

ظالم ہوو و عدم جس کا نام ہے اوم
خدا کا راز ہے، قادر نہیں ہے جس پر سخن
زمانہ صبح ازل سے رہا ہے محو سفر
مگر یہ اس کی تک و دو سے ہو سکا نہ کہن
اگر نہ ہو تجھے الجھن تو کھول کر کہہ دوں
تو جو حضرت انساں نہ روح ہے نہ بدن!

مذہ اور جنیوا

اس فور میں اقوام کی صحبت بھی ہوئی عام
پوشیدہ نگاہوں سے رہی حدت اوم
تفنیق مغل حکمت افزاں کا مقصود
اسلام کا مستصود فقط ملت اوم

۵۷۰
ضرب کلیم

کئے نے دیا خالِ حسنیوا کو یہ پیام
جمعیتِ اقوام کہ جمعیتِ اوم

اپنے پیرِ حرم

اپنے پیرِ حرم! رسم و رہِ خانقہ ہی چھوڑ
مقصودِ سبجہ میری نوائے حسری کا
اللہ رکھے تیرے جانوں کو سلامت!
دے ان کو سبقِ خودِ شکنی، خودِ نگرہی کا
تو ان کو سکھا خارا شکافی کے طریقے
مغرب نے سکھایا انھیں فنِ شیشہ کرمی کا
دل توڑ گئی ان کا دوسد یوں کی غلامی
دارو کوئی سوچ ان کی پریشاں نظری کا
کہہ جاتا ہوں میں زورِ جنوں میں ترے آسرا
مجھ کو بھی جملہ دے مری آشفۃ سری کا!

مہدی

قوموں کی حیات ان کے تختل سے موقوف
یہ ذوق سکھاتا ہے ادب مرغِ چمن کو
مجدوب فرنگی نے بہ اندازِ سنرنگی
مہدی کے تختل سے کیا زندہ وطن کو
اے وہ کہ تو مہدی کے تختل سے بے بیزار
نومید نہ کراہوئے منہشکین سے سخن کو
ہو زندہ کفنِ پوشش تو میت اُسے سمجھیں
یا چاک کریں مردکِ ناداں کے کفن کو؟



۵۶۲
ضربِ کلیم
۶۲

مردِ مسلمان

پہر لفظ ہے مومن کی نئی شان، نئی آن
گفتار میں، کردار میں، اللہ کی برہان!
قتاری و غفاری و قدوسی و جبروت
یہ چار عناصر ہوں تو بتاتا ہے مسلمان
ہمسایہ چربیلِ امیں بسندۂ خالی
ہے اس کا نشین نہ بخارا نہ بدخشان
یہ راز کسی کو نہیں معلوم کہ مومن
قاری نظر آتا ہے، حقیقت میں ہے قرآن
قدرت کے مقاصد کا عیار اس کے ارادے
دنیا میں بھی میزان، قیامت میں بھی میزان
جس سے جگرِ لالہ میں ٹھنڈک ہو، وہ شبنم
دریاؤں کے دل جس سے ہل جائیں، وہ طوفان

فطرت کا سرو و ازلی اس کے شب و روز
اچھا لک میں کتنا صفت سورۃ رحمن
بننے ہیں مری کار کہ فکر میں اہم
لے اپنے مقدر کے ستارے کو تو پہچان!

پنجابی مسلمان

مذہب میں بہت تازہ پسند اس کی طبیعت
کر لے کہیں منزل تو کز تہ ہے بہت جلد
تحقیق کی بازی ہو تو شرکت نہیں کرتا
کھیل مُریدی کا تو ہر تہ ہے بہت جلد
تاویل کا پھندا کوئی صیاد لگا دے
یہ شاخ نشین سے اترتا ہے بہت جلد



۵۷۲

ضربِ کلیم

۷۲

ازادى

ہے کس کی یہ خبرات کہ مسلمان کو ٹوکے
حضرت افکار کی نعمت ہے خدا داد
چاہے تو کرے کعبے کو آتش کدہ پاس
چاہے تو کرے اس میں فرنگی گھسٹا ہاں
شران کو باز چپ تہاویل بن کر
چاہے تو خود اک تازہ شریعت کرے ایجا
ہے مسکت چند میں اک طرف تماش
اسلام ہے محبوبس، مسلمان ہے ازاد!

اشاعت اسلام فرنگستان میں

ضمیر اس مذہبیت کا دین سے ہے خالی
فرنگیوں میں اخوت کا ہے نسب پہ قیام

بلند تر نہیں انگریز کی نگاہوں میں
 فتبول دین سچی سے برہمن کا مقام
 اگر فتبول کرے دین مصطفیٰ، انگریز
 سیاہ روز سماں رہے گا پھر بھی غلام

لا و الا

فضائے نور میں کرتا نہ شاخ و برگ و برپیدا
 سفر خالی شہستان سے نہ کر سکتا الروانہ
 نہسا زندگی میں استلا، انتہا، الا
 پیام موت سے جب لا ہوا الا سے بیگانہ
 وہ ملت روح جس کی لا سے آگے بڑھ نہیں سکتی
 یقین جانو ہوا البریز اس ملت کا پیمانہ



۵۷۶

ضرب کاہیم

۷۶

اُمراءِ عرب سے

کرے یہ کافر ہندی بھی خجرات گفتار
اگر نہ ہو اُمراءِ عرب کی بے ادبی!
پینچتہ پہلے سلکھایا لیا کس امت کو؟
وہ سالِ مصطفوی، امتِ شراق بولہنسی!
نہیں وجود حدود و ثغور سے اس کا
مستندِ عربی سے ہے عالمِ عربی!

احکامِ الہی

پابندیِ تقدیر کہ پابندیِ احکام!
یہ مسئلہ مشکل نہیں اے مردِ خرد مند

❁ بھوپال (شیش محل) میں لکھے گئے

اک ان میں سو بار بدل جاتی ہے تقدیر
 ہے اس کا معتد ابھی ناخوشن ابھی خورند
 تقدیر کے پاس نہ بات جہاد است
 مومن نقطہ احکام الہی کل ہے پاسد

موت

لحد میں بھی یہی غیب و حضور رہتا ہے
 اگر ہو زندہ تو دل نا صبور رہتا ہے
 مہ و ستارہ، مثال شرارہ یک و نفس
 مے خودی کا ابد تک سرور رہتا ہے
 فرشتہ موت کا چھوٹا ہے کو بدن تیرا
 ترے وجود کے مرکز سے دور رہتا ہے!



مِشْمِ بِاَوْزِنِ اللّٰهِ

جہاں اگر چہ رگوں ہے مِشْمِ بِاَوْزِنِ اللّٰهِ
وہی زمین، وہی لہروں ہے مِشْمِ بِاَوْزِنِ اللّٰهِ
کیا نوائے انما الحق کو آتشیں جس نے
ترمی رگوں میں وہی نوحوں ہے مِشْمِ بِاَوْزِنِ اللّٰهِ
غمیں نہ چو کہ پر اسندہ ہے شعور ترا
فرنگیوں کا یہ افسوں ہے مِشْمِ بِاَوْزِنِ اللّٰهِ



سعود (Saud) (عربی)

سینوں کا

لفظ حیات صحیحہ رطابہ زرد آتش
حیات کیا ہے؟ حضور اکرم و نذر و نور!

ملا طول

گناہ موت میری ہے زرد آتش
حیات ہے نینا بلبل مر شہزاد نور!

حیات خودت ہی انساں کے لئے
مفط محمدی ہے خودی کا گناہ کا حضور!

تعلیم و تربیت

۵۸۱
ضرب کلیم
۸۱

مقصود*

(سینورا)

نظر حیات پر رکھتا ہے مرد دانش مند
حیات کیا ہے حضور و سرور و نور و وجود

(فلاطوں)

نگاہ موت پر رکھتا ہے مرد دانش مند
حیات ہے شہ تار یک میں شرر کی نمود

حیات موت نہیں التفات کے لائق
فقط خودی ہے خودی کی نگاہ کا مقصود

* ریاض منزل (دولت کدہ سر اس مسعود) بھوپال میں لکھے گئے

۵۸۲
ضرب کلیم
۸۲

زمانہ حاضر کا انسان

عشق ناپید و خرد میگزوش صورتِ مادر
عقل کو تابع و فرمانِ نطق نہ کر نہ سکا
ڈھونڈنے والا ستاروں کی لہر کا چوں کا
اپنے افکار کی دُنیا میں سخن نہ کر نہ سکا
اپنی جھمت کے حنم و پیچ میں ابھرا ایسا
اج تک نصیحت نہ نفع و ضرر نہ کر نہ سکا
جس نے سورج کی شعاعوں کو گرفتار کیا
زندگی کی شب تاریک سخن نہ کر نہ سکا!

اقوامِ مشرق

نظر آتے نہیں بے پروہ تاقِ ان کو
انگھ جن کی ہوتی محکومی و تسلیدی سے کو

زندہ کر سکتی ہے ایران و عرب کو کیونکر
یہ فرنگی بدستیت کہ جو ہے خود لب کوڑا

آگاہی

نظر سپہر یہ رکھتا ہے جو ستارہ شناس
نہیں ہے اپنی خودی کے معتم سے آگاہ
خودی کو جس نے فلک سے بلند تر دیکھا
وہی ہے مملکتِ صبح و شام سے آگاہ
وہی نگاہ کے ناخوب و خوب سے محرم
وہی ہے دل کے حلال و حرام سے آگاہ

مصلحیٰ بن مشرق

میں ہوں نوید تیرے ساقیانِ سامری فن سے
کہ بزمِ خاوراں میں لے کے آئے ساتھیں خالی

۵۸۲
ضربِ کلیم
۸۲

نسی بھلی کہاں اُن بادلوں کے جیبِ دامن میں
پرائی بھلیوں سے بھی ہے جن کی آستیں خالی!

مغزنی تہذیب

فسادِ قلب و نظر ہے فرنگ کی تہذیب
کہ رُوح اس مذہبیت کی رہ سکی نہ عقیف
رہے نہ رُوح میں پاکیزگی تو ہے ناپید
ضمیر پاک و خیالِ بلند و ذوقِ لطیف

اسرارِ پیدا

اُس قوم کو شمشیر کی حاجت نہیں ہتی
ہو جس کے جانوں کی خودی صورتِ فولاد
ناچسینز جہانِ مرد و پروں ترے آگے
وہ عالمِ مجبور ہے، تو عالمِ آزاد

موجوں کی تپش کیلئے فقط ذوقِ طلب ہے
 پنہاں جو صدف میں ہے وہ دولت سے خداؤ
 شاہیں کبھی پرواز سے تھک کر نہیں کرتا
 پروم ہے اگر تو تو نہیں خطرۂ اُفت

سلطانِ ٹینیسی کی وصیت

تُو رہ نور و شوق ہے منہ نزل نہ کر قبول
 لیلی بھی ہم شیشیں ہو تو محسوس نہ کر قبول
 اے جو تے اب بڑھ کے ہو دریا تے تند تیز
 ساحل تجھے عطا ہو تو ساحل نہ کر قبول
 کھویا نہ جا صحنہ کدۂ کائنات میں
 محسن کدازا کر می محسن نہ کر قبول
 صبحِ ازل یہ مجھ سے کہا چبرِ ریل نے
 جو عمتل کا سلام ہو وہ دل نہ کر قبول

۵۸۶

ضربِ کلیم

۸۶

باطل دُوتی پسند ہے، حق لاشریک سے
شُرکت مسیبت ہے حق و باطل نہ کہ قبول!

غزل

نہ میں عجبی نہ پسندی نہ عراقی و حجازی
کہ خودی سے نہیں نے سیکھی وہاں سے بے نیازی
تو مری نطن سر میں کافر میں تری نطن سر میں کافر
تراوین نفس شماری مراوین نفس کدازی
تو بدل گیا تو بہت کہ بدل گئی شریعت
کہ موافق تدرواں نہیں دین شاہبازی
ترے دشت و در میں مجھ کو وہ جنوں نطن سر آیا
کہ کھائے سکے خرد کورہ و رسم کار سازی
نہ جدار ہے نوا کرتب و تاب زندگی سے
کہ ہلا کی اُمم ہے یہ طریق نے نوازی

بیداری

جس بندۂ حق ہیں کی خودی ہو کتنی بیدار
ششیر کی مانند ہے بڑندہ و براق
اس کی نگہ شوخ پہ ہوتی ہے نمودار
ہر ذرے میں پوشیدہ ہے جو قوتِ اشراق
اس مردِ خدا سے کوئی نسبت نہیں سمجھو
تو بندۂ آفاق ہے وہ صاحبِ آفاق
سمجھ میں ابھی پیدا نہیں ساحل کی طلب بھی
وہ پالی فطرت سے ہوا محرمِ عماساق

خودی کی تربیت

خودی کی پرورش و تربیت پہ ہے موقوف
کہ نشتِ خاک میں پیدا ہوا ششیر سوز

۵۸۸
ضربِ کلیم
۸۸

یہی ہے سب کچھ یہی ہر اک زمانے میں
چوائے دشت و شعیب و شبانی شب و روز!

آزادی منکر

آزادی افکار سے ہے ان کی تباہی
رکھتے نہیں جو منکر و تدبیر کا سلیقہ
جو منکر اگر حرام تو آزادی افکار
انسان کو حیوان بنانے کا طریقہ!

خودی کی زندگی

خودی ہو زندہ تو ہے فست بھی شہنشاہی
نہیں ہے سنجر و طغرل سے کم شکوہ فقیر
خودی ہو زندہ تو دریائے بے دریاں پایا
خودی ہو زندہ تو کھسار پر نیان و حسیر

نہنگِ زندہ ہے اپنے محیط میں ازاد
نہنگِ مردہ کو موجِ سراب بھی زنجیرا

حکومت*

ہے مریدوں کو تو حقِ باس کو اورا لیکن
شیخ و ملا کو بُری لگتی ہے درویش کی بات
قوم کے ہاتھ سے جاتا ہے مستاعِ کردار
بحث میں آتا ہے جب فلسفہ نوات و صفات
گرچہ اس وزیر کھن کا ہے یہ دستورِ قدیم
کہ نہیں مے کدہ و ساقی و مہینا کو ثبات
قسمتِ باوہ مگر حق ہے اسی ملت کا
انگلیں جس کے جوانوں کو ہے تلخابِ حیات!

* ریاض منزل (دولت کدہ سر اس مسعود) بھوپال میں لکھے گئے

ہندی مکتب

اقبال! یہاں نام نہ لے علم خودی کا
موزوں نہیں مکتب کے لیے ایسے مقالات
بہتر ہے کہ بیچارے مولوں کی نطن سے
پوشیدہ رہیں باز کے احوال و مقامات
ازاد کی ال ان ہے محکوم کا ال سال
کس درجہ کراں سیر ہیں محکوم کے اوقات
ازاد کا ہر لحظہ پیامِ ابدیت
محکوم کا ہر لحظہ نئی مرگِ مفاجات
ازاد کا اندیشہ حقیقت سے منور
محکوم کا اندیشہ گرفتارِ خرافات
محکوم کو پیروں کی کرامات کا سوا
ہے بندہ آزاد خواک زندہ کرامات

محلوم کے حق میں ہے یہی تربیت اچھی
موسیقی و صورت کرمی و علم نباتات

تربیت

زندگی کچھ اور شے ہے، علم ہے کچھ اور شے
زندگی سوز جگر ہے، علم ہے سوز دماغ
علم میں دولت بھی ہے، قدرت بھی ہے لذت بھی ہے
ایک مشکل ہے کہ ہاتھ آتا نہیں اپنا سراغ
اہل دانش عام ہیں، کم یاب ہیں اہل نظر
کیا تعجب ہے کہ حنائی رہ گیا تیرا ایام
شیخ مسکتب کے طریقوں سے کشاد دل کہاں
کس طرح کبریت سے روشن ہو بجلی کا چراغ!



خوب زشت

ستارگانِ فضا ہائے نیلکوں کی طرح
تختیلاست بھی ہیں تابع طلوع و غروب
جہاں خودی کا بھی ہے صاحب فرار و نشیب
یہاں بھی سرکہ آرا ہے خوب سے ناخوب
نمود جس کی فرارِ خودی سے ہو وہ جسمیل
جو ہوشیہ میں پیدا، تیسرے و نامحبوب!

مرکبِ خودی

خودی کی موت سے مغرب کا اندر وں بے نور
خودی کی موت سے مشرق ہے بیتلائے جذام
خودی کی موت سے رُوحِ عربیہ بے تبتاب
بدنِ سراق و عجبم کا ہے بے عروق و عظام

خودی کی موت سے ہندی شکستہ بالوں پر
ققس ہوا ہے لال اور اشیانہ حرام
خودی کی موت سے چیرم ہوا مجبور
کہ بیچ کھاتے مسلمان کا جسامہ احرام

مہمان عزیز

پڑھے افکار سے ان مدرسے والوں کا ضمیر
خوب ناخوب کی اس فور میں ہے کس کو تمیز
چاہیے حنائتہ دل کی کوئی منزل حنائی
شاید آج تے کہیں سے کوئی مسلمان عزیز

عصر حاضر

پخت افکار کہاں ڈھونڈنے جاتے کوئی
اس زمانے کی ہوا رکھتی ہے ہر چیز کو خام

۵۹۲

ضرب کلیم

۹۲

مدرسہ عفتل کو آزاد تو کرتا ہے مگر
چھوڑ جاتا ہے خیالات کو بے ربط و نظام
مردہ، لا دینی افکار سے افرنگ میں عشق
عقل بے ربطی افکار سے مشرق میں غلام!

طالب علم

خدا تجھے کسی طوفان سے آشنا کرے
کہ تیرے بھر کی موجوں میں اضطراب نہیں
تجھے کتاب سے ممکن نہیں سراغ کہ تو
کتاب خواں ہے مگر صاحب کتاب نہیں!

امتحان

کہا سپاڑ کی ندی نے سنگینے سے
فتاویٰ و سرفلت گدی تری معراج!

ترا یہ حال کہ پامال و درہند ہے تو
مری یہ شان کہ دریا بھی ہے مرا محتاج
جہاں میں تو کسی دیوار سے نہ ٹکرایا
کنجے بسر کہ تو ہے سنب خارہ یا کہ زجاج!

مدرسہ

عصر حاضر ملک الموت ہے تیرا جس نے
قبض کی روح تری دے کے تجھے فکرِ معاش
دل لرزتا ہے حریفانہ کشاکش سے ترا
زندگی موت ہے، کھو دیتی ہے جب فوقِ خراش
اُس جنوں سے تجھے تعلیم نے بیگانہ کیا
جو یہ کہتا تھا سرو سے کہ بہانے نہ تراش
فیضِ فطرت نے تجھے دیدہ شاہین بننا
جس میں کھدی ہے غلامی نے نگاہِ حقاش

۵۹۶

ضربِ کلیم

۹۶

مدر سے نئے تری آنکھوں سے چھپایا جن کو
خلوت کوہ و بیاباں میں وہ اسرار ہیں فاش

حکیم نطشہ

حریف نکتہ توحید ہو سکا نہ حکیم
بنگاہ چاہیے اسرارِ لالہ کے لیے
خدا کا پتہ کر دوں ہے اس کا فکر بلند
کنند اس کا تختل ہے مہر کے لیے
اگرچہ پاک ہے طینت میں رہی اس کی
ترس رہی ہے مگر لذت گنہ کے لیے

اساتذہ

مقصود ہو اگر تربیت لعل بدخشاں
بے سوویے بھٹکے ہوئے خورشید کا پرتو

وُنیا ہے روایا تے پھنڈوں میں گرفت
 کیا مدرسہ کیا مدرسے والوں کی تک وودو!
 کر سکتے تھے جو اپنے زمانے کی امامت
 وہ لہنتہ و مانع اپنے زمانے کے ہیں پیرو!

غزل

ملے گا منزل مقصود کا اسی کو سراغ
 اندھیری شب میں ہے پیٹے کی آنکھ جس کا چراغ
 میسر آتی ہے فرصت فقط غلاموں کو
 نہیں ہے بندہ خُمر کے لیے جہاں میں سراغ
 فروغ معنہ بر بیاں یہ کر رہا ہے تجھے
 ترمی نطن کر کا نگہباز ہو صاحبِ مازاغ
 وہ بزمِ عیش ہے مہمانِ یک نفس و نفس
 چمک ہے ہیں مثال ستارہ جس کے ابلاغ

۵۹۸

ضربِ کلیم

۹۸

کیا ہے تجھ کو کتباوں نے کور ذوق اتنا
صبا سے بھی نہ ملا تجھ کو بوئے گل کا سراغ!

تعلیم دین و ایم

مجھ کو معلوم ہیں پیرانِ حرم کے انداز
چونہ اخلاص تو دعوائے نظر لاف و کزاف
اور یہ اہل کلیسا کا نطنِ تعلیم
ایک سازش ہے فقط دین و مروت کے خلاف
اُس کی تقدیر میں سکومی و مطن لومی ہے
قوم جو کرنے سکی اپنی خودی سے انصاف
فطرتِ افرا سے غمناض بھی کر لیتی ہے
کبھی کرتی نہیں ملتے گئے گناہوں کو معاف



۵۹۹
ضربِ کلیم
۹۹

جاوید سے



ہے اس کی نہاد کا نشانہ
 مروانِ حندا کا استانہ
 انداز ہیں سب کے جاوید
 باقی ہے کہاں سے شبانہ
 تھی جن کی نگاہ تازیانہ
 ہے اس کا مذاق عارفانہ
 تعظیم ہو کو فنِ نگیانہ
 کر اپنی خودی میں آشیانہ
 قطر ہے بحرِ بیکرانہ
 پروانہ ہے صد ہزار وانہ
 وقتِ نیراستہ کا سازِ ست

غارت کر دیں ہے یہ زمانہ
 دربارِ شہنشاہی سے خوشتر
 لیکن یہ دورِ ساعری ہے
 سرِ چشمہ زندگی ہوا خشک
 حنائی اُن سے ہوا دستاں
 جس لہر کا مگر چراغ ہے تُو
 جوہر میں ہو لالہ تو کیا خوف
 شاخِ گل پر چہکے ولیکن
 وہ بحر ہے آدمی کہ جس کا
 دہستانِ الرنہ ہوں اسان
 مخالفِ منشینِ وقتِ بازی ست

ضربِ کلیم



سینے میں اگر نہ ہو دلِ کرم
نخچیرا کر ہو زیرِ کس چُست
ہے اب حیات اسی جہاں میں
غیرتے طرِ لقیہِ حقیقی
اے جانِ پدِ انہیں ہے ممکن
نایاب نہیں متاعِ لفتا
ہے میری بساط کیا جہاں میں
اک صدقِ مقال ہے کہ جس سے
اللہ کی دین ہے جسے دے
اپنے نورِ نسر سے کیا خوب
رہ جاتی ہے زندگی میں خامی
اتی نہیں کام کھنڈِ امی
شرط اس کے لیے ہے شہدِ کامی
غیرتے ہے فہمِ تکر کی تامی
شاہیں سے تدر و کی غلامی
صد انوری و ہزارِ حبابی
بس ایک فغانِ زیرِ بامی
میں چشمِ جہاں میں ہوں کرامی
میراث نہیں ملے بند نامی
فرماتے ہیں حضرتِ نطقِ نامی
”جاے کہ بزرگِ بایست بو
فرزندِ منی نہارِ دست سو“





دین و دولت ہستار بازی!
 باقی ہے منقذ نفس و رازی
 جس فقر کی اصل ہے حجازی
 اللہ کی شان بے نیازی
 ہے اس کا مقام شاہ بازی
 بے سُرورہ نوح علی و رازی
 فطرت میں اگر نہ ہو ایازی
 رکھتا نہیں فوق نئے نوازی
 درپردہ تمام کار سازی
 بے تیغ و سناں ہے مرد غازی

مومن پہ کراں ہیں شب و روز
 ناپید ہے بندہ عمل مست
 ہمت چو اگر تو ڈھونڈو منقر
 اس فقر سے آدمی میں پیدا
 کج شک و حام کے لیے موت
 روشن اس سے حسرت کی انھیں
 حاصل اس کا شکوہ محمود
 تیری دنیا کا یہ سہرا لیل
 ہے اس کی نگاہ عالم اشوب
 یہ فقر غیور جس نے پایا

مومن کی اسی میں ہے امیری
 اللہ سے مانگ یہ فقیری



۶۰۲
 ضرب کلیم
 ۱۰۲

حوریت

۶۰۳
ضرب کاہم
۱۰۳

مردِ فرنگ

ہزار بار حکیموں نے اس کو سمجھایا
مگر یہ مستکہ زن رہا وہیں کا وہیں
قصور زن کا نہیں ہے کچھ اس خرابی میں
گواہ اس کی شرافت پہ ہیں مہ و پرویں
فساد کا ہے فسرنکی معاشرت میں ظہور
کہ مرد سادہ ہے بیچارہ زن شناس نہیں

ایک سوال

کوئی پوچھے حکیم یورپ سے
ہندو یونان ہیں جس کے حلقہ جوش

۶۰۲

ضربِ کلیم

۱۰۲

کیا یہی ہے معاشرت کا کمال
مرد بے کار و زن تہی آغوشش !

پرودہ

بہت رنگ بد لے پہریریں نے
خدا یا یہ دنیا جہاں تھی وہیں ہے
تفاوت نہ دیکھا زن و شو میں میں نے
وہ خلوت نشیں ہے یہ خلوت نشیں ہے
ابھی تک ہے پرودے میں اولاد اوم
کسی کی خودی آشکارا نہیں ہے

خلوت

رُسوا کیا اس دور کو جلوت کی ہوس نے
روشن ہے ننگ، آئینہ دل ہے مگر

بڑھ جاتا ہے جب ذوقِ نظر اپنی حدوں سے
 چو جاتے ہیں افکار پر اُسنده و ابر
 آغوشِ صدف جس کے نصیبوں میں نہیں ہے
 وہ قطرۂ نیساں کبھی بنتا نہیں لوہر
 خلوت میں خودی ہوتی ہے خود کیر، و لیکن
 خلوت نہیں اب دیرِ حرم میں بھی ملتیر!

عورت

وجودِ زن سے ہے تصویرِ کائنات میں رنگ
 اسی کے ساز سے ہے زندگی کا سوزِ دروں
 شرف میں بڑھ کے شریک سے مشتِ خاک اس کی
 کہ ہر شرف ہے اسی دُرج کا دُرِ محنوں
 مکالماتِ فلاطون نہ لکھ سکی لیکن
 اسی کے شعلے سے ٹوٹا شرارِ افلاطون

۶۰۶
 ضربِ کلیم
 ۱۰۶

ازاد می نسواں

اس بحث کا کچھ فیصلہ میں کر نہیں سکتا
گو خوب سمجھتا ہوں کہ یہ زہر ہے، وہ قند
کیا فائدہ کچھ کہہ کے بنوں اور بھی معتوب
پہلے ہی خفا مجھ سے ہیں تہذیب کے فرزند
اس راز کو عورت کی بصیرت ہی کرے فاش
مجبور ہیں معذور ہیں، مروان خرد مند
کیا چیز ہے آرائش و قیمت میں زیادہ
ازاد می نسواں کہ زمرہ کا گلوبند!

عورت کی حفاظت

اک زندہ حقیقت مرے سینے میں ہے مستور
کیا سمجھے گا وہ جس کی رگوں میں ہے لہو سرد

نے پروہ، نہ تسلیم، نہ ہی ہو کہ پرانی
نسوانیتِ زن کا نگہباز ہے فقط مرد
جس قوم نے اس زندہ حقیقت کو نہ پایا
اس قوم کا خورشید بہت جلد ہوا زرد

عورت اور تسلیم

تہذیبِ فرنگی ہے اگر مرگِ اُمومت
ہے حضرتِ انساں کے لیے اس کا ثمر موت
جس علم کی تاثیر سے زن چوتی ہے نازن
کہتے ہیں اسی علم کو اربابِ نظر موت
بیگانہ رہے ہیں سے اگر مدرسہ زن
ہے عشق و محبت کے لیے علم و ہنر موت



۶۰۸
ضربِ کلیم
۱۰۸

عورت

جو ہر مرد عیساں ہوتا ہے بے منتِ غیر
غیر کے ہاتھ میں ہے جو ہر عورت کی نو
راز ہے اس کے پیچم کا یہی نکتہ شوق
اشیں لذتِ تخلیق سے ہے اس کا جو
کھلتے جاتے ہیں اسی آگے اسرارِ حیات
گرم اسی آگے ہے مگر کہ بود و نبود
میں بھی مظلومی نسواں سے ہوں غم ناک بہت
نہیں مسکن مگر اس عقدہ مشکل کی نشوونما



ادبیات

فنون لطیف

ضرب کلیم

دین و مہنر

سرود شعور سیاست، کتاب دین و مہنر
گھر ہیں ان کی کرہ میں تمام یک دانہ
ضمیر بندہ خالی سے ہے نمود ان کی
بلند تر ہے ستاروں سے ان کا شانہ
اگر خودی کی حفاظت کریں تو عین حیت
نہ کر سکیں تو سراپا فسوں و افسانہ
ہوتی ہے زیر فلک اُستوں کی رسوائی
خودی سے جب اوب ڈیں ہوتے ہیں بیگانہ



۴۱۲
ضربِ کلیم
۱۱۲

تخلیق

جہاں تازہ کی افکار تازہ سے ہے نمود
کہ سنگ و خشت سے پرتے نہیں جہاں پیدا
خودی میں ڈوبنے والوں کے عزم و ہمت نے
اس ابھو سے کیے بحربے کراں پیدا
وہی زمانے کی گردش پہ غالب آتا ہے
جو ہر نفس سے کرے عمر جاوداں پیدا
خودی کی موت سے مشرق کی سر زمینوں میں
ہوا نہ کوئی حنادانی کا رازواں پیدا
ہوا تے ہشت سے نوتے رفاقت آتی ہے
عجب نہیں ہے کہ ہوں کیسے ہم عنان پیدا



جنوں

مُحِبِّ جگر کی دُکھاں شاعرِ مِٹائی
سُتَم پئے خوار پھرے دشتِ دُور میں دیوانہ
کسے خیر کہ جنوں میں کمال اور بھی ہیں
کریں اگر اسے کوہِ وِلمر سے بیگانہ
پہجومِ مدرسہ بھی سازگار ہے اس کو
کہ اس کے واسطے لازم نہیں ہے میرانہ

اپنے شعر سے

ہے کلمہ مجھ کو تری لذتِ پیدائی کا
تُو چوہا فاش تو ہیں اب مے اسرار بھی فاش
شعلے سے ٹوٹ کے مثل شرارِ آوارہ نہ رہ
گر کسی سینہ پر سوز میں خلوت کی تلاش!

پیریں کی مسجد

مری نگاہ کس الٹ سٹرو کو کیا دیکھے
کہ حق سے یہ حرمِ معنِ ربی ہے بیگانہ
حرم نہیں ہے فرنگی کوشمہ بازوں نے
تین حرم میں چھپا دی ہے رُوحِ بیتِ خانہ
یہ بیت کہ انھی غارت گروں کی ہے تعمیر
وہ مشق ہاتھ سے جن کے ہوا ہے ویرانہ

ادبیتا

عشق اب پیڑی و عقلِ حند اواد کرے
اب رو کو چستہ جاناں میں نہ برباد کرے
گنہہ چسپ کر میں نئی رُوح کو آباد کرے
یا کہن رُوح کو تفت لید سے ازاد کرے

نگاہ

بہار و قافلہ لالہ ہاتے صحرائی
شبابتِ مستی و ذوق و سرور و عنایتی
اندھیری است میں یہ چشمکین ستاروں کی
یہ سب زین فلک نیلگوں کی پہنائی
سفرِ عروسِ قمر کا عساری شب میں
طلوعِ مہر و سلوکِ سپہرِ سینائی
نگاہ ہو تو بہ سائے نظارہ کچھ بھی نہیں
کہ یہ سچتی نہیں فطرتِ جمال و زیبائی



❁ ریاض منسزل (دولت کدہ سراسر سعود) بھوپال میں لکھے گئے

۶۱۶
ضربِ کلیم

۱۱۶

مسجدِ قوتِ الاسلام

ہے مرے سینہ بے نور میں اب کیا باقی
لاالہ، مردہ و افسردہ و بے ذوق نمود
چشمِ فطرت بھی نہ پہچان سکے کی مجھ کو
کہ ایازمی سے دلگروں ہے مقامِ محسوس
کیوں مسلمان نہ نخل ہو تری سنگینی سے
کہ غلامی سے ہوا مثل زجاج اس کا وجود
ہے تری شان کے شایاں اسی مومن کی نماز
جس کی تنگی میں ہو سرکہ بود و نبود
اب کہاں میرے نفس میں وہ حرارت، وہ لداڑ
بے تپ و تابِ دروں میری صلوة اور درود
ہے مری بانگِ اذان میں نہ بلندی، نہ شکوہ
کیا لو ار ہے تجھے ایسے مسلمان کا سجود؟

تیرا

ترمی خودی سے ہے روشن ترا حریم وجود
حیات کیا ہے، اسی کا سرور و سوز و شبات
بلند تر مہ و پرویں سے ہے اسی کا مہم
اسی کے نور سے پیدا ہیں تیرے فئات و صفات
حریم تیرا، خودی غم کی یہ سر کی بسا اے اللہ
دوبارہ زندہ نہ کر کار و بارِ لات و منات
یہی کمال ہے تم شیل کا کہ تو نہ رہے
رہا نہ تو تو نہ سوز خودی نہ سازِ حیات



۶۱۸
ضربِ کلیم
۶۱۸

شُعاعِ اُمید



سُورج نے دیا اپنی شعاعوں کو یہ پیغام
دُنیا ہے عجب چیز، کبھی صبح کبھی شام
مُدّت سے تم آوارہ ہو پناہ کے فضا میں
بڑھتی ہی چلی جاتی ہے بے مہری ایام
نے ریت کے ڈروں پہ چپکنے میں ہے رات
نے مثل صبا طوفانِ گل لالہ میں آرام
پھر میرے تجلی کدۂ دل میں سما جاؤ
چھوڑو چمنستان و بیابان و روبام



افاق کے ہر گوشے سے اٹھتی ہیں شعاعیں
بچھڑے ہوئے خورشید ہوتی ہیں ہم آغوش
اک سورج مغرب میں اجالا نہیں مسکن
افرنک شینوں کے دھویں سے یہ پوش
مشرق نہیں کو لذت نطتارہ سے محروم
لیکن صفت عالم لاہوت ہے خاموش
پھر ہم کو اسی سینہ روشن میں چھپالے
اے مہر جہاں تاب نہ کر ہم کو فراموش



اک شوخ کزن، شوخ مثال نگہ خور
ارام سے فارغ، صفت جوہر سیاب
بولی کہ مجھے رخصت تنویر عطا ہو
جب تک نہ ہو مشرق کا ہر اک ذرہ جہاں تاب

۶۲۰
ضربِ کلیم
۱۲۰

چھوڑوں کی نہ میں ہند کی تاریک فضا کو
 جب تک نہ اٹھیں خواب سے مردان گراں خواب
 خاور کی امیدوں کا یہی خاک کے مرکز
 اقبال کے اشکوں سے یہی خاک ہے سیراب
 چشمِ مژپرویں ہے اسی خاک سے روشن
 یہ حال کہ ہے جس کا خرف ریزہ ورناب
 اس خاک کے اٹھے ہیں وہ عواصنِ سانی
 جن کے لیے ہر پر اسوش کے پایاب
 جس سانے کے نسوں کے حرارت تھی دلوں میں
 محفل کا وہی ساز ہے بیکانہ مضرب
 بت خانے کے دروازے پہ سوتا ہے بڑھن
 تفتدیر کو روتا ہے سماں تہ محراب
 مشرق سے پوپیزا زہ مغرب کے حذر کہ
 فطرت کا اشارہ ہے کہ ہر شب کو سحر کرنا

امید

مستابلہ تو زمانے کا خوب کرتا ہوں
الرحمہ میں نہ سپاہی ہوں نے اسیر جنود
مجھے خبر نہیں یہ شاعری سے یا کچھ اور
عطا ہوا ہے مجھے ذکر و فنکرو جذب سرود
جبین بندہ حق میں نمود ہے جس کی
اسی جلال سے لب پر ہے یہ وجود
یہ کافر تو نہیں کافر سے کم بھی نہیں
کہ مرد حق ہو گرفتار حاضر موجود
غم میں نہ ہو کہ بہت دور ہیں ابھی باقی
نئے ستاروں سے خالی نہیں سپہر کیبو

* ریاض سنسزل (دولت کدہ سر اسٹور سٹوڈ) بھوپال میں لکھے گئے

۶۲۲
ضربہ کلیم
۱۲۲

نگاہِ شوق

یہ کائنات چھپاتی نہیں ضمیر اپنا
کہ ڈرتے ڈرتے میں ہے ذوقِ آشکارائی
کچھ اور ہی نطنس آتا ہے کاروبارِ جہاں
نگاہِ شوق اگر ہو شریکِ بینائی
اسی نگاہ سے محکم قوم کے فنِ زند
ہوئے جہاں میں سزاوارِ کارِ نرمانی
اسی نگاہ میں ہے فتاہری جستاری
اسی نگاہ میں ہے دبیری و عنائی
اسی نگاہ سے ہر ڈرتے کو جنوں میرا
سکھارہا ہے رہ و رسم و شہتِ پیمائی
نگاہِ شوق میتھنر میں اگر تجھ کو
ترا وجود ہے قلبِ وطن کی رسوائی

اہل تہ سے

مہر و مہر و شتری چند نفس کا سرخ
عشق سے ہے پائدار تیری خودی کا وجود
تیرے حرم کا ضمیر اسود و احمر سے پال
تنگ تیرے لیے سرخ و سپید و کبود
تیری خودی کا غیاث ہے کہ ذکر و فکر
تیری خودی کا حضور عالم شعرو و سرود
روح الہی سے تری رنج غلامی سے نزار
تیرے شہر کا جہاں دیر و طواف و سجود
اور الہا خبیر اپنی شرافت سے ہو
تیری سپہا نس و جن تو ہے اسی مہر و حنو



۶۲۲

ضرب کلیم

۱۲۲

غزل

دریا میں موتی، اسے موج بے باک
ساحل کی سوغات بخار و خس و خال
میرے شرر میں بجلی کے جوہر
لیکن نیتان تیرا ہے نم نال
تیرا زمانہ، تاثیر تیری
ناداں! نہیں یہ تاثیر افلاک
ایسا جنوں بھی دیکھا ہے میں نے
جس نے سسے ہیں تفت دیر کے چاک
کاہل وہی ہے رندی کے فن میں
مستی ہے جس کی بے مشت تال
رکھتا ہے اب تک مینا شرق
وہ ہے کہ جس سے روشن ہو اورال

۶۲۵

ضرب کلیم

۱۲۵

اہلِ نطنز ہیں یورپ سے نوسید
ان اُمتوں کے باطن نہیں پاک

وجود

اے کہ ہے زیرِ فلک شل شر تیری نمود
کون سمجھاتے تجھے کیا ہیں مقاماتِ وجود
گرشنہ میں نہیں تعمیرِ خودی کا جوہر
وائے صورتِ کرمی و شاعری و ناسے و سرود
مکتبِ وے کہہ جزوِ رس نبون بندہ
بودن آموز کہ ہر ہاشمی و ہر خم اہی بود

سرود

ایا کہاں سے نالہ نئے میں سرورے
اصل اس کی نے نواز کا دل ہے کہ چوہے

۲۲۶

ضربِ کلیم

۱۲۶

دل کیا ہے اس کی مستی و قوت کہاں سے ہے
 کیوں اس کی اگ نگاہ الٹتی ہے تخت کے
 کیوں اس کی زندگی سے ہے اقوام میں حیات
 کیوں اس کے واردات بدلتے ہیں لے پے لے
 کیا بات ہے کہ صاحبِ دل کی نگاہ میں
 چھتی نہیں ہے سلطنتِ روم و شام و رے
 جس روز دل کی رمزِ بُغْتی سمجھ گیا
 سمجھو تو سامِ مرحلہ ہاتے ہنر ہیں طے

نسیم
 نسیم
 نسیم

انجم کی فضا تک نہ ہوئی سیری سائی
 کرتی رہی میں سپرین لالہ گلِ چال

مجبور ہوتی جساتی ہوں میں ترکِ وطن پر
بے ذوق ہیں۔۔۔ سب کی نواہے طرب ناک
دونوں سے کیا ہے تجھے تقدیر نے محسوس
خاکِ پسین اچھی کہ سر پر وہ افلاک!

شبِ بنم
کھینچیں نہ اگر تجھ کو چمن کے خس و خاشاک
گلشن بھی ہے ال سراسر پر وہ افلاک

اہرامِ مصر

اس دشتِ جگر تاب کی خاموش فضا میں
فطرت نے فقط ریت کے ٹیلے کی تعمیر
اہرام کی عظمت سے نگوں سار ہیں اسدال
کس ہاتھ نے کھینچی ابدیت کی یہ تصویر!

۶۲۸
ضربِ کلیم
۱۲۸

فطرت کی غلامی سے کرازا اور ہنس کر
صیاد ہیں مردانِ مہر مند کہ نچھیر!

مخلوقاتِ پُندر

ہے یہ فردوسِ نظر اہلِ ہنس کی تعمیر
فاش ہے چشم تماشا پہ نہاں حنائت
نہ خودی ہے نہ جہانِ سحر و شام کے دور
زندگانی کی حریفانہ کشاکش سے نجات
اے، وہ کافر بیچارہ کہ ہیں اس کے صنم
عصرِ رفتہ کے وہی ٹوٹے ہوئے لات و منات!
تو ہے میت، یہ مہر تیرے جنازے کا امام
نظر اتنی جسے مرد کے شہتاش میں حیات



اقبال

فردوس میں رومی سے یہ کہتا تھا ستانی
مشرق میں ابھی تک ہے وہی کاسہ وہی آتش
حلاج کی لیس کن یہ روایت ہے کہ آخر
اک مردِ قلندر نے کیا رازِ خودی فاش!

فنون لطیفہ

اے اہلِ نظرِ ذوقِ نظرِ خوب سے لیکن
جوشے کی حقیقت کو نہ دیکھے وہ نظر کیا
مقصودِ ہمنہ سوزِ حیاتِ ابدی ہے
یہ ایک نفس یا دو نفسِ مثلِ شرر کیا
جس سے دلِ دریا مُشتِ لاطم نہدین ہوتا
اے قطعہ قریباں وہ صدف کیا وہ لہر کیا

۲۳۰
ضربِ کلیم
۱۳۰

شاعر کی نوا ہو کہ مُنغنی کا نفس ہو
 جس سے چمن افسردہ ہو وہ باوجود سکر کیا
 بے مجزرہ دنیا میں اُٹھ سرتی نہیں قومیں
 جو ضربِ کلیمی نہیں رکھتے اس وہ ہنر کیا!

صبحِ چمن

پھول

شاید تو سمجھتی تھی وطنِ دُور ہے میرا
 اے قاصدِ افلاک! انہیں، دُور نہیں ہے

شبنم

ہوتا ہے مگر محنتِ پرواز سے روشن
 یہ نکتہ کہ فردوں سے زمین دُور نہیں ہے

صُبح

مانندِ صبحِ کھستاں میں قدم رکھ
اے تیرا کویا کویا شمشیرِ نغم تو نہ ٹوٹے
ہو کوہِ وِسیا باں سے ہم اغوشِ لبِ یسین
ہاتھوں سے تیرے امینِ اسلاک نہ چھوٹے!

خاقانی

وہ صاحبِ شہنتِ العراقین،
پے پردہ شگافِ اُس کا اور اک
خاموش ہے عالمِ معانی
پوچھ اس کے یہ حال، اں ہے کیا چیز
وہ محرمِ عالمِ مکافات
اربابِ نطنبر کا قرة العین
پر دے ہیں تمام چاک و رچاک
کہتے انہیں حرفِ لُن تہائی
ہنگامتہ این اں ہے کیا چیز
اک بات میں کہہ لیا ہے سوت

خود بوبے چنیں جہاں تو اں بُد

کابلیس بساند بوالبشر مردا

۴۳۲
ضربِ کلیم
۱۳۲

رومی

غلط نہ کرے تری چشم نیم بازاں تک
ترا وجود ترے واسطے ہے رازاں تک
ترا نیاز نہیں آشنا سے نازاں تک
کہ ہے قیام سے خالی تری نمازاں تک
گستاخ تارے تیری خودی کا سازاں تک
کہ تو ہے نعمتہ رومی سے بے نیازاں تک!

جدت

دیکھے تو زمانے کو اگر اپنی نظر سے
اسلاک منور ہوں تھے نورِ حشر سے
خورشید کے کسبِ ضیاء تیرے شر سے
ظاہر تری تفتدیر چو پہاڑے شر سے

دریا مُستِ لاطم ہوں تیری موج کھر سے
 شرمندہ ہو فطرت تری اعجازِ مہنہ سے
 اغیار کے افکار و تخیل کی کدالی
 کیا تجھ کو نہیں اپنی خودی تک بھی رسائی؟

مرزا بیدل

ہے حقیقت یا مری چشمِ غلط ہیں کافساد
 یہ زمین، یہ دشت، یہ کھسار، یہ چرخِ کبود
 کوئی کہتا ہے نہیں ہے کوئی کہتا ہے کہ ہے
 کیا خبر ہے یا نہیں ہے تیری دنیا کا وجود
 میرزا بیدل نے کس خوبی سے لھولی یہ لہر
 اہل حکمت پر بہت مشکل رہی بس کی لٹو
 ”دل اگر میداشت وسعت بے نشان بود این چمن
 ز ناکے بیرون شست از بسکہ دنیا تنگ بود“

۶۳۲
 ضرب کاظم
 ۱۳۲

جلال و جمال

مرے لیے فقط زورِ حیدری کافی
ترے نصیبِ فلاطوں کی تیزی اور اک
مری نظر میں یہی ہے جمال و زیبائی
کہ سر بسجود ہیں قوت کے سامنے افلاک
نہ چو جلال تو حسن و جمال بے تاثیر
زرا نفس ہے الغنم سونہ آتش ناک
مجھے سزا کے لیے بھی نہیں تسبول و آل
کہ جس کا شعلہ نہ ہو شند و سرشس و ببال!

مُصَوِّر

کس درجہ میں عام ہوئی مرگِ تخیل
پہندی بھی سنسرتگی کا مستند عجمی بھی!

مجھ کو تو یہی عنسہم ہے کہ اس دور کے بہتر
 کھونٹے بیٹھے ہیں مشرق کا سرور ازل بھی
 معلوم ہیں اے مردِ سنہ سیر کے کمالات
 صنعت تجھے آتی ہے پرانی بھی نئی بھی
 فطرت کو دکھایا بھی ہے دیکھا بھی ہے تونے
 آئینہ فطرت میں دکھا اپنی خودی بھی!

سرودِ حلال

کھل تو جاتا ہے مغنی کے ہم زبیر دل
 نہ رہا زندہ و پائندہ تو کیا دل کی کشودا
 سے ابھی سینہ افلاک میں سپاس وہ نوا
 جس کی گرمی سے پھل جاتے ستاروں کا وجود
 جس کی تاثیر سے اوم ہو غم و خوف کے پاک
 اور پیدا ہو ایازمی سے مست ارم محمود

۶۳۶

ضربِ کاہم

۱۳۶

مرد و انجسہم کا یہ حیرت انگیز کردہ باقی نہ رہے
 تو رہے اور ترا زمزم سے لاسوجود
 جس کو مشروع سمجھتے ہیں فقہرستان خودی
 منتظر ہے کسی سب سے کا ابھی تک وہ سرود!

سرد و حرام

نہ میرے ذکر میں ہے مضمون فیوں کا سوز و سرور
 نہ میرا فن کرے پیمانہ ثواب و عذاب
 خدا کرے کہ اسے تپتا ہے ساق ہو مجھ سے
 فقیر شہر کہ ہے محرم حدیث و کتاب
 اگر نوا میں ہے پوشیدہ موت کا پیغام
 حرام میری نگاہوں میں نائے چنگ و رباب!



۶۳۷
 ضرب کلیم
 ۱۳۷

فوارہ

یہ آبِ حیات کی روانی، یہ ہمکناری خال
میری نگاہ میں ناخوشی سے یہ نطارت
اُدھر نہ دیکھ، اُدھر دیکھ لے جو ان عزیز
بلند زور دُروں سے ہوا ہے فوارہ

شاعر

مشرق کے نیساں میں ہے محتاجِ نفس نے
شاعرِ ترکے سینے میں نفس ہے کہ نہیں ہے
تا شیرِ سلامی سے خودی جس کی ہوتی نرم
اچھی نہیں اُس قوم کے حق میں جیسی
شیشے کی ضراعی ہو کہ مٹی کا سبھو
ششیر کی مانند ہو سببِ نرمی میں تری

۶۳۸

ضربِ کلیم

۱۳۸

ایسی کوئی دُنیا نہیں افلاک کے نیچے
 ہے جس کہ ہاتھ آئے جہاں تختِ حرم کے
 چر بھٹنِ نریا طور، نہی برقِ تحسلی
 اللہ کرے حسدِ شوق نہ ہو طے!

شعرِ محرم

ہے شعرِ محرم کہ چہ طرب ناکِ دل آویز
 اس شعر سے کہ ہوتی نہیں شیرِ خود می تیز
 افسر وہ اگر اس کی نوا سے ہو گلستاں
 بہتر ہے کہ خاموش ہے مرغِ سخن خیز
 وہ ضربِ اگر کوہِ شکن بھی ہو تو کیا ہے
 جس نے مستزلزل نہ ہوئی دولتِ پریز
 اقبال یہ ہے حصارِ تراشی کا زمانہ
 از چہرِ چہر بائیس نہ نمایند بہ پریش

ہنسروراں ہند

عشق و ہستی کا جن زلفے تختیل ان کا
ان کے اندیشہ تاریک میں قوموں کے مزار
موت کی نقوش گم می ان کے صہنم خانوں میں
زندگی سے ہنسراں برہمنوں کا بیزار
چشم آدم سے چھپاتے ہیں مقاماتِ بلند
کرتے ہیں روح کو خوابِ بند، بدن کو بیدار
ہند کے شاعر صورتِ گرو افسانہ نویس
آہ، بیچاروں کے اعصاب پر عورت سے سوا



۶۲۰
ضربِ کلیم
۱۲۰

مرد بزرگ

اُس کی نفرت بھی عمیق، اُس کی محبت بھی عمیق
قہر بھی اُس کا ہے اللہ کے بندوں پر نسیت
پرورش پاتا ہے تفت لید کی تاریکی میں
ہے مگر اُس کی طبیعت کا تقاضا نسلیق
انہن میں بھی میسر رہی خلوت اُس کو
شمعِ محفل کی طرح سب کے جدا، سب کا نسیت
مثلِ خورشیدِ سحرِ فکری کی تابانی میں
بات میں ساوہ و ازادہ، معانی میں دقیق
اُس کا اندازِ نثر اپنے زمانے سے جدا
اُس کے احوال سے محرم نہیں سیرانِ طریق



۶۲۱
ضربِ کلیم
۱۲۱

عالمِ نو

زندہ دل سے نہیں پوشیدہ ضمیرِ تقدیر
خواب میں دکھتا ہے عالمِ نو کی تصویر
اور جب بانگِ اذان کرتی ہے سیدار اُسے
کرتا ہے خواب میں دکھی ہوئی دنیا سیر
بدن اس تازہ جہاں کا ہے اسی کی کفِ خاک
رُوح اس تازہ جہاں کی ہے اسی کی تکریر

ایجا و معانی

پہر چنند کہ ایجا و معانی ہے حسنِ ادوا
کوشش سے کہاں مردِ ہنرمند ہے ازا
خونِ رگِ سمار کی گرمی سے ہے تیسیر
میں اچھا سا فوطہ ہو کہ تختِ تازہ بہر سزا

۶۲۲

ضربِ کلیم

۱۲۲

بے محنت پیہم کوئی جو ہر نہیں کھلتا
روشن شہر تیرے سے ہے خانہ فرما

موسیقی

وہ نمبر سردی خون غزل سہرا کی دلیل
کہ جس کو سن کے تراپہ رت ناک نہیں
نوا کو کرتا ہے موجِ نفَس سے زہرِ اود
وہ نے نواز کہ جس کا ضمیر پاک نہیں
پھر امیں مشرق و مغرب کے لالہ زاروں میں
کسی چمن میں کربانِ لالہ چال نہیں

ذوقِ نظر

خودی بلبند تھی اس خون گرفت چینی کی
کہا غریب نے جلاوے سے دم سزیر

ٹھہر ٹھہر کر کہ بہت دل کشا ہے یہ منظر
ذرا میں دیکھ تو لوں تائب نامی کشمیر!

شعر

میں شعر کے اسرار سے محرم نہیں لیکن
یہ نکتہ ہے تاریخِ اُمم جس کی ہے تفصیل
وہ شعر کہ پیغامِ حیاتِ ابدی ہے
یا نعتِ جبریل ہے یا بانگِ سر افریل!

رقص و موسیقی

شعر سے روشن ہے جانِ حیرتِ سیلِ اہرن
رقص و موسیقی سے ہے سوز و سرورِ انجمن
فاش یوں کرتا ہے ال چینی حکیم اسرارِ فن
شعر کو یا روحِ موسیقی ہے رقص اس کا بدن!

۶۲۲
ضربِ کلیم
۱۲۲

ضبط

طریق اہل دنیا سے گلہ شکوہ زمانے کا
نہیں ہے زخم کھا کر آہ کرنا شانِ درویشی
یہ نکتہ چیرہ امانے مجھے خلوت میں سمجھایا
کہ ضبطِ فغانِ شیریں فغانِ واپسی ہمیشی!

قص

چھوڑ پورے لیے رقصِ بن کے سنم بیچ
روح کے رقص میں ہے ضربِ کلیم اللہی!
صلہ اس رقص کا ہے شنکی کام و وہن
صلہ اس رقص کا درویشی و شاہنشاہی!



سیاسات
مشرق و مغرب

۶۱۲
ضرب کلیم
۱۲۷

اشتراکیت

قوموں کی روش سے مجھے ہوتا ہے یہ معلوم
بے سود نہیں زوس کی یہ گرمی رستار
اندیشہ ہوا شخصی افکار پہ مجبور
فرسودہ طریقوں سے زمانہ ہوا ایسنا
انساں کی ہوس نے جنھیں رکھا تھا چھپا کر
کھلتے نظر آتے ہیں بتدیج وہ اسرا
شرآن میں ہو غوطہ زن اے مردِ مسلمان
اللہ کرے تجھ کو عطا جدت کو
جو حرفِ قیل العفویں پوشیدہ ہے اب تک
اس دور میں شاید وہ حقیقت ہو نمودار



۶۲۸
ضربِ کلیم
۱۲۸

کارل مارکس کی آواز

یہ علم و حکمت کی نمرہ بازی، یہ بحث و تکرار کی نمائش
نہیں ہے، ذہنی کواکب کو اپنے افکار کی نمائش
تری کتابوں میں اے حکیم معاش رکھا ہی کیا ہے آخر
خطوطِ حسنہ ار کی نمائش، مرز و کج دار کی نمائش
جہانِ مغرب کے بت لڑوں میں کلیسیاؤں میں مدرسوں میں
ہوس کی خوں زریاں چھپاتی ہے، عیار کی نمائش

انقلاب

نہ ایشیا میں نہ یورپ میں سوؤ و سازِ حیات
خودی کی موت ہے یہ اور وہ ضمیر کی موت
دلوں میں ولولہٴ انقلاب سے پیدا
قریب گئی شاید جہانِ پیر کی موت!

۶۲۹

ضربِ کلیم

۱۲۹

خوشامد

نیں کارِ جہاں سے نہیں آگاہ، و سکن
اربابِ نظر سے نہیں پوشیدہ کوئی راز
کہ تو بھی حکومت کے وزیروں کی خوشامد
دستورِ نیا، اور نئے دور کا اعزاز
معلوم نہیں ہے یہ خوشامد کہ حقیقت
کہ دے کوئی آلو کو اگر رات کا شہباز

مناصب

ہوا ہے بندہ مومن فسونی افرنگ
اسی سبب سے قلند کی آنکھ سے نم ناک
ترے بلند مناصب کی خیر ہو یا رب! |
کہ ان کے واسطے تو نے کیا خودی کو ہلاک

مگر یہ بات چھپاتے سے چھپ نہیں سکتی
 سمجھ گئی ہے اسے ہر طبیعتِ چالاک
 شرابی کلمِ علاموں کو کر نہیں سکتے
 خریدتے ہیں منقذ ان کا جوہر اور اک!

یورپ اور یہود

یہ عیش فرماواں یہ حکومتِ یہ تجارت
 دل سینہ بے نور میں محسوس تہمت
 تاریکیے افزائشِ سینوں کے دھوئیں سے
 یہ واہی امین نہیں شایانِ تہمت
 ہے نزع کی حالت میں یہ تہذیبِ جاہل
 شاید ہوں کلیسا کے یہودی مُتولی!



نفسیاتِ غلامی

شاعر بھی ہیں پیدا، علمِ ساجھی، حکمِ ساجھی
حالی نہیں قوموں کی غلامی کا زمانہ
مقصد ہے ان اللہ کے بندوں کا مگر ایک
ہر ایک ہے کوششِ شرحِ معانی میں سجانہ
بہتر ہے کہ شیروں کو سلکھاویں رمِ آہو
باقی نہ رہے شیر کی شیری کا فسانہ،
کرتے ہیں غلاموں کو غلامی پہ ضامن
تاویل مسائل کو بناتے ہیں بیانہ



۶۵۲
ضربِ کلیم
۱۵۲

بلشویک روس

روش قضائے الہی کی ہے عجیب و غریب
خبر نہیں کہ خبر میر جہاں میں ہے کیا بات
ہوتے ہیں کس پر چلے پاپا کے واسطے مامو
وہی کہ حفظِ چلیپا کو جانتے تھے نجات
یہ وحشی دہریتِ روس پر ہوتی نازل
کہ توڑ ڈال کلیسیائیوں کے لات و منات!

آج اور کل

وہ کل کے غم ویشس پہ کچھ حق نہیں رکھتا
جو آج خود اس روز جو بکروز نہیں ہے
وہ قوم نہیں لائق ہے سنگامہ نورا
جس قوم کی تقدیر میں امروز نہیں ہے!

مشرق

مری نوا سے کریب ان لالہ چاک ہوا
نسیم صبح چمن کی تلاش میں ہے ابھی
یہ مصطفیٰ نہ رضا شاہ میں نمود اس کی
کہ زوہر شرق بدن کی تلاش میں ہے ابھی
مری خودی بھی سزا کی ہے مستحق لیکن
زمانہ دارورسن کی تلاش میں ہے ابھی

سیاستِ افرنک

ترمی حرفیے یارب سیاستِ افرنک
مگر ہیں اس کے پجاری فقط امیر و رئیس
بنایا ایک ہی ابی سزا کے لئے
بنائے خاک کے اس نے دو صد ہزار اہل میں!

۶۵۲
ضربِ کلیم
۱۵۲

جواہر کی

دورِ حاضر ہے حقیقت میں وہی عہدِ قدیم
ایلِ سبب وہ ہیں یا ایلِ سیاست میں امام
اس میں پوری کی کرامت ہے نہ میری کا ہے نور
سیکڑوں صدیوں سے خوں کر ہیں سلامی کے عوام
جواہر کی میں کوئی مشکل نہیں رہتی باقی
پختہ ہو جاتے ہیں جب خوں عن سلامی میں غلام!

غلاموں کے لیے

حکمتِ مشرق و مغرب نے سکھایا ہے مجھے
ایک نکتہ کہ غلاموں کے لیے ہے کسیر
دین ہو، فلسفہ ہو، فقر ہو، سلطانی ہو
ہوتے ہیں پختہ عہد کی بنا پر کسیر

حرف اس قوم کا بے سوز، عمل ناز و زنبوں
ہو گیا نچتہ عقائد سے تہی جس کا ضمیر!

اہلِ مصر سے

خود ابوالہول نے نیکت سیکھ لیا مجھ کو
وہ ابوالہول کہ ہے صاحبِ اسرارِ قدیم
فہمہ جس سے بدل جاتی ہے تعتیرِ اُمم
ہے وہ قوت کہ عرفی اس کی نہیں عقلِ حکیم
ہر زمانے میں دلروں ہے طبیعت اس کی
کبھی شمشیر محمد ہے، کبھی چوبِ کلیم!



۶۵۶

ضربِ کلیم

۱۵۶

ابی سینیا

(۱۸ اگست ۱۹۳۵ء)

یورپ کے لڑکوں کو نہیں ہے ابھی خبر
ہے کتنی زہرناک ابی سینیا کی لاش
ہونے کو ہے یہ مُردۂ دیرینہ قاش قاش!
تہذیب کا کمال شرافت کا بے زوال
غارت گری جہاں میں ہے اقوام کی معاش
ہر لڑکے کو ہے بڑے معصوم کی تلاش!
ارے واٹے ابروئے کلپیا کا آئینہ
رومانے کرویا سرب بازار پاش پاش
پیر کلپیا! یہ حقیقت ہے دگر اش!



ابلیس کا فرمان اپنے سیاسی فرزندوں کے نام*

لا کر بڑے سمنوں کو سیاست کے پیچ میں
زُتاریوں کو دیر کھن سے نکال دو
وہ فاقہ کش کہ موت کے ڈرنا نہیں فرا
رُوحِ محمدؐ اس کے بدن سے نکال دو
فکرِ عرب کوٹے کے فرنگی تختلات
اسلام کو حجاز و یمن سے نکال دو
افغانیوں کی غیرت دین کا ہے یہ علاج
ملا کو ان کے کوہ و دمن سے نکال دو
اہلِ حرم سے ان کی روایا چھین لو
انہو کو مر عن زارِ ختن سے نکال دو

* بھوپال (شیش محل) میں لکھے گئے

۶۵۸

ضربِ کلیم

۱۵۸

اقبال کے نفس سے ہے لالے کی آگ تیز
ایسے غزل سدا کو چمن سے نکال دو!

* جمعیتِ اقوامِ مشرق

پانی بھی مسحت ہے پتھر بھی مسحت
کیا ہو جو نگاہِ فلک پر بدل جائے
دیکھا ہے ملکیتِ افرنک نے جو خواب
ممکن ہے کہ اُس خواب کی تعبیر بدل جائے
طہران ہو کر عالمِ مشرق کا جنیوا
شاید کُردۂ ارض کی تعتیر بدل جائے



* بھوپال (شمیش محل) میں لکھے گئے

سُلطانی جاوید

غواص تو فطرت نے بنایا ہے مجھے بھی
لیکن مجھے اعماقِ سیاست سے پرہیز
فطرت کو اور انہیں سُلطانی جاوید
مہر چاند کہ یہ شہدہ بازی ہے دل آویز
فرہاد کی خارا شکنی زندہ ہے اب تک
باقی نہیں دنیا میں ملوکتیت پروریا

جمہوریت

اس راز کو اک مزدِ فرنگی نے کیا فاش
مہر چاند کہ دانا اسے کھولا نہیں کرتے

جمہوریت اک طرز حکومت ہے کہ جس میں
بندوں کو لٹکا کرتے ہیں، تو لانا نہیں کرتے!

یورپ اور سوویا

فرنگیوں کو عطا خاکِ سوویا نے کیس
نبیِ عفت و عنم خواری و کم ازاری
صدہ فرنگ سے آیا ہے سوویا کے لیے
مے و قمار و ہجومِ زنانِ بازاری!

مسو لینی *

(اپنے مشرقی اور مغربی حریفوں سے)

کیا زمانے سے نرالا ہے مسو لینی کا جرم!
بے محسب بگڑا ہے معصومانِ یورپ کا مزاج

* ۲۲ اگست ۱۹۳۵ء بھوپال (شیش محل) میں لکھے گئے

میں مچھلتا ہوں تو چھلنی کو بڑا لگتا ہے کیوں
 ہیں سبھی تہذیب کے اوزار! تو چھلنی میں چھلج
 میرے سوداے ملوکیت کو ٹھکراتے ہو تم
 تم نے کیا توڑے نہیں کمزور قوموں کے راج
 یہ عجائب شعبہ کے کس کی ملوکیت کے ہیں
 راجدھانی ہے، مگر باقی نہ راج ہے نہ راج
 ال سیز چو پنے کی آبیاری میں ہے
 اور تم دنیا کے بخر بھی نہ چھوڑو بے خراج!
 تم نے لوٹے بے نوا صحرائشینوں کے خیم
 تم نے لوٹی کشتِ دہقان تم نے لوٹی تختِ تاج
 پردہ تہذیب میں غارتگری آدم کشی
 کل زوار لکھی تھی تم نے، میں زوار لکھتا ہوں آج!



۶۶۲
 ضربِ کلیم
 ۱۶۲

گلد

معلوم کسے ہند کی تفتدیر کہ اب تک
بیچارہ کسی تاج کا تاہند نہ کھیں ہے
دہشتاں ہے کسی قبر کا اظلا ہوا مردہ
بوسیدہ کفن جس کا ابھی زیر زمین ہے
جاں بھی لکڑو غیب سر بدن بھی لکڑو غیب
افسوس کہ باقی نہ مکاں ہے نہ ملیں ہے
یورپ کی عنلامی پہ رضامند ہوا تو
مجھ کو تو گلد تجھ سے ہے یورپ سے نہیں ہے!

انتداب

کہاں فرشتہ تہذیب کی ضرورت ہے
نہیں زمانہ حاضر کو اس میں دشواری

جہاں ستار نہیں زق ٹنک لباس نہیں
 جہاں آرام ہاتے ہیں شعل سے خواری
 بدن میں گرچہ ہے اک رُوح ناشکیب و سیق
 طرعت سے آبِ جَد سے نہیں ہے سبزیاری
 خسور وزیر یک و پر دم ہے بچ پتر بڑمی
 نہیں ہے فیض مکتب کا چشمہ جاری
 نطن و زان سنرنگی کا ہے یہی سنتوی
 وہ سنر میں مدنت سے ہے ابھی عاری!

لا دین ستیا

جو با ت حق ہو وہ مجھ سے چھپی نہیں رہتی
 خدا نے مجھ کو دیا ہے دل خسیر و بصیر
 مری نگاہ میں ہے یہ سیاستِ لا دین
 کس نیز اہر من و دوں نہاد و مردہ خسیر

۲۶۲
 ضربِ کلیم
 ۱۶۲

ہوتی ہے ترکِ کلیسا سے حال کی آزاد
 فرنگیوں کی سیاست ہے دیوبند زنجیر
 متاعِ غم یہ ہوتی ہے جب نظر اس کی
 تو ہیں ہر اول شکرِ کلیسا کے سفیر!

دامِ تہذیب

اقبال کو شک اس کی شرافت میں نہیں ہے
 ہر ملتِ مظلوم کا یورپ ہے حسرتِ بیدار
 یہ پیرِ کلیسا کی ذراست ہے کہ اس نے
 بجلی کے چراغوں سے منور کیے افکار
 جلتا ہے ملکِ شام و فلسطین چمر اول
 تہذیب سے کھلتا نہیں عجمتِ قد و شوا
 ترکانِ جفا پیشہ کے پنجے سے نکل کر
 بیچارے ہیں تہذیب کے پھندے میں گرفتار!

۶۶۵

ضربِ کلیم

۱۶۵

نصیحت

اک لڑو سنزلی نے کہا اپنے پسر سے
منظر وہ طلب کر کہ تری آنکھ نہ پوسیر
بیچارے کے حق میں ہے ہی سب بڑا مسلم
بڑے پہ اگر فاشس کریں قاعدہ شیر
سینے میں سے راز نکلو کا نہ تو بہت
کرتے نہیں محکم کو تنیوں کے کبھی یہ
تعلیم کے تیزاب میں ڈال اس کی خودی جو
چو جاتے ملائم تو جدھر چاہتے اچھے پیر
تائیر میں اکیسیر سے بڑھ کر ہے تیریزل
سونے کا ہمالہ ہو تو مٹی کا ہے اک چھسیر!



۶۶۶
ضرب کلیم
۱۶۶

ایک کھری قزاق اور کند

کند

جہد تیرا تری زنجیر یا شمشیر ہے میری
کہ تیری رہزنی سے تنگ ہے دریا کی پہنائی!

قزاق

سکندر! حیف، تو اس کو جو ان مڑی سمجھتا ہے
گوارا اس طرح کرتے ہیں، چشموں کی رسوائی؟
تراپیشے سفاکی، مراپیشے سفاکی
کہ ہم قزاق ہیں، دونوں تو سیدانی، میں دریائی!



جمعیتِ اوقاف

بچپاری کئی روز سے دم توڑ رہی ہے
ڈر ہے خیر بد نہ مرے مُنہ سے نکل جائے
تقدیر تو مُنبہم نظر آتی ہے لیکن
پیرانِ کلیسا کی دعائے یہ ہے کہ ٹل جائے
ممکن ہے کہ یہ دوا شتہ پیرا فرناک
ابلیس کے تعویذ سے کچھ روز سنبھل جائے!

شامِ فلسطین

رندانِ نیرایس کا یحنا نہ سلامت
پڑے مگر ناک سے ہر شیشہ حلب کا
ہے خاکِ فلسطین یہ یہودی کا الرحق
ہسپانیہ پر حق نہیں کیوں اہل عرب کا

مقصد ہے ملوکیت انگلیس کا کچھ اور
قصہ نہیں نارج کا یا شہد و رطب کا

سیاسی پیشوا

امید کیا ہے سیاست کے پیشواؤں سے
یہ خال باز ہیں رکھتے ہیں خاک سے پیوند
ہمیشہ مور و مگس پر نگاہ ہے ان کی
جہاں میں ہے صفت عنکبوت ان کی کند
خوشا وہ قافلہ جس کے امیر کی ہے ستاع
تختیل ملکوئی جب ذبہ ہاتے بلند!

نفسیاتِ غلامی

سخت باریک ہیں امراضِ اُمم کے اسباب
کھول کر کہیے تو کرتا ہے بیجاں کو تاپی

دین شیری میں غلاموں کے امام اور شیوخ
دیکھتے ہیں منقطع الٰہ فلسفہ زوباہی
ہوا اگر قوتت منعمون کی درپردہ مُرید
قوم کے حق میں ہے لعنت وہ کلیم اللہ!

غلاموں کی نماز

(ترکی وفدِ ہلالِ احمر لاہور میں)

کہا مجھ سے کہ ترکی نے مجھ سے بعد نماز
طویل سجڈ ہیں کیوں اس قدر تمہارے امام
وہ سادہ مردِ سادہ، وہ مومنِ آزاد
خبر نہ تھی اُسے کیا چیز ہے نمازِ غلام
ہزار کام ہیں مردانِ حُر کو دنیا میں
انہی کے ذوقِ عمل سے ہیں اُمتوں کے نظام

۶۰
ضربِ کلیم
۱۶۰

بدنِ عنسلام کا سوزِ عمل سے ہے محروم
 کہ ہے مُرورِ غلاموں کے روز و شب پہ حرام
 طویلِ سجدہ اگر ہیں تو کبیا تعجب ہے
 ورائے سجدہ غریبوں کو اور کیا ہے کام
 خدا نصیب کرے پسند کے اماموں کو
 وہ سجدہ جس میں ہے ملت کی زندگی کا پیام!

فلسطینی عرب سے

زمانہ اب بھی نہیں جس کے سوز سے فارغ
 میں جانتا ہوں وہ آتش تڑے وجود میں ہے
 تری دوانہ جنیوا میں ہے نہ لندن میں
 فرنگ کی رگِ جاں پنجبہ یہود میں ہے
 سنا ہے میں نے غلامی سے امتوں کی بجات
 خودی کی پرورش ولذت نمود میں ہے!

مشرق و مغرب

یہاں مرض کا سبب ہے غلامی و تفتلید
وہاں مرض کا سبب ہے نظامِ شہوری
نہ مشرق اس کے بری ہے نہ مغرب اس کے بری
جہاں میں عالم ہے قلب و نطن سر کی زنجوری

نفسیاتِ حامی

(اصلاحات)

یہ ہے بے نہری صیاد کا پڑھ
اتنی نہ مرے کام مری تازہ صفیری
رکھنے لگا مڑھ جاتے تھوڑے پھولِ قفس میں
شاید کہ اسیروں کو لو ارا ہو اسیری!



۶۶۲
ضربِ کاہلیم
۱۶۲

محراب گل افغان کے انسان

۶۶۳
ضرب کلیم
۱۶۳

محرابِ گل افغان کے افکار



میرے کہستاں! تجھے چھوٹے جاؤں کہاں
تیری چٹانوں میں ہے میرے آبِ وجد کی خال
روزِ ازل سے ہے تو منزلِ شاہینِ مرغ
لالہ گل سے تھی، عنبرِ بلبل سے پاک
تیرے حنمِ پیچ میں میری ہشتبیں
خالِ تری عنبریں، آبِ ترا تا بنال



۶۶۲
ضربِ کلیم
۱۶۲

باز نہ ہو گا کبھی بندہ کبک و سوم
 حفظِ بدن کے لیے رُوح کو کروں ہلاک!
 اے مرے فقرِ غیور! فیصلہ تیرا ہے کیا
 خلعتِ انگریز یا سپرین چاک چاک!



حقیقتِ ازلی ہے رقابتِ اقوام
 نگاہِ پیرِ فلک میں نہ میں عزیز نہ تو
 خودی میں ڈوب زمانے سے ناامید نہ ہو
 کہ اس کا زخم ہے در پر وہ آہتم موفو
 رہے گا تو ہی جہاں میں یگانہ ویسکتا
 اتر لیا جو ترے دل میں لاشکر نیک لہ





ترمی دُعا سے قضا تو بدل نہیں سکتی
مگر ہے اس سے یہ ممکن کہ تُو بدل جائے
ترمی خودی میں اگر اعتلاب ہو پیدا
عجب نہیں ہے کہ یہ چار سُو بدل جائے
وہی شراب، وہی ہائے و جو رس ہے باقی
طریق ساقی و رسم کدُو بدل جائے
ترمی دُعا ہے کہ ہوتی سیری آرزو پوری
مری دُعا ہے ترمی آرزو بدل جائے!



کیا چرخ کج رو، کیا مہر، کیا ماہ
سب راہرو ہیں و اماندہ راہ

۶۷۶
ضرب کلیم
۱۶۶

کڑکا سکندر بجلی کی مانند
 تیجھ کو خبر سے اسے مرگِ ناکاہ
 نادر نے لوٹی دلی کی دولت
 اک ضربِ شمشیر، افسانہ کوتاہ
 افسانہ باقی، کسار باقی
 اٹھ کھڑے! اٹھ کھڑے!
 حاجت سے مجبور مردانِ آزاد
 کرتی ہے حاجت شیروں کو روباہ
 محرمِ خودی سے جس دم ہوا فقر
 تو بھی شہنشاہ، میں بھی شہنشاہ!
 قوموں کی تقدیر وہ مردِ درویش
 جس نے نہ ڈھونڈی سلطان کی درگاہ





یہ مدرسہ یہ کھیل یہ غوغائے روارو
اس عیش فرادواں میں ہے ہر لحظہ غم نو
وہ علم نہیں زہر ہے اسرار کے حق میں
جس علم کا حاصل ہے جہاں میں دو کف جو
ناداں! ادب و فلسفہ کچھ چیز نہیں ہے
اسباب ہنر کے لیے لازم ہے تاکہ دو
فطرت کے تو ایسے چغالبے ہنر مند
شام اس کی ہے مانند سحر صاحب پر تو
وہ صاحب فن چاہے تو فن کی برکت سے
ٹپکے بدن سے شبنم کی طسح ضنوا!



۶۷۸

ضرب کلیم

۱۷۸



جو عالم ایجاد میں ہے صاحب ایجاد
ہر دور میں کرتا ہے طوائف اس کا زمانہ

تفتلید سے ناکارہ نہ کر اپنی خودی کو
کر اس کی حفاظت کہ یہ کوہر ہے یہ گمانہ

اُس قوم کو تجلید کا سینا مبارک!
ہے جس کے تصور میں فقط بزم شبانہ

لیکن مجھے ڈر ہے کہ یہ آوازہ تجلید
مشرق میں ہے تفتلید فرنگی کا ہنہ





رومی بد لے، شامی بد لے، بدلا ہندستان
تو بھی لے فرزند کہستاں! اپنی خودی پہچان

اپنی خودی پہچان
او غافل فہستان!

موسم اچھا، پانی و آس، مٹی بھی زرخیز
جس نے اپنا کھیت نہ سینچا، وہ کیسا دہقان

اپنی خودی پہچان
او غافل فہستان!

اُونچی جس کی لہر نہیں ہے، وہ کیسا دریائے
جس کی ہوائیں تند نہیں ہیں، وہ کیسا طوفان

اپنی خودی پہچان
او غافل فہستان!

۶۸۰
ضرب کلیم
۱۸۰

ٹھونڈ کے اپنی خاک میں جس نے پایا اپنا آپ
اُس بندے کی وسعتانی پر سلطانِ قربان

اپنی خودی پہچان

او غافلِ فہمان!

تیری بے علمی نے رکھ لی بے علموں کی لاج
عالمِ فاضل بیچ رہے ہیں اپنا دین ایمان

اپنی خودی پہچان

او غافلِ فہمان!



زراغ کہتا ہے نہایت بد نما ہیں تیرے پر
شپرک کہتی ہے تجھ کو کور چشم و بے ہنر
لیکن اے شہباز! یہ مرغِ ان صحرا کے اچھوت
ہیں فضائے نیلگوں کے پیچ و خم سے خبر

ان کو کیا معلوم اس سارے کے احوال و مقام
روح ہے جس کی دم پرواز ستار پائندہ!



عشق طینت میں فرومایہ نہیں مثل چوس
پر شہباز سے ممکن نہیں پرواز گس
یوں بھی دستورِ گلستاں کو بدل سکتے ہیں
کہ شیمن چھوٹا دل یہ کراں مثل قفس
سفرِ آما وہ نہیں منتظرِ بانابِ ریل
ہے کہاں قافلہ موج کو پروا ہے جبرس
گرچہ مکتب کا جواں زندہ نطن آتا ہے
مردہ ہے مانا کے لایا ہے فرنگی سے نفس
پرویش دل کی اگر نطن ہے تہجہ کو
مرد مومن کی نگاہ نطن انداز ہے بس!

۶۸۲
ضربِ کلیم
۱۸۲



وہی جواں ہے قبیلے کی آنکھ کا تارا
شبابیں کا ہے بے داغ ضربے کا رمی
اگر ہو جنگ تو شیرانِ غائب کے بڑھ کر
اگر چو سلع تو رعنا عنزال تا تارمی
عجب نہیں ہے اگر اس کا سوز ہے ہمہ سوز
کنیستاں کے لیے بسج ایک چنگاری
خدا نے اس کو دیا ہے شکوہ سلطانہ
کہ اس کے فقر میں ہے حیدری و کزازی
نگاہِ کم سے نہ دیکھ اس کی بے گلاہی کو
یہ بے گلاہ ہے سرمایہ کلمہ داری





حس کے رتوں سے منور رہی یہ سب ہوش
پھر بھی ہو سکتا ہے ہوش چہ پرانے خاموش
مرد بے حسد کرتا ہے زمانے کا کلمہ
بندہ حسد کے لیے شہرِ تقدیر میں ہوش
نہیں بننا مگر یہ سب کمال کے لائق وہ جو اس
جو ہوا مالہ مرعنانِ حسد کے مد ہوش
مجھ کو ڈر ہے کہ طعن لازہ طبیعت تیری
اور عیت سار ہیں یوں کے شکر پارہ فروش!



لا دینی و لاسینی، س پیچ میں ابھارتو
وارو ہے ضعیفوں کا اُغالب الّاھو،

۱۸۲
ضربِ کلیم
۱۸۲

صہیاد معانی کو یورپ کے نو مہرے
 دانش سے فضا لین بے نام تمام انہو
 بے اشکاب سحر کا ہی تقویم خودی شکل
 یہ لالہ پیکانی خوشتر ہے کمنار جو
 صہیاد ہے کافر کا، پنچ پر ہے مومن کا
 یہ دیر لہن یعنی تخت نامہ رنگ و بو
 اے شیخ، امیروں کو جس کے نکلاو اوسے
 ہے ان کی سازوں سے محراب شش اربو



مجھ کو تو یہ ذہن نظر اتی ہے دگرگوں
 معلوم نہیں دیکھتی ہے تیری نظر کیا
 ہر سینے میں اک صبح قیامت کے نمودار
 انکار جوانوں کے ہوتے زیر و زبر کیا

کر سکتی ہے بے مہر کچھینے کی تلافی
 ایسے پیر حرم تیسری مناجات سحر کیا
 ممکن نہیں تخلیق خودی حنا نقہوں سے
 اس شعلہ نم خوردہ سے ٹوٹے کاش کر کیا!



بے جرات نڈانہ ہر عشق ہے روپا ہی
 بازو ہے قوی جس کا، وہ عشق ید الہی
 جو سختی منزل کو سامانِ سخن سمجھے
 اے روانے تن آسانی اپنا پیدا ہے وہ رہی
 وحشت نہ سمجھ اس کے سروک مسدانی
 کسار کی خلوت ہے تعلیم خود کا ہی
 وئیسا ہے روایاتی عقیقی ہے مناجاتی
 در باز و عوالم را، این است شہنشاہی!

۲۸۶

ضرب کلیم

۱۸۶



ادم کا خمیسا اس کی حقیقت پہ ہے شاہد
مشکل نہیں اے سالک! ہر علم تیری
فولاد ہواں رہتا ہے شیر کے لائق
پیدا ہوا اس کی طبیعت میں حریری
خود دار نہ ہو فتور تو ہے قرہ الہی
ہو صاحبِ غیرت تو ہے تہمت امیری
افرنانگ ز خود بے خبرت کرو ورنہ
اے بندہ مومن! تو بشیری تو نذیری!



قوموں کے لیے ہوتے ہیں مرکز سے جدائی
ہو صاحبِ مرکز تو خودی کیا ہے خدائی!

جو فہم تر نہوا تلخی دوران کا گلہ مند
 اُس فہم تر میں باقی ہے ابھی بونے کدائی
 اس فور میں بھی مردِ حُشا کو ہے پیٹیر
 جو مجبوزہ پرست کو بنا سکتا ہے رانی
 در معرکہ بے سوز تو ذوقِ قے نتواں یافت
 اے بندۂ مومن تو جانی تو کجانی
 خورشیدِ ابرار پر وہ شرق سے نکل کر
 پہنا مرے کسار کو بلبو حسانی



آگ اس کی ٹھونک دیتی ہے برناو پیر کو
 لاکھوں میں ایک بھی ہو الرضا حبیبی یقین
 ہوتا ہے کوہِ وڈشت میں پیدائش بھی
 وہ مرد جس کا فہم تر خرف کو لے نہجیں

۶۸۸
 ضربِ کلیم
 ۱۸۸

تو اپنی سرنوشت اب اپنے قلم سے لکھ
 خالی رکھی ہے جس نامہ حق نے تری بسیر
 یہ سیکلوں فضیلت جسے کہتے ہیں آسماں
 ہمت پرورش تو حقیقت میں کچھ نہیں
 بالائے سر رہا تو ہے نام اس کا آسماں
 زیر پر ایک تو یہی آسماں، زمین!



نیکو تہ خوب کہا شیر شاہ سُوری نے
 کہ استیازِ قبائل تمام تر خواری
 عزیز ہے انھیں نام وزیری و محسود
 ابھی یہ خلعتِ افغانیت سے ہیں عاری
 ہزار پارہ ہے کہ ساری مسلمان
 کہ ہر قبیلہ ہے اپنے بتوں کا زناری

وہی حرم ہے وہی عتبارِ لات و منات
حُدا نصیب کرے تجھ کو ضربِ کاردی!



نگاہ وہ نہیں بس رخ و زرد پہ چلنے
نگاہ وہ ہے کہ محتاجِ شکرہ نہیں
فرنگ سے بہت آگے ہے منزلِ مومن
قدم اٹھا یہ تمام انتہائے راہ نہیں
کھلے ہیں سب کے لیے خربوں کے میخانے
علوم تازہ کی کستریاں سنہ نہیں
اسی سرور میں پوشیدہ موت بھی ہے تری
ترے بدن میں الرسوزِ لالہ نہیں
سنیں گے میری صدا خانزادگانِ کبیر؟
گلیم پوش ہوں میں صاحبِ کلاہ نہیں!

۶۹۰
ضربِ کلیم

۱۹۰



فطرت کے مقاصد کی کرتا ہے نگہبانی
یابندہ صحرائی یا مرو کھستانی
وہیہ میں محاسن ہے تہذیب فسون کرکا
ہے اس کی فستیری میں ساری سلطان
یہ حسن لطافت کیوں وہ قوت و شوکت کیوں
بلبل چمنستانی شہباز بیابانی
اے شیخ ابہت اچھی مکتب کی فضا، لیکن
بنتی ہے بیاباں میں ناروقی و سلمانی
صدیوں میں کہیں پیدا ہوتا ہے حرفت اس کا
تلوار تہ تیہی میں صہب کے مسلمان!



ارمغانِ حجاز

اُردو

اقبال

۲۹۳

ارمغانِ حجاز

۱

۱م = حضور حق
 ۲م = حضور برون
 ۳م = حضور است

سرود شماره ۲۲
 در شب آینه در زیر زلف از نور نازک
 نفسم گم کردی تا بد خبر و با خبر ای
 در خورشید گله ای

سرود شماره ۲۳
 در خورشید گله ای
 در خورشید گله ای
 در خورشید گله ای
 در خورشید گله ای
 در خورشید گله ای

سرود شماره ۲۳
 مجو از رخ کلام عارفانه
 در رخ کلام عارفانه
 سر من لاله گویا لاله در باغ
 بیفتانم چو چشم دانه دانه با

۴۹۲
 اصفهان مجاز
 ۲

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

فہرست

۷۰/۹	ابلیس کی مجلس شوریٰ	۱
۷۱۳/۲۱	بڑے بلوچ کی نصیحت بیٹے کو	۲
۷۱۵/۲۳	تصویر و مصوّر	۳
۷۱۶/۲۵	عالم برزخ	۴
۷۲۱/۲۹	مسنزل شہنشاہ	۵
۷۲۲/۳۰	دوزخی کی سنا جاست	۶
۷۲۳/۳۱	مسعود مرحوم	۷
۷۲۶/۳۲	اوز غیب	۸

رباعیات

- ۱ بری شاخ اہل کا ہے شرکیا ۷۲۹/۳۷
- ۲ فراغت دے اسے کارِ جہاں کے ۷۳۰/۳۸
- ۳ دلروں عالمِ شام و سحر کر ۷۳۰/۳۸
- ۴ عنبر سی میں ہوں محسوس آہی سری ۷۳۱/۳۹
- ۵ حسرت کی تنگ دامانی سے سنریا ۷۳۱/۳۹
- ۶ کہا اقبال نے شیخِ حرم سے ۷۳۲/۴۰
- ۷ کہن ہنسکار ہاتے آرزو سہرو ۷۳۲/۴۰
- ۸ حدیثِ بندہ مومن دل آویز ۷۳۳/۴۱
- ۹ تیسرے خار و گل سے آشکارا ۷۳۳/۴۱
- ۱۰ نہ کر ذکرِ منہراق و آشنائی ۷۳۴/۴۲
- ۱۱ ترے دریا میں طوفان کیوں نہیں ہے ۷۳۴/۴۲
- ۱۲ حسرت دیکھے اگر دل کی نگہ سے ۷۳۵/۴۳
- ۱۳ کبھی دریا سے مشیل موج ابھر کر ۷۳۵/۴۳

ملا زادہ ضمیمہ لولابی کشمیری کا بیاض

- | | | |
|--------|----|--|
| ۷۳۷/۲۵ | ۱ | پانی ترے چشموں کا تڑپتا ہوا سیلاب |
| ۷۳۸/۲۶ | ۲ | موت ہے اک سخت تر جس کا غلامی ہے نام |
| ۷۳۹/۲۷ | ۳ | آج وہ شیر ہے محکوم و مجبور و فستیر |
| ۷۳۹/۲۷ | ۴ | گرم ہو جاتا ہے جب محکوم قوموں کا لہو |
| ۷۴۰/۲۸ | ۵ | دُراج کی پرواز میں ہے شوکتِ شاہیں |
| ۷۴۱/۲۹ | ۶ | رندوں کو بھی معلوم ہیں صوفی کے کمالات |
| ۷۴۱/۲۹ | ۷ | ننگل کر حن نفاچوں سے ادا کر رسمِ شہیری |
| ۷۴۲/۵۰ | ۸ | سجھتا ہوں لی بوند اگر تو اسے تو خیر |
| ۷۴۳/۵۱ | ۹ | کھنکھن چپسن میں کتب خانہ نکل |
| ۷۴۴/۵۲ | ۱۰ | ازاد لی رک سخت ہے مانند رکِ سند |
| ۷۴۵/۵۳ | ۱۱ | تمام عارف و عامی خودی سے بیگانہ |
| ۷۴۶/۵۴ | ۱۲ | دگرگوں جہاں ان کے زورِ عمل سے |

۷۲۷/۵۵	۱۳	نشاں یہی ہے زلمنے میں زندہ قوموں کا
۷۲۸/۵۶	۱۴	چہ کا منہ نہ قمارِ حیاتِ می بازی
۷۲۹/۵۷	۱۵	ضمیمہ سیرِ سبکے تاجرانہ ضمیرِ مشرق سے رہا ہوا
۷۵۰/۵۸	۱۶	حاجت نہیں اے خطہ کل شرح و بیاساں کی
۷۵۱/۵۹	۱۷	خود آگاہی نے سکھلا دی ہے جس کو تن فراموشی
۷۵۱/۵۹	۱۸	اے عزمِ بلند آور اے سوزِ جگر اور
۷۵۲/۶۰	۱۹	غریب شہریوں میں سن تو لے مری فریاد



۷۵۳/۶۱	۱	سراکبرِ حیدری
۷۵۳/۶۲	۲	صدرِ اعظم حیدرآباد و دکن کے نام
۷۵۳/۶۲	۳	حضرت انساں



۶۹۸
ایضاً حجاز

۶

اُردو نظمیں

۴۹۹
ایمان مجاز

ابلیس در مجلس خودے

ابلیس

۱ یہ خاطر کا پرانا کھیل! یہ دنیا ہے دروں!
ساکنین عرش اعلم کہ تمہاروں ہوں!

۲ ~~سنیہ~~ اگر کہ شہزادی بیچ آمان ہے وہ لاکھ
جنے اگر نام رکھا ہے جہان کاف و زوں

۳ کوزا کرے گا ہے اسے آتش خودی کو سرد

۴ حکم بٹھا مولیٰ میں ہر ابلیس ہنہ دروں
۵ ~~ہم~~ دیکھو دنیا فرنگی کو حرکت ہ غریب

۶ نے ہنہ توڑا ہے مسجد و دیرو کیوں ہنوں!

۷ ہنہ ناداروں سکھایا تھا تندر کا

۸ نے ہنہ غم کو دیا سرمایہ دلہ کا ہنوں!

۹ ~~تازہ چکے~~ حکم خیر میں ہار کا آسان سے بلند

۱۰ کوزا کرے گا ہے اسے آتش خودی کو سرد

۴۰۰
افغان مجاز
۸

ابیس کی محلِ شوریٰ

۱۹۳۶ء

ابیس

یہ عین صبر کا پُرانا کھیل، یہ دنیا کے فُوں
ساکنانِ عشرِ اعظم کی تمناؤں کا خون!
اس کی بربادی پہ راجِ امانہ ہے وہ کار ساز
جس نے اس کا نام رکھا تھا جہاں کافروں
میں نے دیکھا دایا فرنی کو ملوکتیت کا خواب
میں نے توڑا مسجدِ ویر و کلیسا کافسوں

میں نے ناداروں کو سکھلایا سبق تفتدیر کا
 میں نے مُنعم کو دیا ساری کا خون
 کون کر سکتا ہے اس کی آتش سوزاں کو سرد
 جس کے سینکھاموں میں ہو اسی کا سوز دروں
 جس کی شاخیں ہوں ہماری آبیاری سے بلند
 کون کر سکتا ہے اُس نخل لہن کو سوز گوں!

پہلا شیر

اس میں کیا شک ہے کہ محکم ہے یہ ابلیسی نظام
 پُختہ اس سے ہوتے خوتے غلامی میں عوام
 ہے ازل سے ان عنبریوں کے مقدر میں سجود
 ان کی فطرت کا تقاضا ہے ساز بے قیام
 ارزوا اول تو پیدا ہو نہیں سکتی کہیں
 ہو کہیں پیدا تو مرجاتی ہے یار ہستی ہے خام

۷۰۲
 اصفان مجاز
 ۱۰

یہ ہماری سعی ہے ہم کی کرامت ہے کہ آج
 صوفی و ملاطوکت کے بستہ ہیں ہم
 طبع شرق کے لیے موزوں ہی افیون تھی
 ورنہ تو الٰہی سے کچھ کم تر نہیں و علم کلام
 سے طواف و حج کا ہنگامہ الہی تو کیا
 کس نہ ہو کر رہتی مومن کی تیغ بے نیام
 کس کی نو میدی پہ چھتے ہیں نرمان جدید؟
 ہے جہاد اس دور میں مرد مسلمان پر حرام؟

دوسرا شیر

خیر ہے سلطانی جمہور کا غوغا کہ شر
 تو جہاں کے تازہ فتنوں سے نہیں ہے باخبر!

پہلا شیر

ہوں، مگر یہ ساری جہاں اپنی بتاتی ہے مجھے
جو ملکیت کا ال پروہ ہو گیا اس نے خطرہ
ہم نے خود شاہی کو پہنایا ہے جمہوری لباس
جب فراڈم ہوا ہے خود شناس خود نگر
کاروبار شہری کی حقیقت اور ہے
یہ وجود میں و سلطان پر نہیں ہے منحصر
مجلس ملت ہو یا پرویز کا دربار ہو
ہے وہ سلطان، بغیر کی کھیتی یہ ہو جس کی نظر
تو نے کیا دیکھا نہیں مغرب کا جمہوری نظم نام
چہرہ روشن، اندروں چنگیز سے تاریک ترا

تیسرا شیر

روحِ سلطانی رہے باقی تو پھر کیا ضبطِ اسرار
ہے مگر کیا اس ہنرمندی کی شرارت کا جواب؟
وہ حکیم بے تختی، وہ مسیح بے رھیب
نہیں پیغمبروں کی کن درجہ نازل دار و کتاب
کیا بتاؤں کیا ہے کافر کی نگاہ پر وہ سوز
مشرق و مغرب کی قوموں کے لیے روزِ حساب
اس سے بڑھ کر اور کیا چوکا طبیعت کا فساد
توڑ دی بندوں نے اقاؤں کے خمیوں کی طناب!

چوتھا شیر

توڑا سن کارومہ اللبرے کے یوانوں میں دیکھ
اے سیرز کو دکھایا ہم نے پھر سیرز کا خواب

کون بحرِ روم کی موجوں سے ہے لپٹا ہوا
گاہِ بالہ چوں صنوبرِ گاہِ نالہ چوں باب

تیسرا شیر

میں تو اس کی عاقبت بینی کا کچھ قائل نہیں
جس نے زعفرانی سیاست کو کیا یوں بے حجاب

چوتھا شیر

(ابلیس کو مخاطب کر کے)

اے ترے سوزِ نفس سے کارِ عالم استوار
تو نے جب چاہا، کیا ہر پرولی کو آشکار
اب کل تیری حرارت کے جہانِ سوز و سار
ابدِ جنت تری تسلیم سے دانائے کار

۷۰۶
افغان مجاز
۱۲

تجھ سے بڑھ کر فطرت آدم کا وہ مجرم نہیں
سادہ دل بندوں میں جو مشورے پروردگار
کام تھا جن کا فقط تقدیس و تسبیح و طواف
تیری غیبت سے ابتدا تک نہ خون و شرمسار
گرچہ ہیں تیرے مرید افزائے حسرت تمام
اب مجھے ان کی فراست پر نہیں ہے اعتبار
وہ یہودی فتنہ لڑوہ رُوح مزوک کا برو
قرب سوزے کو ہے اس کے جنوں سے تار مار
زراغ و شستی ہو رہا ہے ہر شاہین و چرخ
کتنی سعادت سے بدلتا ہے مزاج روزگار
چھا کتنی آشفقت ہو کر وسعت افلاک پر
جس کو نادانی سے ہم سمجھے تھے اُمّ شتِ غیا
فتنہ و فتنہ والی سمیت کا یہ عالم ہے کہ آج
کانپتے ہیں کو ہزار و ہزار و جو تبا

میرے آقا! وہ جہاں زیر و زبر ہونے کو ہے
جس جہاں کا ہے فقط تیری سیادت پر مدار

ابیس

(اپنے مشیروں سے)

پے مرے دستِ تصرف میں جہاں بنگلہ ہو
کیا زمین، کیا مہر، کیا آسمان، تو شو
دیکھ لیں گے اپنی آنکھوں کے تماشا، غرب و شرق
میں نے جب کر ما دیا اقوام پورے کافلو
کیا امانِ سیاست، کیا کلیسا کے شیوخ
سب کو دیوانہ بنا سکتی ہے میری ایک ہو
کار کاہِ شیشہ جو ناواں سمجھتا ہے اسے
توڑ کر ویٹھے تو اس تہذیب کے جام و بوا

دستِ فطرت نے کیلے ہیں جن کریبانوں کو چال
 مزد کی منطق کی سوزن نے نہیں سوتے رفو
 کب ڈرا سکتے ہیں مجھ کو اشتراکی کوچہ لرو
 یہ پیشاں روزگار آشفتمنغز آشفتمنو
 ہے اگر مجھ کو خطر کوئی تو اس اُمت کے ہے
 جس کی خاکستریں ہے اب تک شرارِ آرزو
 خال خال اس قوم میں اب تک نظر آتے ہیں وہ
 کرتے ہیں اشکِ سحر کا ہی سے جو ظالم و ضلوم
 جانتا ہے، بس یہ روشن باطنِ ایام ہے
 مزدکیتِ فتنہ فرود انہیں، اسلام ہے!



جانتا ہوں میں یہ اُمتِ حاملِ قرآن نہیں
 ہے وہی ساری اری بندہ مومن کا دیں

جانتا ہوں میں کہ مشرق کی اندھیری ات میں
 بے پندھی سے پیرانِ حرم کی استیں
 عصرِ حاضر کے تقاضاؤں سے ہے لیکن یہ خوف
 ہونہ جاتے اشکارا شرعِ پیغمبر کہیں
 احمذرا! اتین پتہ سبر سے سو بار الحذر
 حافظِ ناموس بن، مردِ آزما، مردِ انہریں
 موت کا پیغام ہر نوعِ عنلائی کے لیے
 نے کوئی غفور و خاقان نے فقیر رہشیں
 کرتا ہے دولت کو ہر آلودگی سے پال صاف
 منعموں کو مال و دولت کا بناتا ہے امیں
 اس کے بڑھ کر اور کیا فکر و عمل کا انقلاب
 پادشاہوں کی نہیں اتدی ہے یہ زمین!
 چشمِ عالم سے ہے پوشیدہ یہ آئیں تو خوب
 غنیمت ہے کہ خود مومن ہے محروم ہمتیں

چے یہی بہتر الہیات میں الجھار ہے
یہ کتاب اللہ کی تاویلات میں الجھار ہے



توڑ ڈالیں جس کی تکسیریں طلسم شش جہات
ہونہ روشن اُس خدا اندیش کی تاریک رات
ابن مریم مرکیا یا زندہ جاوید سے
ہیں صفات ذات حق حق سے خدا یا عین ذوات
اسے والے سے مسیح ناصر ہی مقصود ہے
یا مجدد جس میں ہوں سرزند مریم کے صفا
ہیں کلام اللہ کے الفاظ حادث یا قدیم
امت مرحوم کی ہے کس عقیدے میں نجات
کیا سماں کے لیے کافی نہیں اس دور میں
یہ الہیات کے ترشے ہوئے لات و منا؟

تم ایسے جیسے کانہ رکھو عالم کو اسے
 تابساط زندگی میں اس کے سب نمبرے ہوں تا
 خیر اسی میں ہے قیامت تاکہ سے مومن غلام
 چھوڑ کر اوروں کی حنا طریہ جہان بے شہادت
 ہے وہی شعر و تصوف اس کے حق میں خوبتر
 جو چھپا دے اس کی آنکھوں سے تاشائے حیات
 ہر نفس تاہوں اس اُمت کی بیداری نہیں
 ہے حقیقت جس کے وہیں کی احتساب کا نکتہ
 مست رکھو ذکر و فکرِ صبح کا ہی میں اسے
 پنختہ ترکہ دو مزاج خانقاہی میں اسے



۷۱۲
افغان مجاز

۲۰

بڈھے بلوچ کی نصیحتیں بیلے کو

چوتیرے بیاباں کی ہوا تجھ کو لو ارا
اس دشت سے بہتے ہر نہ ولی نہ بخارا
حسرت میں چاہے صفتِ سیلِ واں پل
وادِی یہ ہساری ہے وہ صحرا بھی ہمارا
غیرتے بڑھی چہینِ جہان تک دو میں
پہناتی ہے درویش کو تاجِ سوارا
حاصل کسی کامل سے یہ پوشیدہ نہ کر
کہتے ہیں کہ شیشے کو بنا سکتے ہیں خارا
انرا دکے ہاتھوں میں ہے اقوام کی تقدیر
چر رہے ملت کے معتمد کا ستارا
مخرم رہا دوستِ دریا سے وہ غوٹھیں
کرتا نہیں جو حجتِ ساحل سے کنار

دیں ہاتھ سے دے کر اگر آزاد ہو مکت
 ہے ایسی تجارت میں سماں کا خسار
 دنیا کو ہے پھر کر کہ روح و بدن پیش
 تہذیب نے پھر اپنے درندوں کو اٹھارا
 اللہ کو پامردی مومن پہ بھروسہ
 ایس کو یورپ کی شینوں کا سہارا
 تفتیر اٹھم کیا ہے، کوئی کہہ نہیں سکتا
 مومن کی فراست ہو تو کافی ہے اشارہ
 اندر عمل مانگ نیساں کان کھن سے
 شاہاں چہ عجب کر بنوازند کدرا!



تصویر و مصوّر

تصویر

کہا تصویر نے تصویر کر سے
نمائش ہے مری تیرے ہر
بیکر کن کس تدرنا منصفی ہے
کہ تو پوشیدہ ہو یہ سہری نطن سے!

مصوّر

گراں ہے چشم سینا دیدہ و پر
جہاں بینی سے کیا لزمی شہر پر
نطن نر درو عنم و سوز و تب و تاہ
تو اسے ناواں، قناعت کر خبر پر

تصویر
خبر، عہدِ صل و حسنہ کی ناتوانی
نظرِ نر، دل کی حیاستِ جاودانی
نہیں ہے اس زمانے کی تاز و تاز
سزاوارِ حدیثِ سنِ ترائی

مُصوّر

تو ہے میرے کمالِ استِ نر سے
نہ چو نویں اپنے نقشِ کر سے
مرے ویدار کی ہے اس یہی شرط
کہ تو پنہاں نہ ہو اپنی نظر سے



۷۱۶
افغان مجاز
۲۲

عالم برنج

مردہ اپنی قبر سے

کیا شے کہے اس امرز کا فردا ہے قیامت
اے میرے شبستان کہن! کیا ہے قیامت؟

قبر

اے مردہ صبر! تجھے کیا نہیں سلوم؟
ہر موت کا پوشیدہ تقاضا ہے قیامت!

مردہ

جس موت کا پوشیدہ تقاضا ہے قیامت
اُس موت کے پھنکے میں گرفتار نہیں ہیں

چہر چہند کہ نہوں مُردہ صمد لہ ولیکن
 طلست کدہ خاکے بیزار نہیں میں
 ہو زوح پھراک بار سوار بدن زار
 ایسی ہے قیامت تو خریدار نہیں میں

صمدائے غیب

نے نصیب مارو کثرتِ دم نے نصیبِ دام و دود
 ہے فقط محکم قوموں کے لیے مرگِ ابد
 بانائے اسرائیل ان کو زندہ کر سکتی نہیں
 رُوح سے تھا زندگی میں بھی تھی جن کا جسد
 مر کے جی اٹھنا فقط آزاد مردوں کا ہے کام
 گرچہ ہر ذمی رُوح کی منزل ہے آغوشِ لحد

قبر

(اپنے مرنے سے)

اے وطنِ عالم! تو جہاں میں بندہ محکوم تھا
میں نہ سمجھی تھی کہ ہے کیوں حال میری سو بزمِ خاک
تیری میت سے میری تاریکیاں تاریک تر
تیری میت سے زمیں کا پردہ ناموس حال
الحذر! محکوم کی میت سے سو بار الحذر
اے سرافیل! اے خدائے کائنات! اے جانِ مال!

صدائے غیب

گرچہ پریم سے قیامت کے نظامِ هست و بود
ہیں اسی اسلوب کے بے پردہ اسرارِ جو
زلزلے سے کوہ و دریاؤں سے ہیں مانند حساب
زلزلے سے ادویوں میں تازہ چشموں کی نمود

ہر تہمتی سیر کو لازم ہے تخریب تمام
ہے اسی میں شکستِ زندگانی کی کشود

زمین

آہ یہ مرگ دوام آہ یہ رزم حیات
ختم بھی ہوگی کبھی کشمکشِ کائنات!
عقل کو ملتی نہیں اپنے بتوں سے نجات
عارفِ عامی تمام بندۂ لات مہنات
خوار ہوا کس قدر آدمِ بزواں صحنات
قلبِ نظر پر کہاں ایسے جہاں کائنات

کیوں نہیں ہوتی سحرِ حضرتِ انساں کی رات؟



معزول شہنشاہ

ہو مبارک اس شہنشاہِ نیکو فرجام کو
جس کی قربانی سے اس لرزلو کثیت میں فاش
شاہ ہے برطانوی مندر میں اک مٹی کا بت
جس کو کر سکتے ہیں جب چاہیں سُجاری مائش
ہے یہ مشکِ امیز افیوں ہم غلاموں کے لیے
ساحرِ انگلیس! مارا خواجہ دیکر تراش



دوزخی کی مناجات

اس دیر کھن میں ہیں غرض مند چرباری
نچید بوتوں سے ہوں تو کرتے ہیں خدا یاد
پوچھا بھی ہے بسو نمازیں بھی ہیں بے سو
قسمت ہے عنسیر ہوں کی وہی نالہ و سیریا
ہیں کرچہ ملندی میں عمارات فلک بوس
شہر حقیقت میں ہے ویرانہ آباد
تیشے کی کوئی کر دشت تیر تو دیکھے
سیراب ہے پرویز چلر شہنہ ہے فرہاد
یہ علم، یہ حکمت، یہ سیاست، یہ تجارت
جو کچھ ہے وہ ہے منکر ملک کانہ کی احباب
اللہ! ترا شکر کہ یہ خطہ تیر پر سور
سو والہ یورپ کی عنلامی سے ہے ازاد

۷۲۲
اصغان مجاز

۳۰

مسعود مرعوم

یہ مہر و مہر، یہ ستارے یہ آسمان کبوتر
کے خنجر کے سر کہ یہ عالم عدم ہے یا کہ وجود
خیالِ حبسا وہ منہ نزلِ فسانہ و افسوں
کہ زندگی ہے سرِ اپارِ حیلِ بے مقصود
رہی نہ آہ، زمانے کے ہاتھ سے باقی
وہ یادگارِ کمالاتِ احمد و محمود
زوالِ علم و ہنسِ سرِ مرگِ ناکہاں اس کی
وہ کارواں کا مستطیع لہراں بہا مسعود!
مجھے زلاتی ہے اہل جہاں کی بید روی
فغانِ مرغِ سحرِ خواں کو جانتے ہیں سرود
نہ کہہ کہ صہبر میں پنہاں ہے چارہ غم و دست
نہ کہہ کہ صہبر معنائے موت کی ہے کشود

”وَلَيْكُمُ الْعَاشِقُ وَصَابِرٌ بُوَد مَكْرَسَنَكِ اسْت
زِعْشَق تَابِ صَبُورِي مِزَارِ فَرْسَنَكِ اسْت“
(سعدیؒ)

نہ مجھ سے پوچھو کہ عسر لہریز کیا ہے
کنے خبر کہ یہ نیزناک و سیما کیا ہے
ہوا جو حال سے پیدا، وہ حال میں ستور
مگر غیبیت صغریٰ ہے یا فنا، کیا ہے
غبارِ راہ کو بخشا کیا ہے فوقِ جمال
خبر دیتا نہیں سکتی کہ مدعا کیا ہے
دلِ نطش بھی اسی سببِ گل کے ہیں اعجاز
نہیں تو حضرت انسان کی انتہا کیا ہے؟
جہاں کی رُوحِ رواں ”لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ“
سبح و منح و چلیا، یہ ماہِ حیرا کیا ہے
قصاصِ خونِ تمنا کا مانگے کس سے
گناہِ کار ہے کون اور خوں بہا کیا ہے

۷۲۲

اصغان حجاز

۳۲

غم میں مشو کہ یہ بند جہاں گرفتاریم
طلسم ہا شکند ان دے لے کہ ماواریم

خودی ہے زندہ تو ہے موت اک مقام حیات
کہ عشق موت سے کرتا ہے امتحان ثبات

خودی ہے زندہ تو دریا ہے بے کرا نہ ترا
ترے فراق میں مضطرب ہے موج نیل و فرا

خودی ہے مردہ تو مانند گاہ پیش نسیم
خودی ہے زندہ تو سلطانِ جملہ موجودات

بنگاہ ایک تختی سے ہے اگر محروم
دو صد ہزار تختی تلافی مافات

مستام بندہ مومن کا ہے ورانے سپر
زمین سے تا بہ ثریا تمام لات و منات

حریم ذات ہے اس کا نشین ابدی
نہ تیرہ خالِ حسد ہے نہ جلوہ گاہِ صفات

خود آگہاں کہ ازین خاکداں بروں جہتند
طلسم مہر و سپہر و ستارہ شکستند

آوازِ غیب

آتی ہے دم صبح صدا عرشین میں سے
لکھویا کیا کس طرح ترا جوہر اوراں!
کس طرح ہوا کسند ترا نشتر تحقیق
ہوتے نہیں کیوں تجھ سے ستاروں کے جلا چاں
تو وطن بہر و باطن کی خلافت کا سرزوار
کیا شعلہ بھی ہوتا ہے غلام حسن خاشاک
مہر و مہر و آج بسم نہیں سکومتے کیوں
کیوں تیری نگاہوں سے لرزتے نہیں افلاک

۷۲۶

ایمان مجاز

۳۲

اب تک ہے پرواں کرجہ لہو تیری رکوں میں
نے گرمی انکار نہ اندیشہ بے بال
روشن تو وہ ہوتی ہے جہاں ہیں نہیں ہوتی
جس آنکھ کے پردوں میں نہیں ہے نگر پاک

باقی نہ رہی تیری وہ آئینہ ضمیری
اے شہسوار سلطانی و ملائی و سپیری!



زبا عیبتا



مری شاخ اہل کا ہے ترکیا
ترمی تفتدیر کی مجھ کو خبر کیا
کلی گل کی ہے محتاج کشوداج
نسیم صبح مندر اپر نطیر کیا



فراغت دے اُسے کارِ جہاں سے
 کہ چھوٹے نفس کے امتحاں سے
 ہوا پیری سے شیطان کہنہ اندیش
 گنناہ تازہ تر لائے کہاں سے!



دلگلوں عالمِ شام و سحر کر
 جہاں خشک و تر زیر و زبر کر
 ہے تیری حسداتی داغ سے پاک
 مے بے ذوق سجدوں سے حسد کر



عنبر ہی میں ہوں محسوسِ مسیری
کہ غمیتِ منہ سے مسیری
حذر! سنسکر و رویشی سے، جس نے
مسلمانوں کو کھاد ہی سنسکریری!



خرد کی تنگ دامنی سے سنسکر
تجلی کی سنسکر وانی سے سنسکر
گوارا ہے اسے نطفہ نغمہ
زندگی ناما سنسکر وانی سے سنسکر!



کہا اقبال نے شیخ حسام سے
 تیرا محراب مسجد سویا کون
 نڈا مسجد کی دیواروں سے اتنی
 فرنگی بت کدے میں لھویا کون؟



گنہگار ہاں سے آرزو
 کہ ہے مردِ سماں کا لہو
 بتوں کو میسر ہی لا دینی مبارک
 کہ ہے آج ایشیا میں لہو

۷۳۲
 اربعان مجاز
 ۲۰



سیت شین قدموں دل آویز
 چکر پرخوں، نفسِ ریشمِ نیک تیز
 میسر ہو کے دیدارِ اس کا
 کہ ہے وہ رونقِ محسنِ کلمِ آیز



تمیزِ نار و گل سے اشکارا
 نسیمِ نسیم کی روشنیِ ضعیفی
 حفاظتِ پھول کی کس نہیں ہے
 اگر کانٹے میں ہو خوتے سریری

۴۳۳
 اصفان مجاز
 ۲۱



نہ کر ذکرِ سراق و آشنائی

کہ اس میں زندگی ہے خودمانی

نہ دریا کا زیاں ہے نہ نہر کا

دلِ دریا سے فوہ کس کی جہتی



ترے پیام میں طومناں کیوں نہیں ہے

خود ہی سیر ہی سماں کیوں نہیں ہے

عیشے شکوہ تفتیریزواں

تو خود تفتیریزواں کیوں نہیں ہے؟

۴۳۲
اصغان حجاز
۲۲



جنرودیکھے اگر دل کی نگہ سے
جہاں روشن ہے نورِ لائے سے
فقط اک کروشنِ شام و سحر ہے
اگر دیکھیں سرخ مہر سے



کبھی دریائے شل موج اب کر
کبھی دریائے کسینے میں اتر کر
کبھی دریائے گل سے لڑ کر
مست م اپنی خودی کا فاش تر کر!

ہر ایک کی زندگی سے
 ہر ایک کی زندگی سے
 ہر ایک کی زندگی سے
 ہر ایک کی زندگی سے
 ہر ایک کی زندگی سے
 ہر ایک کی زندگی سے
 ہر ایک کی زندگی سے
 ہر ایک کی زندگی سے
 ہر ایک کی زندگی سے
 ہر ایک کی زندگی سے

ہر ایک کی زندگی سے
 ہر ایک کی زندگی سے
 ہر ایک کی زندگی سے
 ہر ایک کی زندگی سے
 ہر ایک کی زندگی سے
 ہر ایک کی زندگی سے
 ہر ایک کی زندگی سے
 ہر ایک کی زندگی سے
 ہر ایک کی زندگی سے
 ہر ایک کی زندگی سے

۶۳۶
 اصفان مجاز
 ۲۲

ملا زادہ ضلع لولاکشمیری کاغذیں



پانی ترے چشموں کا ٹپتا ہوا سیلاب
مرغانِ سخنِ تیرے فضاؤں میں ہیں بیتاب

اے وادیِ لولاب!

گر صاحبِ پنکام نہ ہوں نہ مجرب
ہیں بند مومن کے لیے موتے یا حجاب

اے وادیِ لولاب!

ہیں سازِ یہ موقوف نوا ہاں جگر سوز
ڈھیلے ہوں اگر تارِ توبیہ کا ہے مضراب

اے وادیِ لولاب!

ملا کی نظر زورِ فراست سے چہ چنالی
بے سوز ہے مچھتا نہ مٹھونی کی مے مناب
اے واہی لولاب!

بیدار ہوں دل جس کی فعانِ سحری سے
اس قوم میں مدت سے وہ درویش ہے نایاب
اے واہی لولاب!



موت سے اک سخت تر جب کا غلامی ہے نام
مکرو فنِ خواجگی کا شس سمجھت غلام
شرعِ ملوکانہ میں جدتِ احکام دیکھ
صُور کا غوغا حلالِ حشر کی لذتِ حرام
اے کہ غلامی سے ہے رُوحِ تری مُضحیٰ
سینہ بے سوز میں ڈھونڈ خودی کا مقام!



آج وہ شیریں محکوم و محبوب و فقیر
کل جسے اہل نظر کہتے تھے ایرانِ صغیر
سینہ اسلاک سے اٹھتی ہے آہ سونال
مرد حق ہوتا ہے جب مر عجب سلطانِ امیر
کہہ رہا ہے داستانِ بید روی ایامِ لی
کوہ کے دامن میں وہ غمِ نسیم نہر و مہقانِ پیر
آہ! یہ قومِ نجیب و چرب دست و تر و مانغ
ہے کہاں روزِ مسکافاتِ ار خدا تو کیر؟



گرم ہو جاتا ہے جب محکوم قوموں کا لہو
تھر تھراتا ہے جہانِ چار سوسے ورنک بو

پاک ہوتا ہے وطن و تھمیں سے انساں کا ضمیر
 کرتا ہے ہر راہ کو روشن چرخِ آرزو
 وہ پرانے چاک جن کو عقل ہی سکتی نہیں
 عشق سیتا ہے انھیں بے سون و تارِ زفو
 ضربتِ پیہم سے ہو جاتا ہے آخر پاشِ پاش
 جاگتیت کا بے سنگین دل و آسینہ



دراج کی پرواز میں ہے شکستِ شاہیں
 حیرت میں ہے صہیاد و شاہیں ہے کہ دراج!
 ہر قوم کے انکار میں پیدا ہے تلام
 مشرق میں ہے فرائے قیامت کی نموداج
 فطرت کے تقاضوں سے ہوا حشرِ محبوب
 وہ مردہ کہتے بانگِ فراسیل کا محتاج



رندوں کو بھی معلوم ہیں صوفی کے کمالات
مگر چہ چند کہ مشہور نہیں ان کے کرامات
خود کسیری و خود داری و گل بانگ انا الحق
ازاد ہو سالک تو ہیں یہ اس کے مقامات
معلوم ہو سالک تو یہی اس کا پیراوست
خود مرده و خود مرشد و خود مرلہ معاجات!



نکل کر حسن نقا ہوں ادا کر رسم شہتیری
کہ گفت خائف تا ہی ہے فقط اندوہ و دلگیری
تھے دین ادب سے آرہی ہے بوئے پربانی
یہی ہے مرنے والی امتوں کا عالم پیری

شیاطینِ ملوکیت کی آنکھوں میں ہے وہ جادو
 کہ خود پنچھری کے دل میں ہو پیدا ذوقِ پنچھری
 چہ لے پروا لذت مند از نواسے بھکاہن
 کہ برواں شوروستی از یہ شیمانِ شمیری!



سجھتا ہوں کی بوند اگر تو اسے تو حسیہ
 دل آدمی کا ہے منقطع ال جذبہ بند
 گردشِ مرہ و ستارہ کی ہے ناکوار اسے
 دل آپ اپنے شام و سحر کا نقشِ بند
 جس خاک کے ضمیر میں ہے آتشِ چنار
 ممکن نہیں کہ سب ہو وہ خاکِ ارجمند





کھلا جب چمن میں کتب خانہ گل
نہ کام آیا ملا کو علم کتابی
مناقت شکن تھی ہوا سبے بہاراں
غزل خواں ہوا سپرک اندرابی
کہ لالہ آتشیں پیرہن نے
کہ اسرارِ جہاں کی ہوں میں بے حجابی
سجھتا ہے جو موت خوابِ خود
نہاں اس کی تعمیر میں ہے خرابی
نہیں زندگی سلسلہ روز و شب کا
نہیں زندگی مستی و نیم خوابی
حیات است در آتش خود تپیدن
خوش اس دم کہ این گشتہ بازاریابی

گستاخِ دلِ شرارے بگیری
تواں کرد زیرِ سنگِ آفتابی



آزاد کی رک سختیے مانندِ رکِ سنگ
محموم کی رک نرمیے مانندِ رکِ تاک
محموم کا دل مُردہ و افسردہ و نومید
آزاد کا دل زندہ و پرسوز و طربِ ناک
آزاد کی دولتِ دل روشن، نفسِ گرم
محموم کا سرمایہ فقط ویدہ نمِ ناک
محموم ہے بیگانہ، اخلاصِ مروت
چرچند کہ منطق کی دلیلوں میں ہے چالاک
ممکن نہیں محموم ہو آزاد کا ہمدوش
وہ بندہ افلاک ہے، یہ خواجہ مرفلاک

۷۲۲

امعان مجاز

۵۲



تمام عارف و عامی خودی سے بیگانہ
کوئی بتاتے یہ مسجد ہے یا کہ مسجد
یہ راز ہم سے چھپایا ہے میرا اعطائے
کہ خود حرم ہے چہ پرانغ حرم کا پروانہ
طلسم بے خبری، کافنری دین اری
حدیث شیخ و برہاسن قسوں افسانہ
نصیب خط ہو یارب وہ بندہ درویش
کہ جس کے فقر میں انداز ہوں کلہمیش
چھپے رہیں گے زمانے کی آنکھ سے کب تک
گھر ہیں اب ولر کے تمام یک دانہ





وگرگوں جہاں اُن کے زورِ عمل سے
بڑے معر کے زندہ قوموں نے مارے
منہ ختم کی تقویمِ سرودا ہے باطل
گرے آسماں سے پڑانے ستارے
ضمیرِ جہاں اس قدر آتشیں ہے
کہ دریا کی موجوں سے ٹوٹے ستارے
زمین کو فراغت نہیں زلزلوں سے
نمایاں ہیں فطرت کے باریک اشارے
ہمالہ کے چشمے اُبلتے ہیں کب تک
خضر سوچتا ہے ولہ کے کنارے



۷۲۶
اصغان حجاز
۵۲



نشاں یہی ہے زمانے میں زندہ قوموں کا
کہ صبح و شام بدلتی ہیں ان کی تقدیریں
کمالِ صدق و مروت سے زندگی ان کی
معاف کرتی ہے فطرت بھی ان کی تقصیریں
قلندرانہ ادائیں، سکندرانہ جلال
یہ امتیں ہیں جہاں میں برہنہ شیریں
خودی سے مرد خود آگاہ کا جمال و جلال
کہ یہ کتاب ہے باقی تمام تفسیریں
شکوہ عیب کا منکر نہیں ہوں میں لیکن
قبولِ حق ہیں فقط مردِ حشر کی بے سیریں
حکیم سیری نواؤں کا راز کیا جانے
ورائے عقل ہیں اہل حسنوں کی تدبیریں



چه کافرانه قمار حیات می بازی
که بازمانه بسازی بخود نمی سازی
وگر بمدرسه های حسرم نمی بسینم
دل حبسید و نگاه غزالی و رازی
بحکم مفتی اعظم که فطرت ازلیت
بدین صعوه حسرم است کار شبازی
همان فقیر ازل گفت خیره شاپین
با سماں کزوی با زمین نه پروازی
منم که توبه نه کردم ز مناش کوفی ها
ز بیم این که سلطان کنند عثمازی
بدست ناز سه قند و ز بخارا ایست
و عسا بجوز فقیران بزرگ شیرازی

۷۲۸

ایمان حجاز

۵۶



ضمیمہ مغرب کے تاجرانہ، ضمیمہ مشرق سے اہلبانہ
وہاں دگرگوں ہے لفظ لفظ، یہاں بدلتا نہیں زمانہ
کنار دریا خضر نے مجھ سے کہا بہ انداز محراب
سکندری ہو، سکندری ہو یہ سب طریقے ہیں ساحر
حرفی اپنا سمجھ رہے ہیں مجھے خدایانِ خالق ہی
انھیں یہ ڈر ہے کہ میرے نالوں سے شوق نہ ہو سنا
غلام قوموں کے علم و فکر کی ہے یہی مر آشکار
زمین اگر تنگ ہے تو کیا ہے فصاحتے کر ڈوں سے لے کر انہ
خبر نہیں کیا ہے نام اس کا، خدا فریبی کہ خود فریبی
عمل سے فارغ ہو اسلماں بنا کے تقدیر کا بہانہ

مری اسیری پہ شاخِ گل نے یہ کہے صیاد کو زلایا
کہ ایسے پرسوزِ نغمہ خواں کا لہراں نہ تھا مجھ پہ آشیانہ



حاجت نہیں اے خطہ گل شرحِ ثبیاں کی
تصویرِ میراے دل پرخوں کی ہے لالہ
تقدیر ہے اک نامِ کفایتِ عمل کا
دیتے ہیں یہ پینامِ خدایان ہمسالہ
سرمایہ کی ہواؤں میں ہے عریاں بدن اس کا
دیتا ہے شہنشاہِ جس کا امیرِ موز ووشاہ
اُمید نہ رکھ دولتِ دنیا سے وفا کی
زم اس کی طبیعت میں ہے مانندِ غزالہ





خود آگاہی نے سکھلا دی ہے جس کو تن فراموشی
حرام آتی ہے اس مردِ مجرب پر پردہ پوشی



اس عزمِ بلند اور اس سوزِ جگر اور
شیرِ پدرِ خواہی بازو سے پدر اور





غریب شہر ہوں میں بسن تو لے مری فریاد
کہ تیرے سینے میں بھیجوں قیامتیں آباد
مری نوائے غم کو دے مستراح عزیز
جہاں میں عام نہیں دولتِ دلِ ناشاد
رکھ دے مجھ کو زمانے کی کور و قی سے
سمجھتا ہے مری محنت کو محنتِ فریاد
”صدائے تیشہ کہ برسنگ میخورد و لکڑ است
خبر بلی کہ آواز تیشہ و جگر است“

✽ صدائے تیشہ الخ یہ شعر مرزا جانجناں منگھت علیہ الرحمۃ کے

مشہور بیاض حشریہ جواہر میں ہے

سکر جیدی صدرِ اسلم حیدر آباد کن نام

یوم اقبال کے موقع پر توش خانہ رضوان نظام کی طرف سے جو صاحبِ عظم
کے ماتحت ہے ایک ہزار روپے کا چیک بطور توجہ موصول ہونے پر

تھایہ اللہ کا فنرماں کہ شکوہ پرویز
دوست لندرو کہ ہیں اس میں ملو کا نہ صفا
مجھ سے فنرمایا کہ لے اور شہنشاہی کہ
حسن تدبیر سے دے آئی وفانی کو ثبت
نیں تو اس بار امانت کو اٹھانا سر دوش
کام درویش میں ہر تلخ ہے مانند بیت
غیرتِ یفقتہ مگر کرنہ سکی اس کو قبول
جب کہا اس نے ہے میری خدائی کی زکات



حُسن احمد

عجم هنوز نداند رموزِ دین، ورنہ
ز دیوبند حسین احمد! این چه بواجبی است
سرود بر سر منبر کہ ملت از وطن است
چہ بے خبر ز مقامِ محمدِ عربی است
بمصطفیٰ برسماں خویش را کہ دین ہمہ است
الکر بہ او ز سیدی تمام بولہبی است

حضرت انس

جہاں میں دانش و بندش کی ہے کس درجہ ارزانی
کوئی شے چھپ نہیں سکتی کہ یہ عالم ہے نورانی
کوئی دیکھے تو ہے باریک فطرت کا حجاب اتنا
نمایاں ہیں فرشتوں کے تہتم ہاتے پہنانی

۷۵۲

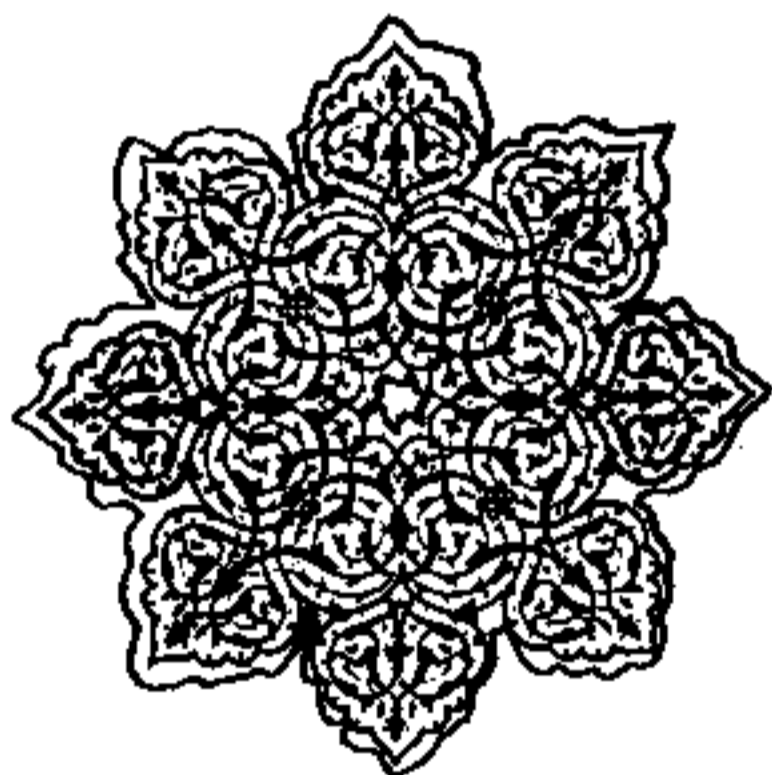
افغان مجاز

۶۲

یہ دنیا دعوتِ دیدار ہے منہ زنداوم کو
 کہ ہر ستور کو بخشا گیا ہے ذوقِ عسیرانی
 یہی منہ زنداوم ہے کہ جس کے اشکِ خم نہیں سے
 کیا ہے حضرتِ نیواں نے ریاضِ موطائی
 فلک کے کیا خبیر خاں کس کا شہین ہے
 غرضِ انجمن سے ہے کس کے بستیاں کی تہبانی

اگر مقصودِ گل میں ہوں تو مجھ سے ماورا کیا ہے
 مرے ہنگامہ ہاتے تو بہ نو کی انتہا کیا ہے؟





۷۵۶
ارغوان مجاز
۶۲